جواب عرض
اپریل 2012

جواب عرض کی کسی کہانی، ناقابل فراموش واقعات یا کسی بھی عنوان کے تحت شائع کسی مراسلے یا اس کے کسی حصہ کو بطور ثبوت یا سند کسی بھی عدالتی کارروائی میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ جواب عرض میں شائع ہونے والی تمام کہانیوں کی صداقت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہوتی ہے۔ ایسی تمام کہانیوں کے تمام نام واقعات قطعی طور پر تبدیل کر دیے جاتے ہیں جن سے حالات میں کچھ بھی پیدا ہونے کا امکان ہو جس کا ایڈیٹر، رائٹر، ادارہ یا پبلشرز ذمہ دار نہ ہوگا۔

آخری قسط

# انوکھا سفر

.....کشور کرن۔ پتوکی

ماریہ کو ایک خطرناک مصیبت گلے پڑتی تھی لیکن جیسے ہی اسے پتہ چلا کہ اس کی منگنی شان سے ہو چکی ہے تو وہ بہت خوش رہنے لگی. شان نے دنیا بھر کا پیار اس کے قدموں میں رکھ دیا. ایک دن شان کی ڈیڈ باڈی دیکھ کر وہ پاگل ہو گئی پھر علاج ہونے پر وہ ٹھیک ہو تو گئی لیکن شان کو نہ بھلا سکی اچانک اس کے رستے میں باہر آ جاتا ہے. جو شان کو ماریہ کے دل سے نکالنے میں کامیاب ہوتا ہے پھر ماریہ کی بابر کے ساتھ منگنی ہو جاتی ہے. ماریہ کی زندگی میں دوبارہ خوشیاں رقص کرنے لگتی ہیں. باہر کو دو سال کے لئے باہر جانا پڑ گیا، دو سال کے بعد وہ اپنی بیوی اور بچہ لے کر آ گیا. ماریہ پر ایک بار پھر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے ...... اور اب آگے!

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

ماریہ پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی، ماریہ ہر وقت روتی رہتی۔ ماریہ تیری قسمت، ماریہ تو ایک زندہ لاش بن گئی تھی۔ یہ پتہ نہیں کس کا قصور تھا جو ماریہ کو اتنی سزائیں مل رہی تھیں۔ ماریہ نے سکول چھوڑ دیا کیونکہ اب کالج میں داخلہ لیا تھا۔ سو ماریہ سارا دن اپنی قسمت پر آنسو بہاتی رہتی۔ اس کے انکل یعنی بھائی یامین آتے اور اسے سمجھا کر چلے جاتے۔ اب نہ وہ پیار تھا، نہ چاہت تھی، نہ وہ عزت تھی۔ ایک طرف ان لوگوں کو اپنا پوتا نظر آتا، دوسری طرف ان لوگوں کو ماریہ کا دکھ تھا۔ وہ نہ تو اپنے پوتے کو کھونا چاہتا تھا، نہ ہی ماریہ کو۔ خیر دن گزرتے گئے ماریہ اپنی محبت میں ایک بار پھر ناکام ہو گئی۔ ماریہ نے اب اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ کسی سے پیار نہیں کرے گی، اسے محبت راس نہیں آتی۔ وہ سوچنے لگی کہ اب کیا کروں کہاں جاؤں۔ ایک دن اپنے ماں باپ سے کہنے لگی ابو جی میں شہر میں اپنی پھوپھی کے پاس چلی جاتی ہوں، وہاں کالج میں ایڈمیشن لے کر پڑھتی رہوں گی۔ پھر وہاں میری پھوپھو کی بیٹی جویریہ ہے میں اس کے ساتھ کالج جاؤں گی اور ہم دونوں اکٹھی رہیں گی۔ ٹھیک ہے بیٹی میں کل جا کر بات کر کے آتا ہوں تم تیار کر لو۔ او کے ابو جی۔ ویسے بھی میں یہاں رہنا نہیں چاہتی۔

وہ شخص انا پرست تھا اس کی باتوں میں اقرار بھی تھا
اس کی چبھتے ہوئے لہجے میں چھپا پیار بھی تھا
وہ مجھے لکھتا تھا انتظار نہ کرو
لیکن اس کی تحریر صدیوں کا انتظار بھی تھا

وہ کہتا تھا کہ نہ روٹھو منانا نہیں آتا
میری ناراضگی پر لیکن وہ بے قرار بھی تھا
میں شاید پھر نہ لکھتی اسے اپنی خبر
محبت کا بھرم رکھنا تھا کچھ دل بے اختیار بھی تھا
شاید اس کا یہی انداز محبت ہو
وہ میرا ہمدرد بھی تھا ستم گزار بھی تھا

پھر ماریہ دکھوں کو اپنے دل میں سمیٹ کر آنسو اپنی آنکھوں میں چھپا کر ویرانیاں ساری اکٹھی کر کے اپنے دل کے ٹکڑوں کو باندھ کر اپنی تنہائیاں اپنا مقدر بنا کر اپنے ہاتھوں کی لکیروں سے پیار مٹا کر اپنے دل سے دھڑکنوں کو نکال کر اپنی وفاؤں کو بے رخی میں بدل کر اپنی خوشیوں کو حالت زار بنا کر اپنے لبوں پہ فریادیں رکھ کر اپنی راہوں میں پھولوں کی جگہ کانٹے بچھا کر اپنے محبوب سے دشمن کو دعا دے کر تیار ہو گئی۔

یاد ماضی میں آنکھوں کو سزا دی ہم نے
اس سے بہتر ہے کہ ہر بات بھلا دی ہم نے
جس سے تھوڑی سی امید زیادہ ہو کبھی
ایسی ہر شمع سر شام جلا دی ہم نے
میں نے اپنوں کے رویوں سے یہ محسوس کیا
دل کے آنگن میں بھی دیوار اٹھا دی ہم نے
میں نے یاروں کے بچھڑنے سے یہ سیکھا ہے ماری
اپنے دشمن کو بھی جینے کی دعا دی ہم نے

پھر ماریہ اپنے حالات پر روتی ہوئی تیار ہو گئی۔ اس کے باپ نے اسے آ کر بتایا کہ بیٹی تمہاری پھوپھو بہت خوش ہے اور تو اور جویریہ کہہ رہی تھی کہ ماموں آج ہی ماریہ کو چھوڑ جاؤ۔ تو پھر ابو ہم صبح جلدی چلیں جائیں گے۔ او کے بیٹی تم اپنی ساری تیاری کر لو میں تمہیں کل چھوڑ آؤں گا۔ ماری کی ماں بولی، دیکھو بیٹی ہم اس لئے نہیں تمہیں بھیج رہے کہ تم بس پڑھو وہاں اس لئے بھیج رہے ہیں کہ جویریہ کے ساتھ تم خوش رہو گی کسی قسم کی کوئی بات اپنے ذہن میں نہیں آنے دینی۔ ہاں ماریہ بیٹی ہم یہی چاہتے ہیں کہ تم ہمیشہ خوش رہو اور اپنے دکھوں کے لئے ہمیں رہنے دو۔ دیکھو ابو میں آپ کی اولاد ہوں اور میں اپنے دکھوں میں آپ کو شامل نہیں کروں گی پہلے ہی میری وجہ سے آپ کو بہت پریشانی ہے میں نہیں چاہتی کہ میں آپ کو اور پریشان کروں ابو اب تو میرا ایک ہی مقصد ہے کہ میں پڑھوں، بس اس کے علاوہ نہ کچھ سوچوں گی نہ کوئی حسرت رکھوں گی اور نہ ہی شادی کروں گی بس میرا مقصد پڑھنا ہے۔ اپنے قدموں پر کھڑے ہونا ہے اور آپ کا نام روشن کرنا ہے اب آپ لوگ مجھے تنگ نہ کرنا جب تک میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتی تب تک بھول جاؤ مجھے۔ نہیں بیٹی ہم بھول تو نہیں سکتے مگر مجبوری کی زندگی جیتے رہیں گے اور آپ کی خوشیوں اور کامیابی کی دعا مانگتے رہیں گے۔

اگلے دن، ماریہ بولی۔ چلو ابو جلدی کرو جویریہ انتظار کرتی ہو گی۔ ہاں بیٹی چلو۔ باپ نے کہا تو وہ ماں کی طرف پلٹی۔ امی آپ دعا کرنا کہ میں جب گھر آؤں تو کامیاب ہو کر۔ ہاں بیٹی ہماری دعائیں تیرے ساتھ ہیں لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہمارا دل کیسے لگے گا تمہارے بنا لیکن میں شوق سے نہیں مجبوری سے جا رہی ہوں۔ او کے بیٹی خوش رہنا۔ آج ماریہ اپنی ماں کے گلے مل کر کھل کے روئی ہاں بھی بہت روئی بلکہ گھر کی تنہائی روئی۔ ماریہ کی جدائی پہ آج گھر کی دیواریں



روتی گھر کی اداسی روتی گھر کی وہ چیزیں روئی جو ماریہ بیٹی استعمال کرتی تھی۔ ماریہ نے جاتے جاتے وہ گلیاں بھی رلائیں جن میں اکثر آیا جایا کرتی تھی۔ پھر وہ روتی ہوئی اپنی پھوپھی کے پاس چلی گئی۔ وہاں وہ لوگ منتظر تھے۔ اسے کو دیکھ کر پھوپھی تو صدقے واری ہونے لگی پھر انکل اور بھائی پھر جویریہ کی باری تھی۔ جویریہ نے ماریہ کا ہاتھ پکڑا اور لے گئی۔ اس نے ماری کے لئے پہلے سے ہی ایک کمرہ خالی کر دیا تھا۔ ماریہ نے اپنی سیٹنگ کی اور اس گھر میں اپنی تمام چیزیں اچھے طریقے سے رکھیں۔ ماری بیٹا میں چلتا ہوں تمہاری ماں گھر میں اکیلی ہے کہیں وہ رو رو کر برا حال نہ کر لے۔ باپ نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔ ٹھیک ہے ابو آپ جائیں اور خود بھی خوش رہنا ہے اور امی کو بھی خوش رکھنا ہے اور میں بھی کوشش کروں گی کہ خوش رہوں۔ ماری نے ایک بار پھر جی بھر کے رو لیا اور روتی ہوئی دروازے تک آئی۔ اس نے مجھے یعنی اپنے باپ کو آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آنکھوں سے اور ہونٹوں کی آہوں سے الوداع کیا۔ میری بچی جو میری گود میں بچوں کی طرح رو رو کر باتیں کرتی تھی اب کون کرے گا اتنا پیار۔ میں رستے میں بھی روتا آیا اپنی بچی کو تو ایک دن اپنے سے دور نہیں کیا تھا اب ایک لمبے عرصے کے لئے چھوڑ کر جا رہا تھا۔

چکور خوش ہے کہ بچوں کو آ گیا اڑنا
اداس بھی ہے کہ دن آ گئے جدائی کے

پھر میں روتا رہا اور مڑ مڑ کر دیکھتا رہا۔ آخر بس آ گئی اور میں نے اپنے آنسو صاف کیا اور بیٹھ گیا گھر آیا تو ماریہ کی ماں نے رو رو کر برا حال بنا رکھا تھا اور دروازے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سہارا دے کر اندر لے گیا اور سمجھایا کہ وہ جب آئے گی تو اپنی منزل پا کر کامیاب ہو کر، خوشیاں لے کر آئے گی۔ دیکھ بیگم تو پاگل ہے جو اتنا رو رہی ہے ماریہ تو خوش ہے اور ہمیں اس کی خوشی چاہئے چاہے ہمیں اس کی خوشی کے لئے کوئی بھی قربانی دینی پڑے۔ ہاں ماری کے ابو مگر آج تو مجھے سارا گھر کھانے کو آتا ہے کہیں سے ماری کی آواز نہیں آتی۔ دیکھو پگلی میں ہوں ناں تم کیوں فکر کرتی ہو، ہم عادی ہو جائیں گے۔

اُدھر ماری نے تین چار دن بڑی اداسی اور مایوسی میں گزار دیئے، ایک ہفتہ تو اس کا ایسے ہی گزر گیا پھر جویریہ نے کالج میں بات کی۔ اگلی صبح ماریہ اور جویریہ دونوں گئیں آج جویریہ بہت خوش تھی کہ ماریہ کے ساتھ جا رہی ہے اور ماریہ غم سے نڈھال اور دل میں یہ ڈر لئے جا رہی تھی کہ کوئی لڑکا مجھ میں دلچسپی نہ لے۔ ماریہ کی ایڈمیشن ہوئی تو اس نے کالج جانا شروع کر دیا۔ پہلے ہی دن کالج میں کئی لڑکیوں نے جویریہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ جویریہ نے تنگ آ کر کلاس روم میں کھڑی ہو کر بتایا کہ یہ میرے ماموں کی بیٹی ہے اور اسی کالج میں پڑھے گی۔ اس طرح سب کو پتہ چل گیا کہ ماریہ جویریہ کی کزن ہے اس کے ساتھ آیا کرے گی۔ ماریہ اپنا منہ نیچے کر کے بیٹھی تھی اور غمزدہ پھر کئی لڑکیوں نے اس سے بات کرنی چاہی مگر ماری کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔ وہ یہی سمجھتی کہ میں بدقسمت ہوں، مجھے اپنے دکھوں پہ فخر ہے میں اپنی بدقسمتی کی انا میں رہتی ہوں۔

خوشبو کی پیاسی ہوں غم میرے قریب ہیں
اب میں کیا کروں کہ یہی میرے نصیب ہیں

اب تو میں اپنے غم میں خوش ہوں کوئی مجھ سے دوستی نہ کرے کوئی پیار کا ڈھونگ نہ رچائے میں پیار کر کر کے ہار چکی ہوں اب نہیں کروں گی کسی سے۔ وہ اپنے دل میں یہ باتیں ہی سوچ رہی تھی کہ کلاس انچارج آئے پوری کلاس پر نظر ماری سب چپ چپ تھے مگر ماریہ سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ماریہ کو دیکھ کر یہ شعر بولا۔

حسرتیں بے قیاس ہوتی ہیں
صورتیں غم شناس ہوتی ہیں

جن کے [illegible]

ان کی آنکھیں اداس ہوتی ہیں

ساری کلاس متوجہ ہوئی۔ سر یہ ہے ماریہ میری کزن۔ جویریہ جلدی میں بولی۔ پھر سر نے ماری کو بلایا۔ اپنے پاس بٹھا کر پہلے تو اس کی اداسی کا سبب پوچھا لیکن ماریہ نے اپنے آنسو روکے اور سر کے زیادہ اصرار پر سب کچھ بتا دیا۔ سر بھی غمزدہ ہو گئے پھر ماری اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔ کلاس انچارج کافی دیر سوچتا رہا کہ پھر اسے ماریہ سے ہمدردی ہونے لگی اس نے کبھی ماریہ کو نہیں ڈانٹا تھا ماریہ اب کچھ اپنے آپ کو ہلکی پھلکی محسوس کر رہی تھی۔ پھر پڑھائی کے بعد چھٹی ہوتی اور وہ دونوں گھر آ گئیں۔ سلام کیا۔ آ گئی بیٹی ماریہ کیسا رہا آج کالج کا پہلا دن؟ بس آنٹی گزر ہی گیا ہے اور میرے لئے بور تھا کہ میں کسی کو نہیں جانتی تھی اور پھر رات کا کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور رات بھر ماری سوچتی رہی کہ سر کو نہیں بتانا چاہئے تھا کہیں وہ میرے دکھ کو تماشہ بنا کر پوری کلاس میں لگا دے۔ پھر سوچتی اگر سر نے ایسا کیا تو میں کالج چھوڑ دوں گی یعنی کبھی کوئی خیال اس کے ذہن میں آتا اور کبھی کوئی۔ کافی رات تک وہ یہی سوچتی رہی اور پھر جانے کب نیند کی لپیٹ میں آئی صبح اٹھی نماز، قرآن پڑھا اور پھر تیار ہو کر ناشتہ کیا اور دونوں کالج آ گئیں۔ آج ماری کا دوسرا دن تھا، آج وہ لڑکیوں کے ساتھ کچھ گپ شپ لگانے لگی جویریہ خوش ہو رہی تھی کہ ماری اب اپنا گزرا ہوا ماضی بھول جائے گی مگر تن کے زخم تو بھول جاتے ہیں من میں لگے زخم کبھی نہیں بھولتے۔ ماری بھی انہی زخموں کا شکار بنی تھی۔ ماریہ جب بھی دو پیار کرنے والوں کو دیکھتی تو دل میں دعا کرتی اور سوچتی خدا ان کو کامیاب کرے میں نے بھی اپنے آپ سے بڑھ کر کسی کو چاہا تھا۔ ماریہ یہی سوچتی رہتی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو جاتی۔ ماریہ اسی طرح کبھی ہنس لیتی کبھی رو لیتی، کبھی خوش تو کبھی غمزدہ۔ وہ اکثر پیدل کالج آتی جاتی تھی پھر ماری کچھ اچھا بھی نہ لگتا تھا کیونکہ موٹر سائیکل سے شان کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو اسے نفرت ہو گئی اور بابر گاڑی میں گھماتا تھا تو اسے نفرت ہو گئی۔ اب نہ تو اسے گاڑی اچھی لگتی اور نہ ہی موٹر سائیکل۔ پیدل آنا جانا اسے اچھا لگتا تھا۔ جویریہ کی ایک دوست تھی جو ان کی پچھلی گلی میں رہتی تھی وہ بھی اپنے ماموں کے بیٹے کے ساتھ آتی تھی اور کبھی لڑکیوں کے ساتھ کالج چلی جاتی۔ جویریہ زیادہ ٹائم اسی کے ساتھ گزارتی تھی۔

ایک دن معمول کے مطابق جویریہ اور ماریہ دونوں جا رہی تھیں ایک کار ان کے آگے آ کر رکی ماری کو بہت غصہ آیا وہ عامر تھا، جویریہ کا کلاس فیلو۔ گاڑی روکتے ہی بولا۔ آؤ جویریہ بیٹھو میں بھی کالج جا رہا ہوں تم دونوں کو دیکھا تو سوچا لیتا چلوں۔ جویریہ نے ماریہ کی طرف دیکھا تو ماریہ چل پڑی ماریہ کے ساتھ جویریہ کو بھی چلنا پڑا عامر دیکھتا رہ گیا کہ کیسی لڑکی ہے ہمیں اپنا دشمن سمجھتی ہے یا پھر اس میں غرور ہے۔ وہ تو چلا گیا لیکن جویریہ اور ماری دونوں پیدل کالج گئیں تو وہ گیٹ کے پاس کھڑا دیکھ رہا تھا۔ ان دونوں نے عامر کو نظر انداز کیا اور سیدھی کلاس میں گئیں پھر چھٹی کے وقت وہ گیٹ کے باہر کھڑا تھا بولا۔ جویریہ آؤ ناں یار کیوں ڈرتی ہو میں اسی محلے کا رہنے والا ہوں تم آؤ ہم تینوں اکٹھے چلتے ہیں۔ جویریہ تو رک گئی مگر ماری چلنے لگی، ماری کو دیکھ کر جویریہ کو بھی چلنا پڑتا اور پھر وہ ماری میں دلچسپی لیتا تھا۔ جویریہ میں نہیں پھر بھی جویریہ ہمیشہ ماری کو کہتی۔ یہ ہمارا ہمدرد ہے ہمیں بیٹھ جانا چاہئے اور تم اپنی انا میں رہتی ہو۔ دیکھو جویریہ اگر تمہیں اچھا لگتا ہے تو بیٹھ جایا کرو لیکن مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا میں یہ گاڑیاں، یہ دولت یہ سب پیچھے چھوڑ آئی ہوں لیکن اگر تمہیں شوق ہے یا پسند ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں یار۔ یہ کہہ کر ماری تیز تیز قدموں سے چلنے لگی پھر عامر پیچھے سے آیا اور گاڑی کھڑی کی ان دونوں کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور چل پڑا ماری کو ذرا بھی اچھا نہیں لگتا تھا وہ گھر آ کر سوچتی کہ یہ نیا ڈرامہ ہے۔ جن کاموں سے ڈرتی ہوں وہ ہی آگے آ رہے ہیں۔ تیسرے دن پھر ایسا ہی ہوا وہ اپنے رستے پر جا رہی تھی تو عامر نے کہا۔ دیکھو میرا جی نہیں چاہتا کہ تم دونوں پیدل چلو اور میں گاڑی میں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو نہیں۔ ماریہ جلدی سے بولی۔ اگر تمہیں اتنا شوق ہے تو ہزاروں لڑکیاں پیدل آتی جاتی ہیں تم بھر لیا کرو اپنی گاڑی، اس طرح تمہارا شوق بھی پورا ہو جائے گا اور ان کو آسانی ہو جائے گی۔ نہیں ماریہ میں کسی لڑکی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے میں تو تمہیں بٹھانا چاہتا ہوں۔ اگر یہ بات ہے تو میں نہیں بیٹھوں گی کیونکہ مجھے ان سب چیزوں سے سخت نفرت ہے، میں یہ سب کچھ پیچھے چھوڑ آئی ہوں اگر میں ابھی چاہوں تو ابھی میری اپنی گاڑی آ جائے گی مگر مجھے نفرت ہے۔ یہ کہہ کر ماریہ چل پڑی جویریہ بیٹھ گئی گیٹ پر ماریہ کا دونوں ویٹ کر رہے تھے جب ماریہ پہنچی تو جویریہ بولی۔ ماری تمہیں میرا بیٹھنا بھی اچھا نہیں لگا۔ نہیں نہیں تم جو چاہے کرو مجھے تو بس اپنا پتہ ہے او کے یار ٹھیک ہے چلو کلاس میں چلیں۔ عامر جیسے ماریہ کا غلام بننا چاہتا تھا اور ماریہ اسے دیکھنا بھی گوارا نہ کرتی۔ عامر اکثر کلاس میں ماریہ کے ساتھ بات کے بہانے جویریہ سے بات کرتا تھا اسے ماریہ کی یہ ادا بہت پسند آتی تھی وہ کئی بار ماریہ پر مرنے کو تیار تھا اسے دیکھنا بات کرنا عامر کے دل میں بہت حسرت تھی۔ ماریہ جب بھی بولتی تو اسی طرف ہی دیکھتا رہتا اس کا بولنا اور بولنے کی عادت اسے بہت ہی اچھی لگتی تھی۔ وہ ہمیشہ اسے نظر انداز کرتی رہتی آخر اسے کوئی نہ کوئی جواب دینا ہی پڑتا اور عامر اس کے ایک جواب سے بہت خوش ہوتا کہ وہ جیت گیا ہے کہ ماری نے اس کے ساتھ بات کی ہے پھر وہ جویریہ سے اکثر پوچھتا کہ یہ اتنی مغرور کیوں ہے۔ جویریہ کہتی یہ مغرور نہیں ہے اسے پیار سے ڈر لگتا ہے وہ کسی سے پیار نہیں کرنا چاہتی، تم اسے ڈسٹرب نہ کیا کرو۔ نہیں جویریہ اس کے لئے جیوؤں گا اور مروں گا، اس کی یہ عادت بدل نہ دوں تو میں عامر نہیں ہوں۔ دیکھو عامر وہ سارا دن پریشان رہتی ہے، تم اسے اور پریشان کرو گے تو وہ کالج چھوڑ دے گی۔ نہیں نہیں جویریہ پلیز ایسا نہ کہو میرے دل کو جھٹکا سا لگا ہے۔ کالج چھوڑنے کی بات مت کرو نہیں تو میں بھی اس کے ساتھ ہی چھوڑ دوں گا اور رہی بات میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے کی اگر اسے نفرت ہے تو آج کے بعد میں بھی اکیلا ہی پیدل جاؤں گا۔ دیکھو تم اپنی گاڑی میں جایا کرو اسے تو شوق ہے پیدل چلنے کا۔ اگر اسے شوق ہے تو میں بھی شوق بنا لوں گا۔ کل سے تمہارے ساتھ پیدل جاؤں گا اور جویریہ وہ ابھی تک میرے جذبات کو نہیں سمجھی میں نے آج تک کسی کو اتنا نہیں چاہا نہ ہی کسی سے کوئی بات کرنے کا شوق ہے لیکن ماریہ کے آگے میں نے اپنا دل ہار دیا ہے اور میں اسے حاصل کر کے رہوں گا۔ اگر زندہ رہا تو ماریہ میری اگر ماریہ میری نہیں تو زندگی بھی نہیں چاہئے۔ نہیں عامر تم ایسی باتیں نہ کرو جہاں تک ہو سکا تو میں ضرور تمہاری مدد کروں گی، او کے۔ تھینکس جویریہ اب میرا گھر آ گیا ہے باقی باتیں کل کریں گے، او کے۔

ماریہ پیچھے پیدل آ رہی تھی۔ جویریہ نے اپنی ماں کو سلام کیا۔ ماں بولی۔ بیٹی اکیلی آتی ہو ماریہ کہاں ہے۔ امی وہ آ رہی ہے میں عامر کے ساتھ گاڑی میں آئی ہوں وہ نہیں بیٹھی۔ چلو چینج کرواتنے میں ماریہ آ گئی۔ سلام آنٹی۔ جیتی رہو بیٹی۔ آنٹی ہفتے کو ہمارے کالج میں ایک بہت بڑی پارٹی ہے اس دن لڑکیاں لڑکے سج دھج کے جائیں گے۔ او پھر تو بڑی خوشی کی بات ہے لیکن آنٹی مجھے کوئی خوشی نہیں میں تو سوچ رہی تھی کہ ہفتہ کو چھٹی کروں۔ نہیں بیٹی چھٹی کیوں کرو گی کیا تمہیں یہ سب کچھ پسند نہیں؟ نہیں آنٹی۔ اتنی دیر میں جویریہ آئی۔ امی کل میں بازار جاؤں گی آپ کے ساتھ جو جو چیزیں مجھے چاہئیں وہ لے کر دینا۔ ٹھیک ہے بیٹی مگر ماریہ کو بھی تیار کرو۔ امی وہ تو کہتی ہے کہ میں نہیں جاؤں گی۔ میں نے کچھ نہیں لینا ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔

اگلے دن کالج میں جویریہ اور عامر نے بتایا کہ عامر ماریہ کے لئے چیزیں لائے گا اور وہ چھٹی لے کر چلا گیا۔ کالج سے چھٹی ہونے سے پہلے وہ ماریہ کے لئے شاپنگ کر کے آ گیا۔ جویریہ کو سب پتہ تھا کہ عامر نے آ کر اپنی ممانی سے کہا۔ مامی یہ چیزیں ماریہ کے کمرے میں رکھنی ہیں تو وہ لے کر ان کے گھر گئی ماریہ کی پھوپھی اکیلی تھی۔ سلام دعا کے بعد بولی۔ یہ کچھ چیزیں ہیں جو عامر نے ماریہ کے لئے دی ہیں مگر ماریہ تو نہیں ہے لیکن جب آئے گی تو

دے دینا تو ایسا کرو اس کے کمرے میں رکھ دو وہ خود ہی دیکھ لے گی۔ اوکے۔ وہ سب کچھ رکھ کر چلی گئی۔ ماریہ آئی سلام کیا اپنے کمرے میں گئی تو کمرہ تازہ پھولوں سے مہک رہا تھا سامنے تازے پھولوں کا ایک پیارا سا گلدستہ تھا اس کے اندر ایک خط اور پاس ہی ایک شاپر میں کچھ اور بھی تھا۔ ماریہ نے شاپر دیکھا تو سرخ چوڑیاں، مہندی، میک اپ کا سامان، ایک ڈائری تھی اس نے ایسے ہی شاپر بند کر دیا پھر خط کھول کر پڑھا اسے پہلے ہی شک تھا کہ یہ کام عامر کا ہے لیکن وہ حیران تھی کہ جویریہ تو میرے ساتھ ہے مگر یہ کس نے اور کب کیا۔ اس نے دیکھا تو لکھا تھا ماریہ میرا یہ چھوٹا سا گفٹ قبول کر لو پلیز ماریہ میں چاہتا ہوں کہ تم یہ سب کچھ پہن کر آؤ مجھے بہت اچھا لگے گا۔ یہ سب کچھ پڑھ کر ماریہ کو بہت غصہ آیا۔ آنٹی میرے کمرے میں کون گیا تھا؟ بیٹی عامر کی ماں آئی تھی کچھ چیزیں تھیں آپ کے لئے تو میں نے کہا کہ اس کے کمرے میں رکھ دو، وہ رکھ کر چلی گئی۔ مگر آنٹی مجھے نہیں چاہئے یہ سب۔ اوکے بیٹی کل واپس کر دینا۔ ٹھیک ہے آنٹی۔ اگلی صبح وہ تیار ہوئی بلکہ تیار کیا سادگی پسند تھی سادہ سا لباس پہنا اور شاپر پکڑا پھول اور وہ خط بھی پھر کالج گئی تو عامر آگے ہی اس کا ویٹ کر رہا تھا۔ اپنے دوستوں میں بیٹھ کر اور کہہ رہا تھا۔ دیکھنا ماریہ میرا شکریہ ادا کرنے ضرور آئے گی۔ ماریہ بالکل پہلے کی طرح تیار تھی ہاتھ میں پھول اور شاپر دیکھ کر وہ خوش ہو رہا تھا۔ ماریہ نے آتے ہی پہلے عامر کی گود میں پھول پھینکے پھر شاپر پھر وہ خط پھاڑا اور پھر اسے جھنجھوڑا کہ تم کیا سمجھتے ہو۔ اپنے آپ کو تم نے مجھے تماشہ بنا رکھا ہے۔ یہ سب چیزیں میرے پاس نہیں ہیں کیا یا مجھے ان چیزوں کی بھوک ہے؟ نہیں میں لعنت بھیجتی ہوں تمہاری چیزوں پر اور کمرے میں چلی گئی۔ اس کے پیچھے کئی لڑکیاں جو بن ٹھن کر آئی تھیں، وہ کمرے میں آ کر ماریہ کو زبردستی چوڑیاں پہنانے لگیں پھر مہندی لگائی پھر میک اپ کیا۔ عامر غمزدہ ہو کر سب کچھ دیکھ رہا پھر وہ لڑکیاں ماریہ کو باہر لان میں لے آئیں ماریہ کسی دلہن کی طرح لگ رہی تھی۔ سب اسے دیکھ کر حیران تھے کتنی پیاری لگ رہی ہے مگر وہ رو رہی تھی۔ اتنے میں پرنسپل اور کلاس انچارج آ گئے اور وہ لڑکیاں ڈرنے لگیں پھر ماریہ کے پاس آ کر سر نے پوچھا۔ کیا بات ہے ماریہ بیٹی کیوں رو رہی ہو؟ سر یہ دیکھو لڑکیوں نے زبردستی چوڑیاں مہندی اور میک اپ کیا ہے۔ سب سیریس ہو کر دیکھ اور سن رہے تھے پھر ماریہ بولی۔ سر آپ تو جانتے ہیں کہ میں یہ سب کچھ نہیں کرتی مجھے ان چیزوں سے نفرت ہے۔ ہاں بیٹی لیکن آج تو سب لڑکیاں ماشاءاللہ کتنی پیاری تیار ہو کر آئی ہیں اور اگر انہوں نے آپ کو تیار کیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے تم اتنا افسوس کیوں کرتی ہو؟ دیکھیں سر میرا گزرا ہوا ماضی مجھے اجازت نہیں دیتا، یہ سب کرنے کی۔ اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ اتنا روئی اتنا روئی کہ جتنی بھی لڑکیاں کھڑی تھیں سب رونے لگیں بلکہ کئی لڑکے بھی اپنے آنسو صاف کرنے لگے۔ آپ چپ ہو جاؤ بیٹی پلیز چپ ہو جاؤ۔ آج ماریہ کے آنسوؤں میں اتنی طاقت تھی آج ماریہ کے لفظوں میں اتنی تڑپ تھی کہ پورے کالج کو ہلا کر رکھ دیا۔ پھر سر نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پایا اور بولا۔ دیکھو بچو! ماریہ کے ساتھ آج کے بعد کوئی سٹوڈنٹ بدتمیزی نہیں کرے گا۔ میں جانتا ہوں کہ اسے کیوں نفرت ہے مگر تم لوگ نہیں جانتے آج کے بعد تم کوئی اسے تنگ نہیں کرنا پھر ماریہ بولی۔ سر اگر اب کسی نے میرے ساتھ کوئی مذاق کیا تو میں کالج چھوڑ دوں گی مگر ایسا کچھ نہیں کروں گی جس سے میرے دل کو تکلیف ہو۔ اور پھر روتی ہوئی تیز تیز قدموں سے چلی گئی۔ عامر دوڑ کر سر کے پاس آیا اور بولا۔ سر کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ماریہ کا گزرا ہوا ماضی کون سا تھا کیسا تھا، کیسا ہوا تھا اس کے ساتھ، سر کیا ہے اس کے اندر جو اسے خوش نہیں رہنے دیتا؟ سر پلیز بتائیں، سر بتائیں پلیز۔ نہیں عامر بیٹا میں نہیں بتا سکتا تم کو، سمجھ گئے ہوں گے۔ ماریہ تو دور چلی گئی تھی جب عامر کو سر نے کچھ نہ بتایا تو عامر ماریہ کے پیچھے بھاگ پڑا اور ماریہ کے پاس آ کر رک گیا۔ ماریہ پلیز مجھے معاف کر دو پلیز ماریہ معاف کر دو۔ ہاتھ جوڑ کر اس کے آگے کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ نہ بولی تو وہ رونے لگا۔ ماریہ کا دل اسے روتا دیکھ کر موم ہو رہا تھا مگر وہ کسی کی زندگی کی دشمن نہیں بن سکتی تھی۔ پھر ماریہ چلنے لگی تو عامر اس کے پاؤں میں بیٹھ گیا اور رونے لگا ماریہ پلیز میری وجہ سے تمہیں اتنا دکھ



پہنچا ہے مجھے معاف کر دو پلیز ماریہ مجھے معاف کر دو۔ آج کے بعد میں کبھی تمہیں تنگ نہیں کروں گا مگر یاد رکھو میرے دل میں آپ کی محبت اور بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ میں کبھی بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ تم جتنی بھی نفرت کر دو میں تمہیں پیار ہی کروں گا چاہے اس کے بدلے میں مجھے کوئی بھی سزا ملے۔ ماریہ چلتی جا رہی تھی اور وہ روتا ہوا معافیاں مانگ رہا تھا۔ ماریہ کے آنسو اس کے خوبصورت گورے گورے گالوں پر گر رہے تھے مگر وہ منہ سے کچھ نہیں بولتی تھی۔ عامر اپنے کئے پر بہت پچھتا رہا تھا۔ عامر بولا۔ دیکھو ماریہ اگر تم نے مجھے معاف نہ کیا تو میں اسی طرح روتا ہوا تیرے گھر تک جاؤں گا۔ اس کا انجام چاہے کچھ بھی ہو آپ جب تک معاف نہ کرو گی یہ تیرا دیوانہ رو رو کر تیرے سامنے خودکشی کر لے گا۔ آج تیرے آنسوؤں نے میری جان بھی لے لی تو کم ہے۔ تیرے ان آنسوؤں کی قیمت تو میں ہزار بار بھی زندہ ہو کر مروں تو بھی نہیں چکا سکتا۔ پلیز روک لو، اپنے آنسو اگر تیرے آنسو نہ رکے تو آج میری زندگی کا آخری دن ہو گا۔ اس نے ماریہ کے پاؤں پکڑ کر روک لیا، ماریہ رک گئی۔ جب ماریہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ کتنا رویا ہے وہ اس کے آنسو دیکھ کر برداشت نہ کر سکی اور بولی۔ تم وعدہ کرو کہ مجھے کبھی تنگ نہیں کرو گے۔ ہاں میں وعدہ کرتا ہوں کبھی تنگ نہیں کروں گا مگر اتنا یاد رکھنا تم سے پیار کیا ہے کروں گا اور کرتا ہی مر جاؤں گا بس لیکن تمہیں کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔

نفرتوں کی لہر میں چاہتوں کی بارش بھی
تم ستم بھی کرتے ہو اور پھر نوازش بھی

پھر ماریہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور بولی۔ دیکھو عامر مجھے تنگ کرو گے تو وہ دن کالج میں میرا آخری دن ہو گا۔ ٹھیک ہے جاؤ اب میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اوکے تھینکس ماریہ تھینک یو۔ پھر اس نے اپنے آنسو صاف کئے اور بھیگی پلکوں سے گرتے آنسوؤں سے مسکرایا اور ماریہ کا رستہ چھوڑ دیا۔ ماری نے بھی اپنے آنسو صاف کئے اور گھر آ گئی گھر والوں کو سلام کیا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ بالکل خاموش تھی۔ جب جویریہ آئی تو سیدھی اس کے کمرے میں اس کی حالت دیکھی۔ اسے تسلی دی اور عامر کے بارے میں معلومات دیں۔ ماریہ خاموشی سے سنتی رہی پھر بولی۔ جویریہ تم اپنی بات کرواسے چھوڑو۔ اوکے میں کپڑے بدل کر آتی ہوں، تم فریش ہو جاؤ۔ اور پھر چلی گئی۔ ماری سوچتی رہی کہ یہ کیسی ہے یہ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی یہ ایسی باتیں کرتی ہے۔ خیر ماریہ اکیلی اپنے کمرے میں کبھی روتی تو کبھی چپ ہو جاتی، اس کے مائنڈ میں ایک بہت بڑا بوجھ تھا جو اسے خوش نہیں رہنے دیتا تھا۔

ماری ہر روز کالج جاتی مگر عامر نے کبھی کوئی شرارت نہ کی۔ ایک دن جویریہ کو روک کر کہتا ہے۔ جویریہ اگر تم پیدل چلو گی تو میں بھی آج کے بعد پیدل جایا کروں گا۔ پھر اس کے بعد وہ پیدل کالج جاتا کبھی وہ ان سے آگے چلا جاتا کبھی پیچھے رہ جاتا، کبھی اکٹھے ہی جاتے مگر وہ کبھی رستے میں نہیں بولتا تھا۔ سر جھکا کر نظر نیچی بالکل معصوم سا چہرہ لگتا تھا۔ ماری دل ہی دل میں اس کی اداؤں کو جاننے لگی مگر اپنے نصیب سے ڈرتی کوئی بات زبان پر نہیں لاتی تھی۔ کوئی خواہش دل میں نہیں رکھتی تھی، کوئی حسرت، کوئی خوشی اس کی تمنا نہیں بنتے تھے۔

ہم اپنی ویران دنیا میں ہی اچھے ہیں ماری
جو ستارے چاند کے پاس ہوں جگمگایا نہیں کرتے

وہ اپنی مستی میں مست اپنی انا میں اپنے دکھوں کے شہر میں اکیلی رہنا چاہتی تھی، اس نے اپنا دل بڑی مشکل سے قابو میں رکھا ہوا تھا مگر دنیا کیا جانے کس کے دل میں کیا ہے ماریہ کتنی خوش رہنے والی آج پیار سے دور بھاگتی ہے کتنی مجبور ہے وہ دل کے ہاتھوں۔

پہلے ہی دل نے بہت صدمے اٹھائے ہیں ماری

اگر اب دل ٹوٹا تو تنکا تنکا بکھر جائے گا

کالج کا سلسلہ اس طرح چلتا رہا ماریہ اور جویریہ اکٹھی جاتیں، کبھی عامر ان کو رستے میں نہیں بلاتا تھا، وہ اکثر آتے جاتے دیکھ کر خاموشی سے گزر جاتا۔ اپنی نگاہ نیچے کر کے ہونٹ سی کر رکھتا مگر ماریہ کو نظریں چرا کر دیکھتا رہتا مگر ماری اس میں ذرا بھی دلچسپی نہ لیتی۔ کئی بار جویریہ نے رستے میں اسے بلایا کبھی جواب دیتا کبھی خاموش رہتا کسی بھی دن ماریہ نے اسے نہ بلایا وہ چپ چاپ جاتی اور اسی طرح آتی۔ آخر جویریہ نے رستے میں بلا بلا کر اسے بات کرنے پر مجبور کر ہی دیا۔ اس نے ماریہ سے پوچھا۔ ماریہ لگتا ہے تم نے مجھے معاف نہیں کیا، کبھی میری طرف غصے سے ہی دیکھ لیا کرو۔ جیسے اس دن کالج میں مجھے جھنجھوڑ کر دیکھا تھا۔ ماریہ ہلکا سا مسکرائی اور سیریس ہو گئی۔ وہ بولا۔

اجاڑ دے میرے دل کی دنیا سکون میرا تباہ کر دے
مگر یہ میری التجا ہے ادھر بھی اپنی نگاہ کر دے
سہانی راتوں کو چاندنی میں کبھی نہ تم بے نقاب آنا
میں دل پہ قابو تو کر سکوں گا، نگاہ شاید گناہ کر دے

یہ سن کر ماریہ نے اپنی پلکیں اٹھائیں۔ ایک نظر اسے دیکھا اور دل میں اسے اپنانے کی خواہش تھی۔ وہ جا رہی تھی، عامر ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ ایک بار بولا۔ رک جاؤ ماریہ۔ تو رک گئی بولا۔ ماریہ ایک بات سنو تو وہ متوجہ ہو گئی ماریہ تم نے ایک نظر دیکھا ہے تو دل کو سکون سا ہے مگر کبھی مجھ سے ناراض نہ ہونا وہ تینوں چلتے چلتے باتیں کرتے رہے پھر ماریہ بولی۔ تم نے مجھے پھر سے تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔ نہیں ماریہ بس ہر روز ایک بار دیکھ لیا کرو ورنہ تمہاری طرح ہم بھی خودغرض ہو جائیں گے۔

روٹھ جانا ہمیں بھی آتا ہے فراز
کاش کوئی ہوتا ہمیں منانے والا

ماری خاموش رہی مگر جویریہ گپ شپ لگاتی جا رہی تھی۔ جویریہ سے باتیں کرتے کرتے وہ ماریہ کو کوئی نہ کوئی بات کہہ دیتا اور ماریہ بولی۔ پلیز میرے دکھوں میں اضافہ نہ کرو۔ وہ بولا۔ ٹھیک ہے اگر تم چاہتی ہو کہ میں تمہارے سامنے ہی نہ آؤں تو میں کوشش کروں گا۔

دل کی گلیاں نہ یاد آئیں تجھے
چھو کر نہ گزریں غم کی ہوائیں تجھے
میرا کیا ہے میں تو خاک بھی ہو گیا
میری مٹی بھی دے گی دعائیں تجھے

یہ کہہ کر عامر تیز تیز قدموں سے آگے نکل گیا اور ماریہ اس کے شعروں کا مطلب سمجھ چکی تھی۔ وہ سوچتی رہی کہ یہ دیوانہ کسی طرح بھی میرا پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہے لیکن پھر بھی وہ اسے نظرانداز کرتی رہی۔ پھر روز وہ آ گئے اور ماریہ اپنے معمول کے مطابق کالج جاتی رہی۔ اسی طرح عامر اسے پیار بھری باتیں کر کے اس کا دکھ دور کرنے کی کوشش کرتا لیکن ماریہ کی صحت پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ آخر عید آنے والی تھی پھر ماریہ نے اپنے گھر جانا تھا۔ ایک دن ماریہ جویریہ اور اس کی امی بازار گئی ہوئی تھیں وہاں عامر بھی تھا جو اپنی کزن کے ساتھ شاپنگ کرنے آیا ہوا تھا اس کے ماموں کی بیٹی نے اپنے لئے جو جو لینا تھا وہ لیا اتنے میں ان کی نظر ماریہ اور جویریہ پر پڑی بولی۔ ہیلو جویریہ تم۔ ہاں مگر آپ نے شاپنگ کر لی۔ ہاں کر لی ہے مگر تم لوگ تو ابھی آ ئے ہو۔ ہاں جویریہ بولی۔ اتنے میں ماریہ کی آنٹی بولی۔ آؤ ماریہ جلدی کرو۔ آنٹی چلو وہ ایک دکان میں چلی گئیں اور جویریہ نے اپنے لئے اچھے اچھے دو سوٹ لئے اس کی امی نے بھی اپنے اور جویریہ کے ابو کے



کپڑے لے لئے مگر ماریہ چپ تھی۔ ماریہ بیٹی تم بھی پسند کرو۔ جی اچھا آنٹی وہ والا سفید سوٹ نکلوا دیں۔ ماریہ عید آئی ہے اور تم کوئی اچھا سا سوٹ لو، سفید خرید رہی ہو اور مجھے اچھا نہیں لگا۔ نہیں آنٹی مجھے رنگ برنگے اچھے نہیں لگتے یہ ہی ٹھیک ہے۔ چلو بیٹی جیسے تمہاری مرضی۔ عامر باہر کھڑا دیکھ رہا تھا کہ ماریہ نے ایک سفید سوٹ لیا ہے۔ عامر کو بہت دکھ ہو رہا تھا مگر وہ کچھ بول نہیں سکتا تھا۔ پھر ماریہ جویریہ اور اس کی امی سٹور پر گئیں تو جویریہ نے مہندی چوڑیاں پونیاں وغیرہ میک اپ بھی لیا اور ماریہ خاموش کھڑی رہی۔ ماریہ بیٹی تم بھی لو جو لینا ہے۔ نہیں آنٹی مجھے کچھ بھی پسند نہیں ہے، چلو چلیں۔ ٹھیک ہے بیٹی چلو۔ عامر سب دیکھتا رہا عامر کا دل رو رہا تھا کہ ماریہ کا شوق کیوں ختم ہے پھر عامر خاموش رہا تھا اور گھر آ گیا۔ ماریہ جویریہ اور اس کی امی بھی گھر آ گئیں۔ پھر عید کی تیاریاں ہو رہی تھیں جویریہ بہت خوش تھی کہ عید کی ساری چیزیں لے آئی ہے اور وہ بھی اپنی پسند کی۔ خیر عید آنے میں دو دن تھے جویریہ اور ماریہ نے سب کام کر لئے تھے۔ کالج سے چھٹیاں ہو گئیں سب لوگ عید کی خوشیوں میں شامل ہونے کی تیاریوں میں تھے پھر چاند رات آئی جب چاند دیکھنے ماریہ اور جویریہ چھت پر گئیں تو پیچھے کی چھت پر عامر اور اس کا ایک دوست کھڑے تھے۔ جویریہ کی نظر پڑ گئی، وہ دیکھو چاند نظر آ گیا، چاند نظر آ گیا۔ کہاں ہے چاند۔ ماریہ بولی۔ وہ دیکھو تمہارے پیچھے ماریہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو عامر نظر آ گیا۔ ماریہ جلدی سے نیچے اتر گئی۔ رات لوگوں کا کافی شور تھا کہ کل عید ہے ماریہ اپنے ابو کا انتظار کرتی رہی مگر وہ نہ آئے۔

کل عید کا دن آ گیا جویریہ کی امی نے سویاں بنائیں اور جویریہ سے کہا کہ جاؤ عامر کے گھر دے کر آؤ۔ عامر اپنے ماموں کے گھر رہتا تھا۔ عامر کی مامی اور جویریہ کی امی کی کافی دوستی تھی تو جویریہ تیار ہو گئی پھر جاتے وقت ماریہ کو بھی لے گئی۔ ماریہ کو نہیں پتہ تھا کہ یہ عامر کا گھر ہے۔ جویریہ نے دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے آواز آئی آ جاؤ کون ہے؟ آنٹی میں جویریہ۔ آ جاؤ بیٹی دروازہ کھلا ہے۔ جویریہ اور ماریہ اندر چلی گئیں۔ آنٹی السلام علیکم۔ وعلیکم السلام۔ بیٹی کیسی ہو۔ ٹھیک ہوں بیٹی بیٹھو میں تمہارے لئے چائے لاتی ہوں۔ نہیں آنٹی ہمیں جلدی ہے۔ اتنے میں اندر سے آواز آئی۔ میری بنیان کہاں ہے مامی، پہلے مجھے تلاش کر دو کب کا ڈھونڈ رہا ہوں پھر کچھ اور کرنا۔ میں نے عید کی نماز پڑھنے جانا ہے۔ اچھا عامر بیٹا آئی میں ذرا جویریہ کو برتن خالی کر کے دے لوں۔ جویریہ کا نام سنتے ہی عامر باہر آ گیا۔ سامنے ماریہ بھی کھڑی وہی سفید سوٹ پہنا ہوا تھا بالکل سادہ تھی اور سادگی میں بہت ہی نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ ماریہ نے ایک نظر عامر کو دیکھا۔ عامر بولا۔ عید مبارک ماریہ اور جویریہ نے خیر مبارک کہا۔ اور جانے لگیں تو عامر نے ان کا رستہ روک لیا دروازے میں کھڑا ہو گیا اور بولا۔ میری عید تو اب ہو گی میرا چاند میرے گھر میں آ گیا۔ دیکھو ماریہ جانے سے پہلے مجھے اپنے منہ سے تو کہہ دو کہ عید مبارک۔ دیکھو عامر ہمارا رستہ چھوڑو ہمیں جانے دو پلیز۔ نہیں ماریہ تم نے اگر کوئی بات نہیں کرنی تو پھر بیٹھو چائے پیے بغیر نہیں جاؤ گی۔ نہیں ہمیں جانے دو میرے ابو آنے والے ہیں۔ کیا تم نے جانا ہے۔ عامر بیٹا جانے دو دیر ہو رہی ہے ان کو اندر سے عامر کی مامی کی آواز آئی۔ دیکھو ماریہ اگر تم چلی گئی تو مجھے معاف کرنا میں تمہاری جدائی برداشت نہ کر سکا تو ٹھیک ہے تم جاؤ اور جاتے جاتے معاف کر جانا کہ میں نے تمہیں کتنا ستایا ہے پھر عامر ہٹ گیا اور جویریہ اور ماری گزر گئیں۔ ان کے جانے کے بعد عامر کافی دیر تک سوچتا رہا پھر اپنے آنسو صاف کیے تو اس کی مامی نے دیکھ لیا کہ عامر کی پلکیں بھیگی ہوئی ہیں تو پاس آ کر عامر سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ عامر پہلے تو ٹال مٹول کرتا رہا پھر بولا۔ مامی جان میں ماریہ سے پیار کرتا ہوں وہ مجھے بہت اچھی لگتی اور یہ بھی کہہ لیں اگر میں شادی کروں گا تو اسی سے ورنہ نہیں چاہے اس کے لئے کوئی بھی قربانی دینی پڑے۔ دیکھو عامر بیٹے وہ اپنے ماں باپ کی لاڈلی ہے اگر وہ بھی تمہاری طرح تمہیں چاہے تو بات بن سکتی ہے ورنہ وہ ہوگا جو وہ چاہے گی۔ دیکھو [illegible] وہ ایک دن بدل جائے گی اور مجھ سے بڑھ کر مجھے چاہے گی۔ آپ دعا کرو کہ میں ایک بس ایک بار اس کے

دل میں اپنی جگہ بنالوں پھر منزل خود ہی میرے پاس آ جائے گی۔ آج عید کا دن ہے خدا میری آپ کی دعا قبول کرے۔

اے شان کریم مجھے مایوس نہ کر
تقدیر بدلتی ہے دعاؤں کے اثر سے

ہاں بیٹا میں نے بچپن سے ہی تمہیں خوش رکھنے کی کوشش کی ہے، میں تو چاہتی ہوں کہ دنیا بھر کی خوشیاں تیرے قدموں میں ڈال دوں۔

چراغوں سے اگر دور ہو جاتے اندھیرے
تو چاندنی کی چاہت کسی کو نہ ہوتی
کاٹ سکتا اگر کوئی اکیلے نہ زندگی
تو محبت نام کی کوئی چیز نہ ہوتی

ہاں بیٹے میں دعا کروں گی کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ چلو اب تم تیار ہو جاؤ دیر ہو رہی ہے۔ او کے آنٹی! پر اک بات کہوں۔ ہاں بیٹا کہو۔ آنٹی! آج میں نے ماریہ کی سادگی کو محسوس کیا ہے اور اس کی اداسی بھی مجھے اداس کرتی ہے۔ بیٹا میں جانتی ہوں تمہاری کیفیت کو۔ اچھا آنٹی دعا کرنا میں تیار ہو کر جا رہا ہوں۔ تو عامر چلا گیا عید کی نماز پڑھنے۔

پھر عید کے دوسرے دن ماریہ کے ابو لینے آ گئے۔ ماریہ چلی گئی گھر میں اس کی ماں تو جیسے ماریہ کی جدائی برداشت نہیں کر سکی، وہ اکثر بیمار رہتی۔ باپ تو ظاہر نہ کرواتا تھا ماریہ آئی اور گھر میں چاند کھل گیا رونق آ گئی۔ ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں نظر آتی خزاں جیسے گھر میں ایک ہی دن میں بہار آ گئی پھر ماریہ بھی خوش تھی اور اس کی ماں بھی۔ ماریہ کو تین دن ہو گئے تھے۔ تیسرے دن جویریہ نے فون کیا کہ ماریہ اب آ جاؤ میرا دل نہیں لگتا۔ ماریہ کہتی کہ اب چھٹیاں تو گزرنے دو۔ نہیں ماریہ تم کل ہی آ جا لیکن بات کیا ہے؟ ماریہ بولی۔ بات یہ ہے کہ ادھر بہت ضروری کام ہے۔ تم جلدی آ ؤ۔ جویریہ نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ ماریہ نے پھر فون کیا۔ ہیلو جویریہ تم مجھے بتاتی کیوں نہیں کہ کیا مسئلہ ہے، تم کیا چھپا رہی ہو، مجھے کھل کے بتاؤ کیا بات ہے؟ مگر جویریہ ماری کو بتانا نہیں چاہتی تھی۔ ماری نے اپنے ابو سے بات کی کہ ابو جویریہ کا فون آیا ہے کہتی ہے جلدی آ جاؤ پتہ نہیں کیا کام ہے۔ اچھا بیٹی تم تیار ہو جاؤ میں کل تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔ سو ماریہ تیار ہو گئی پھر اگلے دن وہ اپنے ابو کو لے کر جویریہ کے پاس پہنچ گئی۔ تھوڑی دیر آرام کیا پھر جویریہ کو اپنے کمرے میں بلایا۔ پوچھا کہ کیا بات ہے تو وہ بولی۔ تم پہلے وضو کرو، ہم نے ساتھ والی آنٹی کے گھر پڑھنے جانا ہے، انہوں نے آج ختم دلوایا ہے۔ وہ کہہ کر گئی تھی کہ ہم نے قرآن خوانی کروانی ہے، تم ضرور آنا۔ ماریہ اس نیکی کے کام سے انکار نہ کر سکی اور وضو کر کے تیار ہو گئی۔ دیکھو جویریہ اگر ان کے گھر جانا ہے تو تم چلی جاؤ میں گھر چلتی ہوں۔ ماریہ ہم نے ایک نیک کام کرنا ہے ہوسکتا ہے اس محفل میں کی گئی دعا تمہاری بے چینی کم کر دے۔ مگر دیکھو گھر میں عامر ہو گا اور وہ پھر الٹے سیدھے سوال کرے گا تو مجھے اچھا نہیں لگے گا، تم چلو بس۔ جویریہ نے ماریہ کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گئی۔

سلام آنٹی جیتی رہو بیٹی آ گئی تم دونوں۔ ہاں آنٹی ماریہ نے دیر کر دی تھی سو، سوری۔ نہیں نہیں بیٹی سوری کی کیا بات ہوئی تم بیٹھو میں چائے لاتی ہوں۔ نہیں آنٹی آپ یہ بتائیں کس کمرے میں عورتیں پڑھ رہی ہیں۔ بیٹا تم بیٹھو میں سب کچھ بتاتی ہوں۔ وہ گرم پانی اور تاول اندر کسی کو دینے گئی آ کر بولی۔ دیکھو بیٹی تم دیر سے آئی ہو اب دعا ہو چکی ہے، عامر بیٹے کے لئے دعا کرنی تھی یعنی عورتیں پڑھ کر چلی گئی ہیں خیر کوئی بات نہیں تم بیٹھو چاول کھاؤ۔ نہیں آنٹی پھر ہم بھی چلتی ہیں۔ اتنے میں وہ عورتیں اندر سے نکلیں اور دعا کرتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ جویریہ نے ماریہ کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گئی۔ جب ماریہ نے اندر جا کر دیکھا تو ایک عجیب سا منظر تھا وہ عامر کی طرف بڑی حیرت سے دیکھ رہی تھی اور



عامر نے جب ماریہ کو پریشان دیکھا تو آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔ بیٹھو ماری۔ ماری میں اتنی تاب نہیں تھی وہ اسے مسلسل دیکھتی وہ جلدی سے دوسرے کمرے میں آ گئی اور دعائیں کرنے لگی۔ اس کے آنسو بے قابو تھے، جویریہ اور عامر بھی آ گئے۔ عامر بڑی مشکل سے اٹھا اور لنگڑاتا ہوا دوسرے کمرے میں آیا۔ جب ماری کے آنسو دیکھے تو تڑپ اٹھا بولا۔ کیا بات ہے ماری تم تو مجھ سے نفرت کرتی تھی آج مجھے اس حال میں دیکھ کر تمہیں تو خوش ہونا چاہئے تھا مگر تمہاری آنکھوں سے آنسو کیوں نکل رہے ہیں۔ ماری بولی۔ عامر میں تم سے نفرت نہیں کرتی نہ میں پتھر دل ہوں میں تو اپنے نصیبوں سے ڈرتی ہوں اپنے آپ سے نفرت کرتی ہوں۔ تم مجھے برے نہیں اچھے لگتے ہو مگر میں کیا کروں میں کسی سے پیار نہیں کر سکتی۔ مگر کیوں ماریہ آج جو کچھ ہے تمہارے دل میں کہہ دو۔ نہیں عامر پہلے یہ بتاؤ کیا ہوا تمہیں اور یہ پٹیاں یہ زخم کیسے ہوئی تمہاری یہ حالت؟ عامر بھی رو رہا تھا، جویریہ اور ماری بھی رو رہی تھیں۔ عامر نے بتایا کہ عید کی شام تو میں نے تمہارے نام کی تھی۔ دن تو میرا بڑی خوشی سے گزرا، تمہیں جو دیکھ لیا تھا۔ دوسرے دن دوپہر کو چھت سے گرا ہوں اور پھر مجھے آج ہوش آیا ہے، کل سارا دن ہاسپٹل میں تھا۔ اُف چپ کرو عامر چپ کرو۔ مجھ سے سنا نہیں جاتا مگر تم بتاؤ کہ تم مجھے دیکھ کر روئی کیوں ہو؟ جبکہ تم تو مجھ سے پیار نہیں کرتی ہو۔

آنکھیں بھر آئی تھیں دیکھ کر دور افق سے ڈوبتا ہوا چاند
نہ جانے کیا رشتہ تھا ان ڈوبتی ہوئی فضاؤں سے

ماریہ پلیز بتاؤ تم میری قسمت میں ہو کیا میرے لئے تیرے دل میں ذرا سی جگہ ہے، کیا تم مجھے پیار کرتی ہو، کیا تمہارے دل میں میرے لئے تڑپ ہے؟ پھر منہ موڑ کے بولا۔

اُس نے کبھی دیکھا ہی نہیں ہے اپنی ہتھیلی کو
جس میں میرے نام کی دھندلی سی لکیر تو ہے

پھر ماریہ روتی رہی عامر پوچھتا رہا۔ ماریہ اس کی حالت دیکھ کر اسے کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی، بس اپنے ہی دکھوں میں آنسو بہاتی رہی۔ پھر عامر نے تنگ آ کر ماریہ کا سر اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں اک داستان تھی بولا۔ دیکھو ماریہ اگر تم مجھ سے پیار نہیں کرتی تو مجھے ایک بار نفرت کا اظہار کرو۔ تمہاری قسم میں ابھی تمہارے سامنے اپنی جان دے دوں گا، تم پلیز ایک بار ایک بار کچھ بولو ہاں یا نہ تمہیں میری قسم بولو۔ اگر سن سکتے ہو تو سنو۔ میری منگنی بچپن سے ہوئی تھی، میرے تایا ابو کے بیٹے سے۔ وہ مجھے بہت پیار کرتا تھا، وہ میرے سرخ سوٹ رنگ برنگی چوڑیاں مہندی میک اپ اور بہت سی چیزیں لے کر آتا تھا۔ مجھے ایسی چیزیں بہت اچھی لگتی تھیں، میں ہر وقت خوش رہتی تھی کوئی غم میرے پاس نہیں تھا، کسی چیز کی کمی نہیں تھی اور نہ ہی اب ہے اور ہماری شادی کی باتیں ہونے لگیں۔ ایک دن میں اور ابو اپنے تایا جی کے گھر گئے تو اچانک اسی دن شان نے آنا تھا۔ سو ہم ویٹ کرنے لگے پہلے اس کا سارا سامان آیا شام کو اس کی ڈیڈ باڈی آ گئی۔ یعنی اس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور موقع پر ہی ڈیتھ ہو گئی۔ میں اس کا صدمہ برداشت نہ کر سکی۔ میں نے اپنے دل پر بہت اثر لیا تو پاگل ہو گئی پھر ہسپتال میں داخل رہی۔ وہاں ابو کا ایک بچھڑا ہوا دوست مل گیا جو مجھے دیکھ کر بیٹھا اس نے ہمارے گھر آنا جانا شروع کر دیا۔ اس کے دو بیٹے تھے، ایک بیٹے کے لئے وہ مجھے مانگنا چاہتا تھا اور بابر جو اس کا بڑا بیٹا تھا وہ مجھ میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔ یعنی وہ دوستی رشتہ داری میں بدل گئی۔ بابر نے میرے دل سے شان کی یاد کو نکال کے خود جگہ بنالی۔ وہ مجھے شان سے بھی زیادہ پیار کرتا تھا، سکول چھوڑ کر آتا لے کر جاتا گاڑیاں بنگلے تھے، پیار بھی بہت تھا کبھی کسی ریسٹورنٹ میں کبھی پارک میں میری زندگی میں ایک بار پھر خوشیاں رقص کرنے لگیں۔ پھر اسے دو سال کے لئے باہر جانا پڑا۔ ادھر ہماری شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اس کے آنے کی خوشی میں میں دلہن کی طرح تیار ہو کر ان کے گھر گئی۔ ان کے اور بھی بہت سے مہمان آئے ہوئے تھے۔ وہ آیا

تو ساتھ اس کی فیملی تھی یعنی ایک بچہ اور بیوی مجھ پر پھر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ میرا دماغ چکرانے لگا۔ دل ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گیا۔ میں نے اپنا وہ سوٹ جو دلہن والا اتار کر پھینک دیا چوڑیاں توڑ دیں زیور اتار کر پھینک دیا اور پھر سادگی میں اپنے گھر آ گئی۔ میں ایک بار پھر بیماری کی لپیٹ میں آ گئی۔ میرے ماں باپ رو رو کر میرے لئے دعائیں کرتے۔ لوگوں کی باتوں سے میں بہت تنگ تھی کوئی کہتا کہ یہ منحوس ہے، شان کے گھر گئی تو اس کی ڈیڈ باڈی آ گئی یعنی اس کا سر لے لیا۔ بابر کے گھر آئی تو وہ اپنے بیوی بچہ کو اس کے سائے سے بھی دور رکھنا چاہتا تھا۔ یعنی کوئی مجھے منحوس کہتا، کوئی بدقسمت کہتا۔ یہ ساری باتیں میں برداشت نہ کر سکی پھر میرا دماغ کام کرنا چھوڑ گیا۔ ایک بار پھر ہسپتال پہنچ گئی۔ جب ٹھیک ہو کر گھر آئی تو مجھے پیار سے نفرت ہو چکی تھی۔ میں نے سوچا اب کسی سے پیار نہیں کروں گی کسی کو اپنی زندگی میں نہیں آنے دوں گی۔ میں مٹا دوں گی اپنے ہاتھوں سے پیار کی لکیریں، میں نکال دوں گی اپنے سینے سے وہ دل جو پیار میں دھڑکے گا۔ مجھے رنگ برنگے کپڑوں سے زیور سے مہندی سے چوڑیوں سے سخت نفرت ہو گئی تھی۔ اس دن آپ نے مہندی چوڑیاں بھیجی تو بہت غصہ آیا میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے کسی کا بیٹا اپنے ماں باپ سے دور ہو، میں نہیں چاہتی کہ میں کسی سے پیار کروں اور اس کا کوئی نقصان ہو۔ میں تو اس لئے تم سے دور رہتی تھی تم کیا سمجھتے ہو کہ میں پتھر دل ہوں، کیا سمجھتے ہو کہ میں خودغرض ہوں۔ دیکھو ماریہ تم جو کچھ بھی ہو جو بھی ہو میں نے تمہیں چاہا ہے، جب تک یہ سانسیں ہیں یہ عامر تجھے ہی پیار کرے گا اور کرتا ہی رہے گا۔ ماریہ بہت روئی بہت روئی اور ساتھ میں عامر بھی روتا رہا۔

ماریہ کی حالت اپنے ماضی کو دہرا کر بہت بُری ہونے لگی۔ عامر نے بڑی مشکل سے اسے چپ کروایا، پھر اسے خوشیاں دینے اور ہمیشہ ساتھ جینے کا وعدہ کیا اور اس کے منہ سے آنکھوں سے اپنے ہاتھوں سے آنسو صاف کئے پھر تینوں نے بیٹھ کر چائے پی اور عامر کی ماں نے جویریہ کی امی کے لئے چاول ڈال دیئے۔ آخر عامر نے ماریہ کو پا ہی لیا، اس کی مجبوری کو پیار میں بدل ہی دیا، اس کے دل میں جگہ بنا ڈالی، اس کی آنکھوں میں اپنے سپنے بھر دیئے اس کی اداسی کو دور کر کے اپنے پیار کے انتظار میں بدل دیا۔ ماریہ اٹھی اور بولی۔ چلو جویریہ چلیں۔ عامر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔ نہیں ماریہ ابھی تو میرے دل کو سکون ملا ہے، ابھی تو میری آنکھوں کو ٹھنڈک ملی ہے، ابھی تو مجھے دنیا حسین لگنے لگی ہے، ابھی تو میرے دل نے جینے کی تمنا کی ہے، ابھی تو میں نے جی بھر کے تمہیں دیکھا بھی نہیں، مت جاؤ ابھی پلیز ماریہ مت جاؤ۔ ماریہ نے عامر کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا اور بیٹھ گئی بولی۔ عامر میں پھر آ جاؤں گی۔ ابھی مجھے جانے دو لیکن عامر نے اسے کچھ دیر بیٹھنے کا کہا تو وہ بیٹھ گئی۔ پھر جی بھر کے انہوں نے پیار کی باتیں کیں۔ پھر ماریہ تو چلی گئی اور عامر آج خوش بھی تھا اور اداس بھی ہو گیا کہ ایک پل کے لئے ملی اور چلی گئی۔ جا ماریہ تیری چاہت تیرے پیار کو سلام۔ کتنا درد ہے تمہارے اندر کیسے جی رہی ہو تم اتنا درد اپنے اندر چھپا کر۔

یہ وفا یہ محبت تیرے نام کی
ہم نے اپنی چاہت تیرے نام کی
سب غم اور درد ہیں میرے ہیں
ہم نے تمام عمر کی ہر خوشی تیرے نام کی
ہماری تو نہ منزل ہے نہ راستہ اپنا
ہم نے پھر بھی دل کی دنیا تیرے نام کی
ہم ہیں بے وفا کبھی سوچنا بھی مت
ہم نے تو اک عمر کی وفا تیرے نام کی



پھر چھٹیاں ختم ہوئیں، کالج میں آنا جانا شروع ہو گیا۔ پھر ماریہ جویریہ اور عامر اکٹھے کالج جاتے۔ عامر نے ماریہ کے رشتہ کی بات کی، ماریہ مان گئی۔ پھر عامر کی ماں ماریہ کے آنٹی انکل کے پاس ماریہ کا رشتہ لینے گئی تو ماریہ کے ابو نے کہا۔ ہم اپنی بیٹی سے مشورہ کریں گے۔ پھر ماریہ کے ابو آئے ماریہ سے بات کی، ماریہ بولی۔ دیکھو ابو جی میں شادی عامر سے کروں گی مگر پڑھنا بھی ہے۔ ہاں بیٹی تم پڑھتی رہو لیکن تمہاری منگنی ہو جائے۔ ٹھیک ہے ابو جیسے آپ کی مرضی پھر ماریہ کی منگنی ہو گئی۔ سب لوگ بہت خوش تھے ماریہ دل میں اداس اور چہرے پر مسکراہٹ رکھتی۔ پھر وہ ہمیشہ عامر کے ساتھ ہی کالج جاتی، عامر کو کالج میں لڑکوں کو پارٹی دینی پڑی کہ عامر اور ماریہ کی منگنی ہو گئی ہے۔ پھر عامر ماریہ کو حاصل کر کے بہت ہی خوش تھا اور اپنے اوپر فخر کرتا کہ میں نے جسے چاہا وہ مل گیا۔

اب ماریہ عامر کی ہو گئی تھی، وہ ایک دوسرے کے نصیب بن چکے تھے، وہ ایک دوسرے کو خوش رکھتے تھے، اسی طرح دن گزرتے رہے ان کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دن قریب آتے گئے خوشیاں زیادہ ہوتی گئیں۔ ماریہ دل میں ڈرتی رہی آخر وہ دن آ گیا جب عامر کی دعائیں پوری ہوئی تھیں۔ عامر سج دھج کے دلہا بن کے ماریہ کو اپنی شریک حیات بنا کر لے آیا۔ آج ماریہ بہت خوش تھی، آج اس کا نصیب اس مل گیا ہے۔ پھر وہ ایک نیک فرمانبردار بیوی بن گئی۔ دونوں میاں بیوی اکٹھے جاتے، اکٹھے آتے۔ اب ماریہ اپنی کزن جویریہ کے گھر کبھی کبھی عامر کے ساتھ جاتی تھی اور سیدھی اپنے شوہر کے ساتھ اپنے گھر آتی۔ ہفتہ میں ایک بار چھٹی والے دن دونوں اپنی گاڑی میں گاؤں جاتے، ماری اپنے امی ابو سے مل کر آ جاتی۔ اس طرح دن گزرتے رہے شادی کو ایک سال ہو گیا تھا۔ ایک دن ماریہ اپنے شوہر سے کہتی کہ مجھے میری امی کے گھر چھوڑ آؤ، میں کچھ دن وہاں رہنا چاہتی ہوں تو عامر غصے سے بولا۔ نہیں اب تم میری ہو، میرے ہی پاس رہو گی، کبھی وہاں رہنے کا نام مت لینا۔ پھر خدا نے انہیں ایک پھول جیسی بچی عطا کی دونوں خوش تھے۔ وقت کے ساتھ بچی دو سال کی ہو گئی ایک دن عامر شہر گیا، اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ ماری اس بات سے ڈرتی تھی اب نہ تو عامر کام کرتا اور نہ ہی کہیں جانے کے قابل رہا۔ ایک سال تک وہ گھر میں پڑا رہا پھر میاں بیوی کی لڑائی ہونے لگی۔ باتوں باتوں میں وہ جھگڑتے رہتے آخر جھگڑا بڑھتا گیا تو عامر نے بھی کہہ دیا کہ تم واقعی منحوس ہو چلی جا جس کے پلے پڑی اس کا سر لے لیا۔ پھر عامر نے ماری کو طلاق دے دی۔ اب ماری کا مقصد موت تھا۔ کہتی مرنا چاہتی ہوں، وہ کفن تیار کر لیا۔ ایک دن ہم نے کہا کہ تم دوسری شادی کر لو تو وہ اپنے جسم کو زخمی کرنے لگی۔ ہم دونوں میاں بیوی روتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بولی۔ میں آپ کے پاس مہمان ہوں، میں جانے والی ہوں، کل تک اس ماری کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ ہم دونوں رونے لگے۔ کل ہو گئی ماری کا ٹائم آ گیا۔ وہ پہلے کی طرح ہنس رہی تھی اور باتیں بھی کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی بس میرا سانس یہاں آ گیا، اب یہاں آ گیا، حلق میں سانس آیا تو ہم دونوں کو دیکھ کر پہلے مسکرائی پھر رو دی۔ کہتی ہے امی ابو میں تین بار آؤں گی اور آنکھیں بند کر کے ہمیشہ کے لئے سو گئی۔ ہم نے سنت کے مطابق غسل دیا قبرستان میں دفنا دیا۔ ایک بار پہلے بھی زخمی حالت میں کسی کو ملی ہے۔ جب وہ اسے لے کر آئے تو یہاں آ کر گاڑی میں کچھ نہیں تھا۔ اب دوسری بار تم دونوں کو ملی ہے۔ پھر اس نے ایسا ہی کیا۔ ابھی ایک بار پھر آئے گی۔ پتہ نہیں کس کے ساتھ آئے گی۔ یہ تو تھی میری ماریہ کی داستان۔ بیٹا اگر تم کہو تو چلو تمہیں اس کی قبر دکھلا لاتا ہوں۔

ہم دونوں گاڑی میں بیٹھ کر قبرستان گئے قبر دیکھی دعا کی اور چلے آئے۔ پھر ہم دونوں دوست ایک عجیب و غریب داستان لے کر اپنے سفر پر نکلے۔ اب میری دعا ہے کہ خدا ماری کو قبر کے عذاب سے بچائے۔

قارئین! یہ تھی ایک دکھ بھری داستان جو ایک بزرگ نے اپنی بیٹی کی سنائی تھی اور یہ کہانی لکھنے میں کہاں تک پہنچی ہوں اپنی رائے سے آگاہ کرنا۔

# آنسوؤں کے بے موسم بادل

تحریر...... حکیم ایم جاوید نسیم چوہدری۔ فیصل آباد

دیکھو عروج میرے سینے پر کتنے زخم لگے ہیں مگر تم میری زندگی سے نکل کر دور فضاؤں میں کسی اجنبی کے ساتھ اپنی زندگی کی رنگینیوں میں کھو گئی ہو۔ تیری یادوں کی خلش تیز ہو رہی ہے آہیں اٹھ اٹھ کر بادلوں کا روپ دھار رہی ہیں۔ یہ بادل میری آنکھوں سے چھلک پڑنے کو تیار ہیں بے قرار ہیں اور میں یادوں کی بھٹی میں سلگ سلگ کر بھسم ہو چکا ہوں مگر تم کو بھلا نہیں سکا۔ اے کاش میں تم کو بھلانے میں کامیاب ہو جاؤں اے کاش!...... محبت میں تڑپتے ہوئے انسان کی ایک دکھ بھری کہانی

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

ماہ ستمبر 2011ء کے "جواب عرض" میں میری ایک کہانی بعنوان "دیکھ لیا زمانے کا ستم" شائع ہوئی تھی۔ کہانی کی اشاعت کے بعد ڈاک اور فون کالز کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں نے ہر ممکن کوشش کر کے تمام لیٹرز اور فون کالز کا جواب دیا۔ مگر ایک خط کی تحریر نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ یہ خط مجھے سیالکوٹ کی تحصیل شکر گڑھ سے ملا۔ تحریر کچھ یوں تھی — "قابل احترام حکیم ایم جاوید نسیم چوہدری صاحب السلام علیکم! آپ کی صحت و سلامتی کے لئے دعا گو ہوں۔ بھائی جان میں 'جواب عرض' کا ایک مستقل قاری ہوں۔ ہر ماہ باقاعدگی سے اسے پڑھتا ہوں۔ میں نے آج تک کسی کو خط نہیں لکھا مگر آج آپ کی تحریر کردہ کہانی بعنوان 'دیکھ لیا زمانے کا ستم' پڑھ کر خود بخود میرا دل مجبور ہو کر آپ کو خط لکھنے پر مچل اٹھا۔ حکیم جاوید نسیم صاحب آپ نے گھر سے بھاگی ہوئی ایک مجبور لڑکی جس طرح مختلف دلائل دے کر اسے اس کے والدین سے ملوا دیا میں آپ کی اس ہمت اور حوصلے پر مبارکباد دیتا ہوں دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت آپ کے گلشن کو سدا شاد و آباد رکھے۔ بھائی میں بذات خود اندر سے ٹوٹا ہوا انسان ہوں میری آنکھوں میں ہر وقت آنسوؤں کے بے موسم بادل چھائے رہتے ہیں میری خواہش ہے کہ میری کہانی آپ لکھیں کیونکہ آپ کے قلم میں بہت درد ہے لگتا ہے آپ قلم کو لہو میں ڈبو کر کہانی لکھتے ہیں کیونکہ آپ کا ہر لکھا ہوا لفظ سوز میں ڈوبا ہوتا ہے۔ پڑھنے والا پڑھ کر رونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یقین کریں اس کہانی کو پڑھ کر میں خود دو گھنٹے تک روتا رہا ہوں۔ بھائی جان! میں اپنا پتہ لکھ رہا ہوں پلیز جواب ضرور دینا جب آپ کا جواب مجھے ملے گا تو مجھے خوشی ہوگی۔ جوابی لفافہ ہمراہ ہے۔ دعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ زور قلم اور زیادہ کرے۔ آپ کا دکھی بھائی عثمان" — عثمان بھائی کا خط پڑھ کر میں نے جواب لکھ دیا میں نے لکھا تھا— "میرے محترم دوست عثمان صاحب سلام خلوص۔ عثمان بھائی آپ کا ارسال کردہ خط ملا، پڑھ کر خوشی ہوئی۔ کہانی پر مبارکباد دینے کا شکریہ۔ آپ اپنی کہانی کو اپنے الفاظ میں لکھ کر بذریعہ ڈاک ارسال کر دیں میں ان شاء اللہ آپ کی کہانی کو لکھ کر خوشی محسوس کروں گا کیونکہ میرا تو کام ہی دکھی اور مجبور لوگوں کے کام آنا ہے۔ دکھی لوگوں کے درد کو میں اپنا ہی درد سمجھتا ہوں۔ میری ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کہ میری ذات سے کسی کا دل نہ دکھے۔ کسی کی آنکھوں میں آنسو نہ آئیں۔ عثمان بھائی بس یار! خوش رہا کرو۔ یہ دنیا خوش

رہنے والوں کا ساتھ دیتی ہے، رونے والوں کا نہیں۔ اگر آپ خوش ہیں تو ساری دنیا آپ کے ساتھ خوش ہوگی مگر جب آپ رونے لگو گے تو آپ کو اکیلے اور تنہا ہی رونا پڑے گا کوئی بھی ہمدردی کے دو بول نہیں بولے گا۔ امید ہے میری باتوں پر عمل کرو گے۔ میں آپ کی خوشیوں کے لئے دعا گو ہوں کہانی جلد ارسال کر دیں میں منتظر رہوں گا۔ دعا گو آپ کا اپنا بھائی حکیم ایم جاوید نسیم چوہدری"۔۔۔ خط لکھ کر میں نے پوسٹ کر دیا۔ ٹھیک پندرہ دن کے بعد مجھے بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک عثمان کی کہانی مل گئی۔ کہانی کے ساتھ ایک لیٹر تھا جس کا ذکر میں ضرور سمجھتا ہوں۔ لکھا تھا۔۔۔ "حکیم جاوید نسیم چوہدری صاحب آداب! حکیم جاوید نسیم صاحب آپ کا خط ملا یقین کرو بہت خوشی ہوئی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ آپ ہی کا خط ہے مگر یہ حقیقت تھی کہ آپ نے میرے درد کو سمجھا اور مجھے حوصلہ دیا۔ جاوید نسیم صاحب! واقعی کبھی کبھی زندگی ایسی راہوں پر گامزن ہو جاتی ہے جہاں ہر ایک موڑ پر دکھ، تکلیفیں اور مصیبتیں ہی انسان کا مقدر ٹھہرتی ہیں تو تب آنکھوں سے اشکوں کے موتی ایسے گرتے ہیں جیسے کسی ندی کا بند ٹوٹ گیا ہو۔ دنیا کے اس میلے میں بھی انسان خود کو تنہا سمجھنے لگتا ہے مگر شکوہ کس سے کریں، شکایت کس سے کریں، اپنے دکھ درد کس کو سنائیں، کس کے کندھے پر سر رکھ کر اپنے دل کا غبار کم کریں۔ کس کے سہارے پر زندگی کے دن گزاریں کون ہے ایسا جو آنکھوں سے رواں اشک پونچھے......کون ہے......ایسا......؟ کیونکہ ساتھ نبھانے والے شکوے شکایتیں سننے والے تو بے وفا ہو گئے۔ سہارا دینے والے بیچ گرداب میں وفاؤں کی کشتی چھوڑ کر خود کنارے پر چلے گئے۔ بھلا کون ہے ہمارا جو ساتھ نبھائے۔ اسی لئے تو آنکھوں میں ساون بھادوں کی جھڑی لگی رہتی ہے۔ جاوید نسیم جی! سپنوں کے سہارے زندگی گزارنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہوتا ہے۔ آخر کب تک خود کو جھوٹے سپنوں سے بہلایا جائے، کب تک اس آس اور امید کے سہارے جیا جائے۔ جو بے وفا ہو گیا ہے اسے زندگی کے کسی موڑ پر ہماری یاد آئے گی۔ ہماری یاد ستائے گی تو وہ لوٹ آئے گا۔ یہ صرف خود کو جھوٹا سپنا دکھانے کے مترادف ہے۔ جب کوئی یہ کہہ دے کہ میں عثمان کے لئے مر چکی ہوں اسے کیوں کر میری یادوں کی چیتا بنا کر جلا دے۔ واقعی جب دور دور تک ساحل ہی نہ ہو تو سفینہ کب تک موجوں سے لڑے گا، آخر وہ ڈوب ہی جائے گا۔ میری کہانی بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ آخر میں آپ کو پرخلوص سلام آپ کا زخمی بھائی عثمان شکر گڑھ"۔۔۔ عثمان نے جو کہانی ارسال کی اس کو میں اپنے الفاظ میں لکھ کر آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں امید ہے آپ سب کو پسند آئے گی۔ آپ کی آراء کا منتظر ہوں۔

آپ نے عثمان کے خطوط ملاحظہ کئے اور اب آتے ہیں اُس کی کہانی کی طرف جو میں اُسی کی زبانی پیش کر رہا ہوں۔ تو آیئے سنئے!

میں شکر گڑھ سے چودہ کلو میٹر دور ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ ہم چار بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ میں ایف اے کرنے کے بعد علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے بی اے کر رہا تھا اور میری چھوٹی بہن سائرہ جس نے میٹرک کے پیپر دیئے ہوئے تھے وہ ان دنوں بالکل فارغ تھی۔ زندگی بڑے آرام سے گزر رہی تھی۔ گھر میں ہم بہن بھائی فارغ ٹائم میں کھیل کود میں لگے رہتے تھے۔ اسی طرح ہنسی خوشی وقت گزرتا رہا اور باجی کا میٹرک کا رزلٹ آ گیا۔ 850 نمبروں میں سے باجی نے 739 نمبر لے کر گوجرانوالہ بورڈ میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ پورے محلے کے لوگوں اور دور دور سے تمام رشتہ دار ہمیں مبارکباد دے رہے تھے۔ مٹھائیاں تقسیم ہو رہی تھیں، گلیوں اور سکولوں کے سامنے بینر لگے ہوئے تھے مگر جہاں پھول ہوں وہاں کانٹے بھی ضرور ہوتے ہیں، جہاں دوست ہوں وہاں دشمن بھی ہوتے ہیں۔ باجی سائرہ کی ایک ٹیچر جو ہمارے ہی گاؤں کی رہنے والی تھی، کافی دنوں کے بعد ملی تو کہنے لگی۔ سائرہ اتنے نمبر لینا کون سا مشکل کام ہے۔ باجی نے جب یہ سنا تو اسے بہت دکھ ہوا اور کہا کہ تمہارے



خاندان میں سے کوئی اتنے نمبر لے کر تو دکھائے۔ تب سے اس ٹیچر نے باجی کی مخالفت شروع کر دی۔ وقت گزرتا گیا، اب باجی نے ایف اے میں داخل ہونا تھا۔ باجی کی اس ٹیچر نے بدلہ لینے کے لئے اپنی ایک رشتہ دار لڑکی کو اپنے ہاں پڑھنے کے لئے بلوا لیا اور اسے تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ وہ لڑکی بہت ذہین ہی نہیں بلکہ بہت ہوشیار اور چالاک بھی تھی۔ پھر وہ ہمارے ہی گاؤں میں رہنے لگی اور پھر باجی اور اس لڑکی نے ایک ہی کالج میں ایف اے کا ایڈمیشن لے لیا اور پھر اکٹھے کالج آنا جانا شروع ہو گیا۔ وقت گزرتا رہا تعلیم معاملے میں کبھی وہ لڑکی آگے اور کبھی باجی آگے مگر وہ لڑکی ہمیشہ باجی کے ساتھ دشمنوں والا رویہ ہی استعمال کرتی چلی آ رہی تھی۔ یہاں میں اس لڑکی کا نام لینا ضروری سمجھوں گا۔ لڑکی کا نام عروج تھا، بڑی خوبصورت تھی گلابی ہونٹ، سیاہ ناگن جیسی زلفیں، جھیل جیسی گہری براؤن آنکھیں کشمیری سیب کی طرح سے گال۔ چاہ وزغن سے مسلح ٹھوڑی ستواں ناک ہرنی جیسی چال غرضیکہ وہ بہت ہی پیاری بہت ہی سندر تھی۔ ایک دن اس نے اپنے دل میں سوچا کہ میں سائرہ کے ساتھ بہت غلط رویہ استعمال کرتی ہوں۔ مگر وہ تو مجھے بڑی محبت سے ملتی ہے اور میری بڑی عزت کرتی ہے پھر اس نے ایک دن سائرہ باجی سے اپنے گذشتہ رویے کی معافی مانگی اور دوستی کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ سائرہ باجی نے عروج کی دوستی کو خلوص دل سے قبول کر لیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی پکی دوست بن گئیں۔

کالج آنا جانا تو پہلے ہی اکٹھے تھا اب نفرت بھی محبت میں بدل گئی تھی۔ ایک دن کالج سے واپسی پر عروج نے ایک کاغذ پر چند اشعار لکھ کر دیئے اور کہا کہ کل مجھے آپ نے ان کا جواب دینا ہے مگر باجی کو تو شاعری کا شوق ہی نہیں تھا مگر مجبوراً عروج کو ہاں کر دی گھر آ کر باجی نے مجھے کہا عثمان بھائی عروج نے یہ اشعار لکھ کر دیئے ہیں اور مجھ سے ان کا جواب مانگ رہی ہے مگر مجھے تو شاعری سے لگاؤ ہی نہیں ہے۔ میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ارے باجی یہ کون سا مشکل کام ہے لاؤ میں لکھ دیتا ہوں اور کل آپ اپنی طرف سے عروج کو دے دینا اور میرا ذکر نہ کرنا پھر میں نے باجی کو عروج کو اشعار کا جواب لکھ دیا جو کچھ یوں تھے۔

زندگی کے کسی موڑ پر خود کو تنہا نہ سمجھنا
میں تیرے ساتھ ہوں مجھے خود سے جدا نہ سمجھنا
عمر بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا ہے تجھ سے
زندگی نے اگر ساتھ نہ دیا تو بے وفا نہ سمجھنا

دوسرے دن کالج جاتے ہوئے باجی نے وہ اشعار عروج کو دے دیئے۔ جب عروج نے اشعار پڑھے تو کہنے لگی۔ سائرہ جی مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ آپ اتنی اچھی شاعری بھی کر لیتی ہیں۔ کچھ دن کے بعد عروج نے پھر کچھ اشعار لکھ کر باجی کو دیئے اور کہا سائرہ جی ان کا بھی جواب ضرور دینا پلیز۔ میں ان دنوں اپنے ماموں کے پاس نارروال گیا ہوا تھا باجی کو تو شاعری کا شوق ہی نہیں تھا وہ جواب نہ دے سکی۔ اگلے دن عروج نے باجی کو کہا سائرہ جی آپ نے میری شاعری کا جواب کیوں نہیں دیا، کیا آپ کو اچھا نہیں لگا۔ عروج کے مجبور کرنے پر باجی نے کہا عروج میری جان دراصل بات یہ ہے کہ وہ شعر جو اس دن میں نے آپ کو دیئے تھے وہ بھی میں نے نہیں لکھے تھے وہ میرے بھائی عثمان نے لکھ کر دیئے تھے۔ یہ سنتے ہی وہ اچانک خاموش ہو گئی۔ پھر کہنے لگی کہ آپ کا بھائی کیا کام کرتا ہے۔ باجی نے بتایا کہ وہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے بی اے کر رہے ہیں۔ اس طرح باتیں کرتے کرتے گھر کے قریب آ گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو اللہ حافظ کہہ کر اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔

دوسرے دن عروج کچھ کھوئی کھوئی سی کچھ پریشان باجی کے ساتھ کالج جا رہی تھی تو سائرہ باجی نے عروج کو کہا سچ بتاؤ عروج کیا تمہیں یہ سب اچھا نہیں لگا تو عروج بولی۔ نہیں سائرہ جی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وقت گزرتا رہا۔ کالج اکٹھے جانا آنا، پڑھنا

اور فارغ وقت میں گپ شپ لگانا باجی اور عروج کا معمول بن گیا۔ اسی طرح وقت کا بے لگام گھوڑا اپنی منزل کی جانب سرپٹ دوڑتا رہا۔ ایک دن عروج نے باجی کو کہا کہ اپنے عثمان بھائی سے کچھ غزلیں اور اشعار لکھوا کر لانا۔ بہت ہی اچھی شاعری کرتے ہیں وہ۔ باجی کے بتانے پر میں نے بہت اچھی اور درد بھرے انداز میں چند غزلیں اور اشعار عروج کے نام پر لکھ کر دے دیئے۔ دراصل حقیقت یہ تھی کہ عروج کو شاعری سے نہیں بلکہ مجھ سے محبت ہو گئی تھی اور اسے مجھے دیکھنے کا شوق بڑھتا گیا مگر میں اس بات سے ابھی تک انجان تھا کہ عروج مجھے چاہتی ہے اگر مجھے اس بات کا علم ہوتا تو ہمارے لئے روز مل لینا بھی ممکن تھا مگر میں بے خبری کے عالم میں وقت گزارتا رہا اور وہ مجھے ملنے کے لئے پل پل تڑپتی رہی۔ ایک دن اچانک سائرہ باجی کو بخار ہو گیا اور وہ دو تین دن تک کالج نہ جا سکی۔

ایک سہانی سی شام تھی بارش ہو رہی تھی۔ میں خوش خوش بارش میں نہا کر جب گھر واپس آیا تو سائرہ باجی نے کہا۔ عثمان بھائی جاؤ اور عروج سے کہنا کہ اردو کی کتاب اور دو تین دن کا ہوم ورک بھی دے دے جو کالج سے ملا ہے۔ میں نے کپڑے بدلے اور عروج کے گھر کی طرف چل پڑا۔ گیٹ پر دستک دی تو اندر سے آواز آئی۔ جی ...... کون ...... میں نے کہا۔ عثمان ہوں سائرہ باجی نے بھیجا ہے۔ عروج سے کام ہے تو عروج کی۔ کزن رمشا نے دروازہ کھولا اور اندر آنے کو کہا میں ساتھ چلا گیا۔ میں نے جاتے ہی سب کو سلام کیا۔ وہ لوگ اس وقت ٹیلی وژن پر کوئی پروگرام دیکھ رہے تھے مجھے دیکھتے ہی عروج اٹھی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے عروج کی کزن رمشا سے کہا کہ باجی کہہ رہی تھی کہ جاؤ اور عروج سے ہوم ورک کی تفصیل لکھوا لاؤ اور ساتھ ہی اردو کی بک بھی۔ عروج بھی پاس ہی کمرے میں کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ اس نے سب کچھ ایک کاغذ پر لکھا اور اردو کی کتاب میں رکھ دیا مگر دوسرے ہی لمحے ایک چھوٹا سا کاغذ جو اس نے میرے سامنے ایک خاص طریقے سے چھوٹی چھوٹی تہوں میں فولڈ کیا۔ وہ بھی اس کتاب میں رکھ دیا۔ میں نے اجازت چاہی تو جلد ہی عروج نے وہ کتاب میرے ہاتھ میں تھما دی میں نے واپسی پر راستے میں آتے ہوئے گلی کے موڑ پر رک کر ایک بلب کی روشنی میں جب کتاب کھولی تو ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھا ہوا تھا۔

ہمیں ملاقات کا بہت شوق تھا، وہ ملا تو کچھ یوں ملا ہم نظریں اٹھا کر تڑپ اٹھے وہ نظریں جھکا کر گزر گیا۔ ڈیئر عثمان، میری جان کب یہ پیاسی زمین بارش کی ایک ایک بوند کو ترس رہی تھی۔ آج تمہیں دیکھا تو اس بات کا اندازہ ہو ہی گیا ہے کہ جس طرح تمہاری شاعری کی مثال نہیں بالکل اسی طرح تم بھی بے مثال ہو۔ عثمان میں تم سے محبت بہت محبت کرتی ہوں پلیز میرا دل نہ توڑنا نہیں تو میں ساری زندگی کے لئے تمہاری آنکھوں کو آنسوؤں کی سوغات دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے چلی جاؤں گی۔

یونہی فاصلوں کو سجائے رکھو یونہی انتظار رہنے دے
میرے ذہن و دل پر سکون کا اختیار رہنے دے
تیری چاہتوں کا جو درد ہے یہ سب خوشی سے قبول ہے
میری چشم نم کا غم نہ کر مجھے اشک بار رہنے دے
تیری بے بسی بجا سہی میری خوش فہمی بھی غلط نہیں
تجھے ہر قدم پر خوشی ملے مجھے سوگوار رہنے دے
میری گفتگو میں جو درد ہے وہی درد میرا نصیب ہے
میں بھلا چکی ہوں قرار کو مجھے بے قرار رہنے دے

فقط والسلام آپ کی اپنی عروج

میں نے خط جیب میں ڈالا اور کتاب آتے ہی باجی کے حوالے کی اور میں اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کروں۔ عروج کو کیا جواب دوں۔ ساری رات سوچنے کے باوجود بھی میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ صبح اٹھا نہا دھو کر کپڑے بدلے اور وہاں جا کر کھڑا ہو گیا جہاں سے باجی اور عروج کالج جایا کرتی تھیں۔ باجی اور عروج نے مجھے وہاں راستے میں دیکھا تو فوراً ہی باجی نے سوال کیا عثمان بھائی آپ یہاں آخر کیوں۔ میں نے بھی مجبوراً جھوٹ کا سہارا لیا اور کہا۔ دراصل باجی میں شکر گڑھ جا رہا تھا سوچا کہ چلو آپ کے ساتھ ہی چلتا ہوں بس اسی لئے۔ ہم اکٹھے ہی کالج کی طرف سفر کرتے جا رہے تھے مگر عروج تھی کہ مجھے ہی دیکھے جا رہی تھی۔ وہ اس حد تک مجھ میں کھو چکی تھی کہ راستے میں چلتے چلتے دو تین بار ٹھوکر لگنے سے گرتی گرتی بچی۔ باجی خاموشی سے چلتی رہی آخرکار کالج آ گیا اور میں وہاں سے سیدھا آگے نکل گیا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ عروج کو مجھ سے محبت ہو چکی ہے اور اب وہ میرے بنا جی نہیں پائے گی۔ اسی طرح اگلی صبح میں جب عروج کا انتظار کر رہا تھا تو میں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ آج عروج پہلے کی نسبت صبح آدھا گھنٹہ پہلے ہی گھر سے نکل آئی تھی۔ وہ میرے قریب آئی تو بہت بکھری بکھری سی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے کہا۔ عروج کیا بات ہے خیر تو ہے مگر اس نے میری ایک بھی بات کا جواب نہ دیا اور جلدی سے پاس سے گزرتے ہوئے ایک کاغذ میرے ہاتھ میں تھما دیا جس پر لکھا ہوا تھا۔

ڈیئر عثمان دل و جان سے پیارے السلام علیکم! عثمان نہ جانے آپ میں وہ کون سی کشش ہے جو مجھے آپ کی طرف کھینچے چلی جا رہی ہے۔ میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے آپ کی دیوانی ہو چکی ہوں۔ عثمان زندگی میں ایک ہی خواہش تھی کہ کوئی اچھا ہم سفر مل جائے آپ کو بھول جانا میرے بس میں نہیں رہا ہے تم سے مل کر میری ہر خواہش پوری ہو گئی ہے اگر آپ نے مجھے ٹھکرا دیا یا میرا ساتھ نہ دیا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔

دل کے رشتے بھی عجیب ہوتے ہیں
دور رہ کر بھی قریب ہوتے ہیں
میری بربادیوں کا غم نہ کر
اپنے اپنے نصیب ہوتے ہیں

فقط آپ کی اپنی عروج

عروج کا یہ خط پڑھ کر مجھے اتنی خوشی ملی کہ یوں لگ رہا تھا جیسے میں ہواؤں میں اڑ رہا ہوں۔ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ساری دنیا کی خوشیاں مجھے مل گئی ہوں پھر میں نے عروج کے خط کا جواب کچھ یوں دیا تھا۔

جان سے پیاری عروج جی سدا مسکراتی رہو، سلام محبت! عروج مجھے بھی تم سے محبت ہو گئی ہے جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو میں بہت بدل چکا ہوں۔ اکثر سوچتا ہوں کہ اگر آپ میری زندگی میں نہ آتی تو میرا کیا ہوتا۔ عروج میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ تم میرے لئے کیا ہو۔ میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے ساری دنیا کو بھول چکا ہوں آج میں بھی تم سے اپنے دل کی بات کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی تم سے پیار ہو گیا ہے تم میرے دل کے ویران آنگن میں سما چکی ہو تم میرے دل کی دھڑکن بن چکی ہو۔ تم نے میرے دل میں آشیانہ بنا لیا ہے۔ تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ عروج میں تمہاری محبت میں پاگل ہو چکا ہوں مجھے چھوڑ کر نہ جانا ورنہ میں تمہاری جدائی کو برداشت نہ کر پاؤں گا اور تڑپ تڑپ کر اپنی جان دے دوں گا۔ عروج زندگی کے کسی بھی موڑ پر خود کو تنہا نہ سمجھنا میں تیرے ساتھ ہوں مجھے خود سے جدا نہ سمجھنا عمر بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا ہے۔ تم سے زندگی نے اگر ساتھ نہ دیا تو بے وفا نہ سمجھنا۔ فقط تمہارا عثمان۔

یہ خط میں نے عروج کو دے دیا اور میں محبت کی رنگین وادیوں میں گم سب کچھ بھول چکا تھا ساری ساری رات سپنوں میں عروج کی زلفوں کو سنوارتے رہنا اس کی یادوں میں کھوئے رہنا میرا معمول بن چکا تھا اور ادھر میرے بی اے کے پیپر بھی قریب آ گئے تھے اور میں ان کو بھول ہی چکا تھا۔ چند دنوں کی محبت کیا رنگ لاتی کہ میں بی اے پاس کر لیتا۔ یہ مجھے ناممکن نظر آ رہا تھا اسی طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پیپر شروع ہو گئے۔ پیپر دیئے اور رزلٹ کا انتظار شروع ہو گیا۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا میں بی اے میں بری طرح فیل ہو چکا تھا۔ گھر والوں کو پتہ چلا تو میری

بہت زیادہ بے عزتی ہوئی مگر میں نے یہ سب کچھ دل پر پتھر رکھ کر برداشت کر لیا اور خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا پھر ایک اور قیامت مجھ پر ٹوٹی کہ ابو جی نے باہر کسی بندے سے میرے سرکاری دفتر میں بھرتی ہونے کی بات پکی کر لی تھی۔ جب مجھے اس بات کا علم ہوا تو میری دنیا ہی لٹ گئی ساری رات رو رو کر گزاری کیا میں اپنی عروج سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاؤں گا۔ طرح طرح کے خیالات میرے ذہن میں آ رہے تھے کہ اب کیا ہوگا۔ کیسے جی پاؤں گا عروج کے بنا۔ اسی طرح دس دن کے بعد میں اپنے تمام کاغذات لے کر شہر ایک دفتر میں پہنچا اور کاغذات جمع کروا کر شام کو گھر واپس آ گیا مگر عروج کو ان تمام باتوں کا علم نہ ہونے دیا اور باجی کو بھی کہہ دیا کہ وہ بھی عروج کو کچھ نہ بتائے۔ پریشانی کے عالم میں میں ایک دن دوپہر کو تقریباً دو بجے سو کر اٹھا تو عروج مجھے کالج سے واپس آتی ہوئی ملی۔ وہ ہمیشہ کی طرح بہت خوش نظر آ رہی تھی مگر شاید اسے خبر نہ تھی کہ اب ہماری زندگی سے خوشیاں ختم ہونے والی ہیں۔ شہنائیوں کا تنہائیوں سے ناطہ جو ہے وہ جڑ جائے گا وقت کی ایک ایسی ہوا چلے گی کہ یار رہے گا نہ وہ گلیاں نہ وہ راستے ہوں گے اور نہ ہی ملن کے وہ دن ہوں گے۔ بس یادوں کے تاج محل بناتے ساری زندگی گزر جائے گی اور مجبوریوں کے ہاتھوں جذبات بک جائیں گے اور ہم کچھ بھی نہ کر پائیں گے۔

ایک شام عروج کی ایک کزن کی منگنی تھی ہم سب گھر والوں کو بھی بلایا ہوا تھا۔ میں بھی ساتھ ہی عروج کے گھر چلا گیا تھا۔ ہر طرف خوشی سے سبھی ناچ رہے تھے بہت ہی خوبصورت سماں تھا میں ایک کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ عروج ایک ہاتھ چائے کا کپ اور دوسرے ہاتھ میں مٹھائی کی پلیٹ لے کر آ گئی اور میرے پاس بیٹھ کر مجھے اپنے ہاتھوں سے کھلانے لگی۔ میں نے ڈرتے ہوئے کہا عروج اگر کسی نے دیکھ لیا تو..... تو وہ بولی۔ جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔ پھر کہنے لگی۔ کوئی بات نہیں کیا کر لیں گے یہ واپس ہی بھیج دیں گے نا میرے گاؤں میں۔ واپسی کا سنتے ہی میری جان نکل گئی اور میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عروج نے ٹشو سے میرے آنسوؤں کو خشک کیا اور بولی۔ اوہ عثمان جان میں تو مذاق کر رہی تھی۔ آئی ایم ویری سوری عثمان مجھے کیا پتہ تھا کہ تم اتنی سنجیدگی سے اثر لو گے۔ میں نے عروج کا ہاتھ چوم کر کہا۔ عثمان کی جان دوبارہ ایسا مذاق مت کرنا پھر عروج بولی۔ چلو میری جان اب تم مسکرا دو تو میں مسکرا دیا پھر عروج بھی مسکراتی ہوئی کمرے سے اٹھ کر باہر چلی گئی اور باہر سے ایک گلاب کا پھول لا کر مجھے دیتے ہوئے بولی۔ عثمان جان یہ لو آج کا پیارا سا گفٹ کیسا ہے۔ بہت ہی خوبصورت بہت ہی سندر سا بالکل تمہارے چہرے جیسا۔ مگر عثمان آپ سے زیادہ نہیں۔ یہ کہہ کر وہ مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔

رات تقریباً بارہ بجے منگنی کی تقریب اختتام پذیر ہوئی تو ہم سب لوگ واپس اپنے گھر آ گئے۔ گھر جب واپس آئے تو ابو جی بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ میں نے وجہ پوچھی تو بولے بیٹا عثمان مبارک ہو تم کو سرکاری ملازمت مل گئی ہے اور تم نے چھ اکتوبر کو شہر پہنچنا ہے۔ یہ سنتے ہی میرا جسم بے جان سا ہو گیا مجھے ایسا لگا کہ جیسے آسمان میرے سر پر گر پڑا ہو۔ میری دنیا ہی اجڑ چکی تھی ساری رات ہی رو رو کر گزار دی کہ اب کیا ہوگا کیا میں اپنی عروج سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاؤں گا۔ ایک لمحہ کی جدائی بھی ہماری جان نکال لیتی تھی کیسے اتنے دن تنہا گزاروں گا عروج کی یادیں مجھے بہت تڑپائیں گی بہت رلائیں گی بہت ستائیں گی کون ہوگا جو میرے بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھے گا۔ کیسے میں جی پاؤں گا عروج کے بغیر۔ اسی طرح روتے سسکتے رات کے تین بج گئے کمرے کی لائٹ آن دیکھ کر باجی کمرے میں آئی تو بولی۔ عثمان بھائی کیا بات ہے میں سسک سسک کر رو رہا تھا باجی بہت پریشان ہو گئی اور آخر کار میں نے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے سب



کچھ باجی کو بتا دیا اور پھر میں نے کہا۔ باجی محبت کے اس سمندر میں میں عروج کے ساتھ بہت آگے نکل چکا ہوں جہاں سے واپس آنا میرے بس میں نہیں ہے اگر ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تو ہم مر جائیں گے۔ میں نے رو رو کر باجی کو کہا۔ باجی عروج بہت اچھی لڑکی ہے میں اسے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سنتے ہی باجی کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں اور اس کی آنکھوں میں بھی آنسوؤں کا بے موسم بادل چھا گئے اور بولی۔ عثمان بھائی میرا وعدہ ہے تم سے کہ میں اسے تمہاری دوری کا احساس کبھی نہیں ہونے دوں گی وہ واقعی بہت اچھی لڑکی ہے میں اسے بھی بکھرنے نہیں دوں گی یہ کہتے ہوئے باجی کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

صبح جمعہ کا مبارک دن تھا اور ہمیشہ کی طرح عروج جمعہ ہفتہ اتوار کو اپنے گاؤں واپس چلے جایا کرتی تھی میں صبح سو کر اٹھا تو ایک چھوٹی سی بچی ہمارے گھر آئی اور امی سے پوچھ رہی تھی خالہ جی عثمان بھائی کہاں ہے میں جلدی سے اس کے پاس گیا تو بولی۔ عثمان بھائی عروج آپی نے یہ کاغذ دیا تھا آپ کے لئے میں نے جلدی سے کھولا تو لکھا ہوا تھا۔ ہیلو عثمان میں نو بج کر چالیس منٹ پر ہوٹل میں صرف پندرہ منٹ تک آپ کا انتظار کروں گی۔ میں جلدی سے کمرے میں گیا اور نیلے رنگ کا کاٹن کا سوٹ استری کر کے پہن کر بالکل تیار ہو کر گھر سے نکل پڑا تو دیکھا عروج کا کزن اسے رکشے میں بٹھا کر واپس آ رہا تھا۔ میں بہت پریشان ہو گیا کہ وہ بہت پہلے وہاں پہنچ جائے گی اور شاید مجھے یہاں سے کوئی گاڑی ہی نہ ملے میں اسی سوچ میں گم تھا کہ مجھے دور سے ایک ٹرک آتا ہوا دکھائی دیا میں اسے روکنے کے لئے سڑک کے درمیان میں کھڑا ہو گیا اس نے دور سے ہی دو تین دفعہ ہارن دیا مگر میں سائیڈ پر نہ ہوا۔ اس نے ایک سائیڈ سے تیزی سے گزارا تو میں اس کے ساتھ ٹکرا گیا اور میں گر پڑا گرتے ہی میری ایک ٹانگ پر گہری چوٹ لگ گئی میں جلدی سے اٹھا تو ٹانگ پر وزن نہ پڑا۔ اتنے میں ایک کیری ڈبہ آ گیا انہوں نے مجھے زخمی حالت میں دیکھا تو بٹھا لیا اور میں شکرگڑھ کی طرف روانہ ہو گیا۔ سٹاپ سے تین کلومیٹر ابھی پیچھے ہی تھا کہ کیری ڈبہ بھی خراب ہو گیا میں جلدی سے نیچے اترا اور پاگلوں کی طرح شہر کی طرف بھاگنے لگا۔ لوگ مجھے دیکھ کر پریشان اور حیران ہو رہے تھے ایک میں تھا کہ مجھے کسی کی خبر نہ تھی میں اپنے محبوب کو ملنے کے لئے کسی کی پرواہ کئے بغیر ہی دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ دو کلومیٹر بھاگنے کے بعد میرے جسم سے پانی ختم ہو چکا تھا۔ گرمی عروج پر تھی جسم پگھل رہا تھا زخمی ٹانگ درد سے چور چور ہو رہی تھی درد اتنا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ اسے جسم سے کاٹ کر الگ کر دوں۔ خیر میں گرتا سنبھلتا ہوا ہوٹل میں پہنچ ہی گیا وہاں جا کر دیکھا تو میری جان میری زندگی میری عروج میرا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی وہ میرے اتنا قریب کھڑی تھی کہ مجھے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سفید کپڑے اور گلابی دوپٹہ اور کندھے پر براؤن پرس پہنا ہوا تھا میں اس میں اس قدر کھو چکا تھا کہ خود کو بھول ہی چکا تھا اچانک عروج نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔ عثمان میری جان کہاں کھو گئے ہیں تو میں چونک پڑا عروج کہیں بھی تو نہیں بس ویسے ہی۔ میں تمہارے ہی تصور میں گم تھا چلو آؤ ادھر بیٹھتے ہیں۔ جب میں چلنے لگا تو اچانک عروج کا دھیان میری زخمی ٹانگ پر پڑ گیا اور پریشان ہو کر بولی۔ عثمان جان یہ خون کیسا ہے یہ کیوں بہہ رہا ہے۔ میں نے جب اس کو تمام کہانی سنائی تو وہ بہت روئی مگر میں نے اسے تسلی اور حوصلہ دے کر چپ کرا دیا اور کہا۔ عروج میری جان یہ تو معمولی سی چوٹ ہے میں تو تمہاری خاطر مجنوں کی طرح لوگوں کے پتھر بھی کھا سکتا ہوں مگر میں تمہاری جدائی کی چوٹ کو برداشت نہیں کر پاؤں گا۔ عروج کہنے لگی۔ عثمان تم تو میری جان ہو میں تمہیں بھول کر ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ پاؤں گی۔ ایسا سوچنا بھی مت۔ پھر ہم نے بہت ساری باتیں کیں ساتھ جینے

مرنے کے وعدے ہوئے ظالم سماج سے ٹکرانے کا بھی عہد کیا۔ اکٹھے جینے مرنے کی قسمیں کھائیں وہ مجھے اس طرح زخمی حالت میں دیکھ کر بہت ٹوٹ چکی تھی۔ باتیں کرتے کرتے شام ہو گئی وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا میں نے واپسی کا کہا تو عروج کہنے لگی۔ عثمان تھوڑی دیر رک جاؤ مگر میں بہت پریشان تھا کہ کہیں گھر والوں کو خبر نہ ہو جائے کہ وہ صبح نو بجے کی وہاں سے چلی ہے ابھی تک نہیں آئی چنانچہ ہم نے ایک دوسرے کو الوداع کہا وہ رکشے میں بیٹھ کر چلی گئی۔ شام ہو چکی تھی زخم ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے میری ٹانگ میں بہت درد ہو رہا تھا۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک میڈیکل سٹور پر پہنچا وہاں جا کر پٹی کروانا چاہی تو وہاں پر موجود ڈاکٹر نے کہا۔ بیٹا پہلے ایکسرے کروا کر لاؤ چوٹ گہری لگی ہوئی ہے ہو سکتا ہے کہ ہڈی فیکچر ہوئی ہو مگر میں اس وقت کچھ مجبوری کی وجہ سے ایکسرے نہیں کروا سکتا تھا میں یہی چاہتا تھا کہ جلد سے جلد گھر پہنچ جاؤں۔ میں بس سٹینڈ کی طرف آیا تو دیکھا وہاں پر کوئی بھی گوی موجود نہ تھی میں بہت پریشان ہو گیا ادھر موسم بھی بہت خراب ہو چکا تھا تیز آندھی کے ساتھ بارش بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ کپڑے بھیگ چکے تھے زخم بھی گیلا ہو چکا تھا۔ زخمی ٹانگ سے خون بہہ کر جسم زرد ہو چکا تھا مجھ سے کھڑا ہونا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ میں دور سے ایک موٹر سائیکل آتا ہوا دیکھ رہا تھا قریب آنے پر میں نے اسے روکا تو وہ رک گیا جب اس نے سر سے ہیلمٹ اتار کر دیکھا تو میری حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی ہو میرا دوست آصف تھا مجھے اس حالت میں رات کے نو بجے گھر سے چودہ کلو میٹر دور زخمی حالت میں دیکھ کر وہ بھی پاگل سا ہو گیا اور پوچھنے لگا عثمان بھائی یہ سب کیسے کیوں اور کیا ہوا۔ مگر میں خاموش تھا اس کو مجھ پر ترس آ رہا تھا اس نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا اور گلے سے لگا لیا۔ تب وہ بہت رویا۔ جاوید نسیم بھائی ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ملتے ہیں جو دوسروں کے لئے آنسو بہاتے ہیں جن کے دل موم کے ہوتے ہیں جو گرتے ہوؤں کو سینوں سے لگاتے ہیں۔ چوٹ کسی کو لگے تو درد ان کو محسوس ہوتا ہے۔ میرے جیسے انسان کی آنکھ چھلکے تو دل ان کا روتا ہے۔ آصف نے مجھے ساتھ بٹھایا اور ساتھ لے آیا۔ رات کے تقریباً گیارہ بجے کا ٹائم تھا۔ گھر پہنچنے پر میری حالت دیکھ کر گھر میں کہرام مچ گیا۔ میرے گھر والوں کو میرے دوست آصف نے دلاسہ دیا کہ کوئی بات نہیں ہے بس موٹر سائیکل سے گر گیا ہے، نارمل سی چوٹ لگی ہے، جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ اسی طرح تین چار دن کے بعد عروج بھی اپنے گاؤں سے واپس آ گئی۔ میں آصف کو بلا کر کہا کہ جلدی جاؤ اور عروج کو بتا کر آؤ کہ میرے زخمی ہونے کی وجوہات گھر میں کسی کو بھی نہ بتائے ورنہ بہت بڑا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ وہ عروج کو تمام صورت حال سے آگاہ کر کے آ گیا۔ دوسرے دن کالج سے واپسی پر عروج شام کو چار بجے ہمارے گھر آئی اور بہت روئی اور بار بار یہی کہتی رہی۔ عثمان یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے کاش میں نے آپ کو نہ بتایا ہوتا کہ میں گاؤں جا رہی ہوں۔ پھر میری امی جی نے عروج کو اٹھایا اور ساتھ والے کمرے میں لے گئیں اور عروج کو تسلیاں دیتی رہیں کہ بیٹی قسمت کا لکھا کون ٹال سکتا ہے۔ خیر ہے بیٹی عثمان جلد ٹھیک ہو جائے گا تم فکر نہ کرو۔ باجی نے عروج کے لئے کھانا بنایا مگر عروج صرف چائے ہی پی کر واپس چلی گئی۔ اسی طرح دن گزرتے گئے اور میرا زخم ٹھیک ہو گیا اور میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ دس مئی کو میں نے اپنی ڈیوٹی پر چلے جانا تھا۔ اس قیامت کا عروج کو ابھی تک علم نہیں تھا۔

کچھ عرصہ بعد عروج کے کسی رشتہ دار کی شادی تھی سبھی گھر والے وہاں گئے ہوئے تھے میں نے سوچا کہ چلو میں عروج کے گھر چلتا ہوں۔ جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا عروج دروازے پر ہی کھڑی تھی میں پاس گیا تو بولی۔ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ عثمان تم نے آج ضرور آنا ہے۔ میں نے کہا عروج تمہیں کیسے پتہ چل گیا تھا کہ میں آج ضرور آؤں گا۔ کہنے لگی کہ تم پوچھتے



ہو نا کہ تمہارے آنے کی خبر مجھے کیسے ہو جاتی ہے تو سنو عثمان جب ہوائیں گنگناتی ہیں، خوشیوں کے گیت گاتی ہیں میرے آنچل کو چھیڑ کر گزرتی ہیں مجھ سے اٹھکیلیاں کرتی ہیں تو میرے کانوں میں سرگوشیاں سی ہونے لگتی ہیں جب ہر کلی کھل کر پھول بن جاتی ہے اور وہ پھول اپنی تمام تر رعنائیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ ہر شاخ پر جھومنے لگتے ہیں تو فضا میں ایک عجیب سی من کو پاگل کر دینے والی خوشبو پھیل جاتی ہے جس سے میرا دل اور دماغ معطر ہو جاتا ہے اور میرا دل بے قابو ہو کر میری پسلیوں کو توڑ کر باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو ایسے میں جان جاتی ہوں کہ تم آنے والے ہو۔ واقعی عروج؟ ہاں عثمان میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ دیکھو ابھی بھی دروازے میں کھڑی تمہاری ہی راہ تک رہی تھی ناں۔ دیکھو تم آ گئے اسی کو سچی لگن سچی محبت سچا پیار کہتے ہیں پھر بے ساختہ عروج نے میرا بازو پکڑا اور مجھے اندر لے گئی اور کہنے لگی۔ عثمان جان آپ کو پتہ ہے ناں آج گھر میں کوئی نہیں ہے۔ آج ہم جی بھر کر باتیں کریں گے پھر عروج نے چائے بنائی ہم دونوں نے مل کر چائے پی۔ چائے پینے کے بعد عروج دوسرے کمرے میں چلی گئی اور میں اس کے حسین تصور میں کھو گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد عروج سبز رنگ کا لباس پہن کر گوری گوری کلائیوں میں گلابی چوڑیاں پہن کر خراماں خراماں چلتی ہوئی میرے پاس آئی۔ پھر ہم لان میں بیٹھ کر اپنی باتوں میں کھو گئے اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا ماحول بڑا ہی پرسکون تھا۔ ہم بہت دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے میں سوچتا رہا کہ کیسے ہمت کر کے میں...... میں عروج کو بتا دوں کہ میں تین دن کے بعد اس گاؤں سے جا رہا ہوں۔ وہ مجھ سے باتیں کئے جا رہی تھی اور میں خاموشی سے سنتا جا رہا تھا۔ کافی دیر کے بعد میں نے عروج سے اجازت لی اور اللہ حافظ کہہ کر واپس گھر آ گیا۔

دوسرے دن میں شہر جانے کی تیاری کر رہا تھا سارا سامان پیک کرنے کے بعد سوچ رہا تھا کہ کسی طرح آج پھر عروج سے ملاقات ہو جائے میں اس کے گھر کی طرف چلا گیا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے گیٹ پر دستک دی تو عروج باہر آئی اور بولی۔ اوہ میری جان عثمان اندر آ جاؤ گھر والے ابھی تک شادی سے واپس نہیں آئے۔ یہ سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آج پھر جی بھر کر باتیں کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ میں ساتھ ہی اندر چلا گیا عروج جلدی سے چائے اور بسکٹ لے آئی اور میرے سامنے بیٹھ کر بسکٹ چائے کے ساتھ کھائے۔ وہ بہت خوش تھی۔ آج شام ہلکی ہلکی بارش کے ساتھ تیز ہوا بھی چل رہی تھی۔ عروج جب باہر کا دروازہ بند کر کے واپس آئی تو اس کے چہرے پر اور بالوں پر بارش کے ننھے منے بے شمار قطرے جمع ہو چکے تھے جو بہت ہی خوبصورت لگ رہے تھے جیسے صبح کے وقت گلاب کے پھولوں پر شبنم کے قطرے ہوتے ہیں۔ میں نے کہا۔ عروج ادھر میرے پاس آؤ وہ آ کر بیٹھ گئی تو میں نے اپنی جیب سے رومال نکال کر اس کے چاند جیسے چہرے کو صاف کیا تو وہ بولی۔ عثمان آج کی شام کو میں کبھی بھی نہیں بھلا سکوں گی۔ ہاں عروج واقعی آج کی شام دکھ دینے والی شام ہے میں نے کہا۔ عروج کہنے لگی۔ کیا مطلب عثمان۔ میں نے کہا۔ عروج آج کے بعد ہم مل نہیں سکیں گے کیونکہ میں کل شہر جا رہا ہوں مجھے جاب مل گئی ہے۔ یہ سننا ہی تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی آنسو میرے بھی نکل آئے تھے دل میرا ابھی غمگین ہو گیا تھا مگر میں ہمت کر کے اپنی جان کو تسلی دے رہا تھا مگر وہ چپ ہونے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ میں نے کہا۔ عروج تم میری جان ہو میں تم کو بھول کر ایک لمحہ بھی گزار لوں گا یہ سوچنا بھی مت۔ یہ دوریاں عارضی ہیں زمانہ لاکھ دیواریں کھڑی کرے ہم ان کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ عروج میں مر جانا تو پسند کروں گا مگر تم کو بھلانا میرے بس میں نہ ہو گا۔ پھر عروج نے جلدی سے میرے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور کہا ایسی باتیں مت کرو میری جان ہمیں ایک دوسرے سے سچا پیار ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سچا پیار کرنے والوں

کا ساتھ دیتا ہے۔ اگر خدا نے ہمارا ملن لکھا ہے تو ہم ضرور ملیں گے پھر عروج نے روتے ہوئے کہا۔ دیکھو عثمان مجھے کبھی بھی تنہا نہ چھوڑنا تیرے بغیر میری زندگی بے معنی اور فضول ہے۔ میں نے عروج کا ہاتھ تھام کر کہا۔ عروج یہ دنیا تو چھوٹ سکتی ہے مگر میں تمہارے ہاتھ کبھی نہیں چھوٹنے دوں گا۔ آج نجانے کیوں عروج کا دل مجھ سے جدا ہونے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ میرے کندے پر سر رکھ کر رو رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں سے میرا سارا کندھا بھیگ چکا تھا۔ رات کے دو بج چکے تھے وہ رو رہی تھی۔ میں اسے دلاسہ دیتا رہا پھر میں نے عروج سے اجازت مانگی تو کہنے لگی۔ ایک شرط پر اجازت ملے گی میں نے کہا۔ بولو میری جان بھی حاضر ہے اپنی عروج کے لئے۔ کہنے لگی۔ ایک بار مسکرا دو۔ میں مسکرا دیا تو وہ خوش ہو گئی اور ایک شعر میری سماعتوں کی نظر کیا۔

میری آنکھیں رکھ لو مجھے کچھ خواب دے دو
جس میں تمہاری جھلک ہو ایسی شراب دے دو
چلو چھوڑو ساری باتیں میری اک بات مانو
میری ساری عمر لے لو بس ایک پل کا ساتھ دے دو

پھر میں نے عروج کی بھیگی ہوئی آنکھوں کو چوما اور رات کی تاریکی میں اپنے گھر آ گیا۔ صبح سات بجے میں نے گھر سے روانہ ہونا تھا میں تیاری کر رہا تھا مگر میرے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔ سبھی گھر والے یہ سمجھ رہے تھے کہ ہمیں چھوڑ کر پردیس جا رہا ہے۔ اس لئے پریشان ہے مگر حقیقت سے کوئی بھی آشنا نہ تھا۔ میں سب کو مل کر گھر سے نکلا تو دیکھا عروج اپنے دروازے پر کھڑی میرا انتظار کر رہی تھی۔ پاس ہی سب لوگ اپنے کام کاج میں مصروف تھے اس لئے ہمارا بات کر لینا ممکن نہ تھا۔ وہ دروازے سے لگی آنسو بہا رہی تھی اور میں مڑ مڑ کے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ ہاتھ ہلاتی رہی اور میں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا شاپ پر پہنچ کر میں نے ان راہوں کو دیکھا جہاں ہم روز ملا کرتے تھے اور گاڑی میں سوار ہو گیا اور

دوپہر ایک بجے سیالکوٹ پہنچا اور وہاں سے بذریعہ ریل میں نے دوسرے شہر جانا تھا۔ ٹرین جو کہ شام سات بجے آنی تھی وہ لیٹ ہو چکی تھی۔ میں پلیٹ فارم پر بیٹھا عروج کے خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے اور اعلان ہوا کہ پشاور جانے والی گاڑی پلیٹ فارم پر پہنچ رہی ہے تمام مسافروں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنا اپنا سامان لے کر تیار ہو جائیں۔ میں نے بھی اپنے بے جان جسم کو حرکت دی تھوڑی ہی دیر کے بعد گاڑی پلیٹ فارم پہنچ گئی۔ میری سیٹ پہلے ہی بک تھی میں نے اپنا سامان اپنی مطلوبہ جگہ پر رکھا اور اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو چکی تھی۔ رات کافی گزر چکی تھی میں جاگ رہا تھا نیند میری آنکھوں سے بہت دور جا چکی تھی۔ آنکھیں اس قدر سرخ ہو چکی تھیں جیسے خون کے آنسو بہہ رہے ہوں۔ صبح چھ بجے گاڑی سوہاوہ سٹیشن پر رکی میں تین دن سے بھوکا تھا سوچا کچھ کھا پی لوں۔ میں نے ایک پیپسی بوتل اور ایک برگر لیا ابھی آدھا برگر اور ایک گھونٹ بوتل کا پیا ہی تھا کہ میں نے باقی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ میری طبیعت بہت خراب ہو چکی تھی۔ سر چکرا رہا تھا سر میں درد بھی ہو رہا تھا اور بخار سے جسم پگھل رہا تھا۔ تین گھنٹے کے بعد میں اس شہر میں داخل ہوتے ہی گر پڑا تھا مجھے کچھ ہوش نہ رہا دو گھنٹے کے بعد مجھے ہوش آیا تو میں ہسپتال میں بیڈ پر تھا اور ایک سفید پوش نرس میرے پاس کھڑی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا باجی میرا سامان تو بولی۔ بیٹا فکر مت کرو آپ کا سب کچھ حفاظت سے ہے۔ بیس دن تک میں ہسپتال میں ایڈمٹ رہا اور گھر والوں کو بھی کوئی خبر تک نہ دے سکا کہ پہنچ گیا ہوں یا نہیں، زندہ ہوں یا مر گیا ہوں۔ چوبیس دن کے بعد مجھے ڈسچارج کر دیا گیا اور مجھے میری کمپنی میں بھیج دیا گیا۔ کمرے میں پہنچنے پر میرا بڑا گرم جوشی سے استقبال ہوا پھر میں نے جلدی سے ایک کاغذ اور بال پین لیا اور گھر والوں کو اپنی خیریت



سے مطلع کیا۔ بیماری کا ذکر کے میں ان کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ان دنوں ہمارے گاؤں میں ٹیلی فون کا نظام نہیں تھا مگر شکر گڑھ سے پی ٹی سی ایل سے کال کر لینا ممکن تھا اس لئے میں نے اپنے آفس کا نمبر بھی ساتھ لکھ دیا کہ صرف ایمرجنسی میں کال کر لینا۔ اسی طرح وقت کا بے لگام گھوڑا اپنی منزل کی جانب سرپٹ دوڑتا رہا ایک ہفتے کے بعد گھر سے خط آیا جو میری بڑی بہن نے لکھا تھا، جس کی تحریر کچھ یوں تھی۔

دل و جان سے پیارے بھائی عثمان السلام علیکم! بھیا ہم سب لوگ بالکل خیریت سے ہیں مگر جب سے آپ گھر سے گئے ہیں ہر طرف خاموشی سی چھائی رہتی ہے۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ تمہاری یادیں ہر لمحہ ہمیں ستاتی رہتی ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ عروج آپ کی جدائی میں بہت ٹوٹ چکی ہے۔ آپ کے جانے کے بعد اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے اور بیمار ہو گئی اور اب اس کا جسم چارپائی کے ساتھ لگ چکا ہے۔ میں اس کا پتہ لینے کے لئے ہر روز اس کے گھر جاتی ہوں مگر دن بدن وہ بہت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ میں نے اسے بہت ساری تسلیاں دی تھیں مگر سب فضول ہیں۔ وہ ہر وقت آپ کے بارے میں پوچھتی رہتی ہے۔ بھیا اگر اس کی یہ حالت رہی تو یہ حقیقت ہے کہ وہ چند دن کی مہمان ہے۔ بھیا میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں کہ تم جلد سے جلد واپس آ جاؤ ایسا نہ ہو کہ وقت ریت کی مٹھی کی طرح ہاتھ سے نکل جائے۔ ہمیں نوکری سے زیادہ اس کی جان عزیز ہے اور ہاں بھیا عروج نے ایک غزل لکھ کر دی تھی جو میں آپ تک پہنچا رہی ہوں۔

جن راہوں پہ اک عمر رستے سنسان بہت ہیں
مل جاؤ لوٹ کے پھر آؤں ناں شاید
کمزور ہوں راہ میں طوفان بہت ہیں
اک تم ہی نہیں میری جدائی میں پریشان
ہم بھی تو تیری چاہ میں ویران بہت ہیں
اک ترک وفا پہ ہی اسے کیسے بھلا دوں
مجھ پر ابھی اس شخص کے احسان بہت ہیں
بھر آئیں نہ آنکھیں تو میں اک بات بتاؤں
اب تجھ سے بچھڑ جانے کے امکان بہت ہیں

فقط تمہاری منتظر عروج

باجی کا خط پڑھتے ہی میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ میں نے نوکری چھوڑ کر بھاگ جانے کی تیاری کے بارے میں سوچا کہ کل شام تک میں یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں گا اپنی عروج کے پاس۔ شام کو میں پریشانی کی حالت میں کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرا استاد آیا اور بولا۔ عثمان بیٹا آپ کا فون ہے میں نے ریسیور اٹھایا تو عروج بات کر رہی تھی میں نے کہا۔ عروج تم؟ ہاں عثمان میں۔ نمبر کہاں سے لیا ہے اور اس وقت کہاں سے کال کر رہی ہو؟ کہنے لگی۔ عثمان میں شکر گڑھ دوائی لینے کے لئے آئی تھی۔ شام ہو گئی ہے اب واپس جا رہی ہوں آپ کا نمبر باجی سے لیا تھا۔ عثمان تم کیسے ہو؟ میں نے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے کہا۔ عروج تم ساتھ ہو تو میں ہر حال میں جی لوں گا۔ عروج میں سب کچھ چھوڑ کر آ رہا ہوں اپنی جان کے پاس۔ تبھی عروج کہنے لگی۔ نہیں عثمان تمہیں میری قسم تم ایسا ہرگز نہ کرنا نوکری بالکل نہ چھوڑنا اپنے مستقبل کو تباہ نہ کرنا میں اب ٹھیک ہوں اور اب میرا رابطہ تم سے ہوتا رہے گا میں فون کر لیا کروں گی اور اپنا خیال رکھنا او کے بائی۔ اور فون بند ہو گیا۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا کبھی گھر سے خط آ جاتا اور کبھی عروج فون کر لیا کرتی تھی پھر مجھے دس دن کی چھٹی مل گئی۔ میں ساری رات سفر کر کے صبح شکر گڑھ پہنچ گیا یہاں سے ایک گھنٹے کا مزید سفر کر کے میں اپنے گاؤں میں پہنچ گیا۔ گاؤں بہت بدلہ بدلہ سا لگ رہا تھا۔ سب لوگ اپنے کام کاج میں مصروف تھے۔ گھر پہنچ کر سب سے ملا سب گھر والے بہت خوش ہوئے پھر میں نے ناشتہ کیا کپڑے تبدیل کئے اور اپنے کھیتوں کی طرف چلا گیا جہاں میرا چھوٹا بھائی جانوروں کے لئے چارہ کاٹ رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر بھاگتا ہوا آیا اور بھائی

جان کہہ کر میرے گلے سے لگ گیا پھر ہم کافی دیر تک بیٹھے گپ شپ لگاتے رہے۔ باتوں باتوں میں نے عروج کا پوچھا تو پتہ چلا کہ ادھر ہی ہے کیونکہ چھوٹے بھائی نے کل اسے کالج سے واپس آتے دیکھا تھا۔ بھائی نے ٹریکٹر کھیت کے کنارے پر کھڑا کیا تھا جس پر ٹیپ ریکارڈر لگا ہوا تھا اور گانا چل رہا تھا...... کتنا بے چین ہو کے تم سے ملا، تم کو کیا خبر میں کتنا تنہا اکیلا تھا...... واقعی کبھی کبھی بڑی موقعے کا کوئی کام یا بات ہو جاتی ہے ایسے لگتا ہے جیسے منہ سے نکلی ہوئی بات پوری ہوگئی ہے۔ میں نے دیکھا عروج اور اس کی تین کزنیں ہماری طرف آ رہی تھیں۔ شاید وہ سیر کے لئے نکلی تھیں۔ انہوں نے سڑک کراس کر کے ہمارے پاس سے گزرنا تھا جہاں ہم نے ٹریکٹر کھڑا کیا تھا۔ میں نے کافی دنوں کے بعد اپنی عروج کو دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا میں نے جلدی سے کیسٹ تبدیل کیا اور یہ گانا لگا دیا...... کتنا پیارا ہے یہ چہرہ جس پہ ہم مرتے ہیں، وہ نجانے کہ ہم اسے کتنا پیار کرتے ہیں، درد و غم مل کے سہیں گے یہ ارادہ کر لیں، ہم نہ ٹوٹیں گے کبھی آؤ یہ وعدہ کر لیں، ہم بکھر جانے کے خیال سے بھی ڈرتے ہیں، یہ سفر پیار کا ہوتا ہے بڑا مشکل، گر کے جو سنبھلے ملے اس کو منزل راہ کیسی بھی ہو ہم شوق سے گزرتے ہیں، کتنا پیارا ہے وہ چہرہ جس پہ ہم مرتے ہیں...... پھر جب عروج ہمارے پاس پہنچی تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کاش وقت تھم جائے اور میری جان اسی طرح میرے سامنے کھڑی رہے اور میں اسے اپنی روح میں اتار لوں مگر ایسا ممکن ہی کہاں تھا۔ وہ چند لمحوں کے لئے رکی اور پھر چل دی وہ مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتی رہی اور میں بھی اسے دیکھتا رہا پھر تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ اچانک عروج میرے پاس آ گئی۔ مجھے یقین نہ آ رہا تھا کہ میری جان میرے سامنے کھڑی مسکرا رہی ہے۔ میں نے کہا۔ عروج تم اور یہاں۔ ہاں عثمان میں اور یہاں اپنی جان کے پاس بالکل تمہارے سامنے پھر کہنے لگی۔

عثمان تمہارے دم سے جو زندگی میں بہاریں تھیں کبھی تم نے سوچا کہ اب تم سے بچھڑ کر میری زندگی میں کیا رہ گیا ہے۔ تمہارے بغیر یہ زندگی کیا ہے ان خزاں رسیدہ پتوں کی مانند جو شاخ سے ٹوٹ کر انجانی راہوں کے مسافر ہو گئے اس تتلی کی مانند جو کسی کتاب میں بند ہو کر اپنی رعنائی کھو دے اس بند کلی کی مانند جو اپنی خوشبو بکھیرنے سے پہلے ہی مسل دی گئی ہو۔ اس پتھر کی مانند جو لوگوں کی ٹھوکروں میں پڑا ہو اور ہر نئی ٹھوکر پر اپنی جگہ تبدیل کرتا رہتا ہو۔ اس راستے کی مانند جس کی کوئی منزل نہ ہو۔ ان برف پوش پہاڑوں کی چوٹیوں کی مانند جن کی برف کو جذبات کی گرمی بھی نہ پگھلا سکے۔ ایسی بنجر زمین کی طرح جو ساون کی ایک ایک بوند کو ترسے۔ اس حسین لڑکی جیسی جس کا محبوب اس سے بچھڑ گیا ہو اس چاند کی مانند جو صدیوں سے گرہن کی زد میں ہو اور اپنی پوری آب و تاب سے چمکنے سے قاصر ہو اس سورج کی مانند جو ابر آلود بادلوں کی اوٹ میں چھپا ہو اور اپنی چمک دمک زمین پر بکھیرنے سے محروم ہو۔ ہاں عثمان آج میں پھر یہ اعتراف کرتی ہوں کہ تمہارے دم سے ہی میری زندگی ہے، میرا جینا مرنا صرف تمہارے لئے ہے۔ تمہارے بغیر میری زندگی بھی میری نہیں ہے تمہارے بغیر کچھ بھی تو میرا نہیں ہے عثمان کچھ بھی نہیں۔ ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور سسکیاں لیتے ہوئے پھر کہنے لگی۔ عثمان جب سے تم گئے ہو میری آنکھیں پتھرا سی گئی ہیں جیسے جسم سے جان بھی نکال کر لے گئے ہو۔ کیا محبتیں ایسے نبھائی جاتی ہیں، وفا اسی کو کہتے ہیں۔ تم خود تو چلے گئے اور مجھے تنہا چھوڑ گئے۔ تم سزا دے گئے مجھے اس محبت کی۔ تمہارے سنگ گزرا ہوا اک اک لمحہ مجھے تڑپاتا رہا رلاتا رہا میں پل پل مرتی رہی اور پل پل جیتی رہی۔ کس کو اپنے دکھ بتاتی یہ جدائی کا قرب گزرتا ہر لمحہ تمہاری ہی یاد میں بسا ہوتا تھا۔ عثمان میں نہیں جانتی تھی کہ تمہاری محبت مجھے اس قدر توڑ دے گی۔ تمہاری جدائی کا مجھ پر اس قدر اثر ہوگا کہ میں میں نہ رہوں گی۔

پھر میں نے عروج کے آنسوؤں کو صاف کیا اور اس کا خوبصورت ہاتھ پکڑ کر کہا۔ عروج میری جان مجھ سے قسم لے لو کہ تمہارے بعد جو میں نے کسی کا خواب دیکھا ہو، کسی کو چاہا ہو، کسی کو سوچا ہو، کسی کی آرزو کی ہو، کسی کی جستجو کی ہو، کسی کی راہ دیکھی ہو، کسی کا قرب مانگا ہو، کسی سے آس لگائی ہو یا کوئی امید باندھی ہو، کوئی دل میں اترا ہو، کوئی تم سا پیارا ہو، کوئی دل میں بسایا ہو، کوئی اپنا بنایا ہو، کوئی روٹھا ہو تو اسے رو کے ہم نے منایا ہو، ساون کی حسین رت میں کسی کا ہجر جھیلا ہو سوائے اپنی جان کے یا کسی کی یاد کا موسم میرے سونے آنگن میں آیا ہو کسی سے بات کرنے کو کبھی یہ ہونٹ ترسے ہوں یا پھر کسی کی بے وفائی پر سے یہ نین برسے ہوں۔ عروج یقین کرو میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر تیرے غم میں روتا رہا ہوں۔ تمہارے بغیر جو میں ایک پل بھی سویا ہوں یا پھر کبھی کوئی جگنو کبھی کوئی تارا یا کبھی ماہتاب دیکھا ہو۔ قسم لے لو عروج میری جان تمہارے بعد جو میں نے بھی کسی کا خواب دیکھا ہو یہ کہتے ہوئے میری آنکھیں بھی بھر آئیں اور آنسو پلکوں کا بند توڑ کر بے ساختہ بہہ نکلے۔ عثمان مجھے یقین تھا کہ تم بھی میرے بغیر جی نہ سکو گے، چین نہ پا سکو گے پھر اپنے ہاتھوں سے میرے آنسو صاف کئے تو میرے سوئے جذبات جاگ اٹھے خواہشات کی وادی میں ہلچل مچ گئی، سانسوں کی روانی میں ایک عجیب سی حرارت پیدا ہو گئی، جذبات گیلی لکڑی کی طرح سلگنا شروع ہو گئے، تن بدن میں آگ سی لگ گئی اور من بھی بے قراری و بے تابی کے شعلوں سے دہکنے لگا۔ خود میری یہ حالت ہو گئی تھی کہ جیسے پانی کے بغیر مچھلی، کڑی دھوپ میں اگا ہوا کوئی نازک سا پودا جیسے شاخ سے ٹوٹا ہوا کوئی مرجھایا ہوا پھول، جیسے خزاں زدہ کوئی ثمر، جیسے ٹوٹا ہوا کوئی آئینہ، جیسے پھٹا ہوا کوئی ورق، جیسے اجڑا ہوا کوئی گلشن، جیسے بچھڑا ہوا کوئی پنچھی، بے چینی کا عالم تو مت پوچھو میری جان کروٹیں بدل بدل کر رات گزار دیتا ہوں نیند کو تو میری آنکھوں سے عداوت سی ہو گئی ہے پاس سے بھی نہیں گزرتی اگر میری باتوں پر یقین نہ آئے تو پوچھ لینا اپنے قفس میں قید میاں مٹھو سے جسے تم نے بڑے ذوق و شوق سے سلاخوں کے پنجرے میں قید کر رکھا ہے۔ پوچھو اس سے کہ اس پر کیا بیت رہی ہے۔ مینا کے ہجر میں نہ ختم ہونے والی جدائی میں اور قفس میں قید کی اذیت ناک زندگی میں بالکل اسی طرح میری بھی یہی حالت ہے میری جان۔ اسی طرح باتیں کرتے کرتے شام ہو گئی اور عروج کی کزنیں بھی واپس آ رہی تھیں پھر وہ جلدی سے میرے پاس اٹھ کر چلی گئی اور میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ آج میرا من بہت خوش تھا ہر چیز مجھے بہت پیاری لگ رہی تھی کیونکہ اپنی جان سے جو ملاقات ہو گئی تھی۔ پھر ہم بھی جانوروں کا چارہ لے کر گھر واپس آ گئے۔

گھر پہنچنے پر چھوٹے بھائی نے کہا۔ آپ کو پتہ ہے کہ شکر گڑھ میں جاز کا بوسٹر لگ چکا ہے اور آج وہ شام تک اپنا کام کرنا شروع کر دے گا۔ میں یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ چلو اب دوریاں ختم ہو جائیں گی۔ میں اور عروج روزانہ ہی بات کر لیا کریں۔ تین چار دن تک تو میں گھریلو کاموں میں ہی مصروف رہا پھر ایک دن میں شکر گڑھ گیا وہاں سے میں نے چودہ ہزار روپے کے دو موبائل لئے اور آتے ہی ایک عروج کو دے دیا اور دوسرا اپنے پاس رکھ لیا۔ رات کو دو بجے عروج کی کال آ گئی۔ کہنے لگی۔ ہیلو عثمان جی کیسے ہو میں نے کہا عروج میں بہت زیادہ خوش ہوں تم سناؤ۔ جی میں تم کو بہت مس کر رہی ہوں۔ میں نے کہا۔ عروج کب ملو گی؟ بولی۔ عثمان اب ہمارا ملنا ممکن نہیں ہے۔ دیکھو عروج میں نے تین دن کے بعد چلے جانا ہے میں چاہتا ہوں کہ تمہیں جی بھر کے دیکھ لوں مگر عروج نے پھر وہی جواب دیا۔ نہیں عثمان بہت مشکل ہے اور فون بند کر دیا۔ مجھے ایک انجانا سا غم کھائے جا رہا تھا کہ عروج نے ملنے سے انکار کیوں کیا ہے۔ پھر سوچتا رہا کہ ہو سکتا ہے کوئی مجبوری ہو پھر میں نے دل کو تسلی دی۔

دو دن کے بعد میرے دوست آصف کی شادی تھی ہم مہندی والی رات کو وہاں خوب ہلہ گلہ کر رہے تھے۔ ساتھ ہی عروج کا گھر تھا عروج اور اس کی کزنیں چھت پر چڑھ کر ہم کو دیکھ رہی تھیں میں تمام دوستوں سے الگ ایک دیوار پر کھڑا تھا کہ عروج کو نمایاں طور پر نظر آ سکوں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد موبائل کی بیل بجی دیکھا تو عروج کا فون تھا۔ کہنے لگی۔ عثمان جی بہت پیارے لگ رہے ہو پلیز یہاں ہی کھڑے رہنا تا کہ میں تمہیں جی بھر کے دیکھ سکوں۔ اور ہاں خاص بات یہ ہے کہ کل سارے گھر والے کسی کام کی وجہ سے شکر گڑھ جا رہے ہیں تم جیسے ہی ہو سکے مجھے کل ملو۔ میں نے وعدہ کر لیا کہ ضرور آؤں گا اور فون بند کر دیا۔ میں نے ساری رات ہی گھڑی دیکھ دیکھ کر گزار دی ایک پل بھی نیند نہ آئی۔ خیر صبح ہو گئی میں انتظار کرنے لگا کہ کب اس کے گھر والے جائیں گے۔ خیر سات بجے وہ تمام گھر والے چلے گئے اور میں عروج کے پاس چلا گیا۔

وہ میرا ہی انتظار کر رہی تھی مجھے دیکھتے بھاگی آئی اور دروازہ کھول دیا اور میں اندر چلا گیا اور ہم کمرے میں آ گئے تو عروج بولی۔ یہ دیکھو عثمان گلاب کے پھول کا پودا یہ میں کل نرسری سے لے کر آئی تھی اور آج ہم دونوں مل کر اسے دیوار کے ساتھ لگائیں گے۔ یہ ہماری محبت کی ایک نشانی ہو گا اور میرے یہاں سے چلے جانے کے بعد جب بھی میری یاد تم کو ستائے گی تو تم یہ سوچ کر دل کو بہلا لیا کرنا کہ یہ گلاب کا پودا ہم دونوں نے مل کر لگایا تھا۔ عثمان تم ان گلاب کے پھولوں کی پتیوں سے میری خوشبو محسوس کیا کرو گے یہ گلاب کا پودا میری اور تمہاری محبت کی ایک ایسی یاد ہو گی کہ تم جب بھی ادھر گلی میں آیا کرو گے تو تم اسے دیکھا کرو گے تو میں تمہیں یاد آیا کروں گی۔ پھر ہم دونوں نے مل کر اس پودے کو زمین میں لگا کر اپنے آنسوؤں سے مٹی تر کر کے لگا دیا۔ اسی طرح کافی وقت گزر گیا پھر عروج نے مجھے چائے پلائی اور میں خدا حافظ کہہ کر واپس گھر آ گیا۔

ابھی میں گھر واپس آیا ہی تھا کہ باہر سے آصف نے آواز دے دی۔ میں باہر گیا تو مجھے دیکھتے ہی بولا۔ جناب کل میری شادی ہے اور آپ کو پتہ ہی نہیں ہے۔ میں نے کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ آصف بولا۔ ہاں کہہ دو کپڑے نہیں ہیں، شوز نہیں ہیں، یہ نہیں ہے وہ نہیں ہے، چلو آؤ بازار جانا ہے۔ میں آصف کے ساتھ بازار کی طرف چل پڑا۔ آصف کہنے لگا۔ عثمان یار اپنی حالت دیکھی ہے مجنوں کی طرح ہو گئی ہے۔ دس دن کی چھٹی بھی ختم ہونے والی ہے مگر جناب کو لیلیٰ کی سوچوں کے سوا کوئی کام ہی نہیں ہے۔ میں نے کہا یار آصف بس کرو اب بہت ہو گیا۔ ہاں سچی بات کہی ہے تبھی تو ناراض ہو رہے ہو۔ اسی طرح باتیں کرتے کرتے ہم بازار پہنچ گئے۔ وہاں پر ہم نے کافی دیر تک شاپنگ کی پھر ہم واپس آ گئے۔ دوسرے دن آصف کی بارات تھی خوب شور و غل تھا۔ ایک طرف بینڈ باجے والے دوسری طرف ڈھول والے ہر چہرہ چمک دمک رہا تھا، ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ خوب شہنائی گونج رہی تھی بارات تیار ہو کر روانگی کے لئے تیار کھڑی تھی میں تیاری کر رہا تھا۔ آصف بار بار فون کر رہا تھا۔ عثمان جلدی آؤ صرف تمہارا انتظار ہے کہاں کھو گئے ہو مجنوں کہیں کے۔ میں جلدی سے آصف کے گھر پہنچا تو پتہ چلا کہ دولہا آصف کی گاڑی کی ڈرائیونگ میرے ذمے ہے۔ گاڑی خوب پھولوں سے سجی ہوئی تھی۔ آصف دولہا بنا بہت پیارا لگ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد بارات روانہ ہوئی راستے میں بھی خوب ہنسی مذاق ہوتا رہا اور آخر کار بارات اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ ہی گئی۔ یہاں پر ہمارا بہت اچھا استقبال ہوا مردوں نے ہمارے گلوں میں پھولوں کے ہار پہنائے اور عورتوں نے گلاب کے پھولوں کی پتیاں ہم پر نچھاور کیں۔ سارا دن ہنسی مذاق میں ہی گزرا پھر تمام رسومات ادا ہونے کے بعد شام کو بارات واپس آ گئی۔ پھر میں نے شام کو آصف سے اجازت لی اور کہا۔ یار آصف میں نے کل واپس جانا ہے اگر آپ کے پاس ٹائم ہو تو پلیز مجھے صبح



سات بجے بس سٹاپ تک چھوڑنے کے لئے ہمارے گھر آ جانا۔ آصف نے آنے کا وعدہ کر لیا اور میں اپنے گھر آ گیا۔

صبح میں تیاری کر رہا تھا کہ ٹھیک سات بجے آصف گاڑی لے کر آ گیا میں سب گھر والوں کو ملا اور اجازت لے کر آصف کے ہمراہ گھر سے نکل پڑا۔ ہمارے گھر سے بس سٹاپ کا سفر دو کلو میٹر تھا سارے راستے میں آصف مجھے سمجھاتا رہا۔ عثمان بھائی محبت مر مر کر جینے کا نام ہے۔ محبت میں قربانیاں دے کر زندہ رہنا پڑتا ہے۔ عثمان میں جانتا ہوں کہ تم اور عروج ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہو لیکن عثمان تم یہ نہیں جانتے کہ عروج کو حاصل کر لینا بہت مشکل ہے۔ تمہارے لئے وہ یہاں پڑھنے کے لئے آئی ہوئی ہے، آج نہیں تو کل اس نے چلے ہی جانا ہے۔ اس کے یہاں ہوتے ہوئے بھی تمہاری یہ حالت ہے اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کے یہاں سے چلے جانے کے بعد تم خود کو کبھی بھی سنبھال نہیں پاؤ گے اور عروج کی یادیں ایک دن تمہیں موت کے بہت قریب لے جائیں گی جہاں انسان موت کو ایک ایک لمحے میں ہزار ہزار بار پکارتا ہے مگر وہ ابھی اس کے دروازے پر دستک نہیں دیتی۔ آصف نے کہا۔ عثمان میرے بھائی میں نہیں چاہتا کہ تم خود کو ان راہوں پر چلاؤ جہاں سب کچھ لٹ جاتا ہے سب کچھ برباد ہو جاتا ہے۔ انسان اجڑ جاتا ہے۔ آہیں اور سسکیاں اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔ عثمان آج تمہارا ایک نام ہے، ایک مقام ہے، عزت ہے، تم سہارا ہو اپنے والدین اور بہن بھائیوں کا اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو وہ لوگ برباد ہو جائیں گے۔ تمہاری خوشی ہی ان کی زندگی ہے۔ عثمان اب بھی وقت ہے واپس آ جاؤ، عروج کو بھول جاؤ۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا میں تمہارا سہارا بنوں گا۔ عروج ایک دن تم کو چھوڑ کر چلی جائے گی اور تمہارا ناطہ آہوں اور سسکیوں سے جڑ جائے گا۔ پتہ نہیں آج کیوں مجھے آصف کی باتوں میں حقیقت کا ایک عکس نظر آ رہا تھا۔ دو بار بار اپنی آنکھوں سے چھلکتے آنسوؤں کو پونچھتا رہا اور کانپتے ہوئے ہونٹوں سے بار بار یہی کہہ رہا تھا۔ عثمان جسے تم ایک لمبی زندگی سمجھ رہے ہو وہ حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہے۔ پتہ نہیں کیوں آج آصف کو میرا مستقبل برباد ہوتا نظر آ رہا تھا اور آصف نے مجھے آخری بات یہ کہی کہ عثمان وہ پل بھر کی ملاقات میں تم کو عمر بھر کا ستم سونپ کر چلی جائے گی اور اس وقت تک موت کی جن راہوں پر تم چل چکے ہو وہاں سے تمہیں واپس لانا شاید کسی کے بھی بس میں نہیں ہو گا۔ تم اندھیری راتوں میں بھٹکتے ہوئے آنسوؤں کے چراغ جلایا کرو گے اور اسے خبر تک نہ ہو گی۔ آج آصف کی باتیں میرے وجود کو چھلنی چھلنی کر رہی تھیں، اس کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ واقعی میرا مستقبل ایسا ہو گا۔ میں نے کہا۔ یار عروج تو میری زندگی ہے، میں اسے کیسے بھلا سکتا ہوں۔ میں نے سب کچھ اس پر قربان کر دینے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلی بھی جائے گی تو اس کے وعدے اس کی باتیں، اس کی یادیں، اس کی شاعری اس کے خط، اس کے گفٹ میری زندگی کا سرمایہ ہوں گے۔ میرا سہارا ہوں گے۔ میں عروج کو چھوڑ دوں یا اس کو بھول جاؤں ایسا ممکن نہیں ہے۔ اتنے میں ہم بس سٹاپ پر پہنچ چکے تھے۔ ادھر گاڑی بھی آ گئی تھی اور پھر آصف نے اپنی بھیگی ہوئی آنکھوں سے مجھے گلے لگایا اور میں اللہ حافظ کہہ کر گاڑی میں سوار ہو کر اپنی منزل کی جانب محو سفر ہوا۔ میں گاڑی میں بیٹھا دور تک آصف کو دیکھتا رہا، وہ بھی مجھے دیکھ رہا تھا۔ آخر آہستہ آہستہ ہم دونوں ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

شہر پہنچ کر میں نے عروج کو کال کی تو وہ بہت خوش ہوئی۔ دن پہلے کی نسبت اچھے گزرنے لگے اور آہستہ آہستہ فون کالز کا سلسلہ بڑھتا گیا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس وقت میری ماہوار تنخواہ صرف سات ہزار روپے تھی اور میری پورے ماہ کی تنخواہ موبائل فون کالز پر ہی خرچ ہو جاتی تھی۔ اسی طرح وقت کا بے لگام

گھوڑا اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہا۔ ادھر عروج کے سالانہ ایگزامز شروع ہو گئے تو ہم نے کالز کرنے کا سلسلہ بھی کم کر دیا اور میں نے عروج کو تعلیم پر توجہ دینے کی سخت تلقین کی۔ خیر وقت گزرتا رہا ایگزامز ختم ہو گئے رزلٹ بھی آ گیا۔ عروج بہت ہی اچھے نمبروں سے پاس ہو گئی تھی۔ سب سے پہلے عروج نے مجھے پاس ہونے کی خوشخبری سنائی تھی میری باجی بھی نمایاں پوزیشن لے کر کامیاب ہو گئی تھی۔ میں نے مبارکباد دی تو عروج بہت خوش ہوئی۔ پھر ایک دن رات کو میری ڈیوٹی تھی کہ عروج کی کال آ گئی اور وہ رو رہی تھی۔ میں نے کہا۔ عروج میری جان خیریت تو ہے ناں رو کیوں رہی ہو تو اس نے سسکتے ہوئے کہا۔ عثمان امی جی مجھے لینے کے لئے آئی ہوئی ہیں اور میں نے صبح یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلے جانا ہے۔ یہ سننا ہی تھا کہ موبائل میرے ہاتھوں سے گر گیا اور میں خود کو سنبھال نہ پایا اور رو رو کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے لگا کہ اے اللہ وہ لوگ ہماری قسمت میں کیوں آتے ہیں جن سے ہماری قسمت کے ستارے نہیں ملتے جن کو ہم اپنا کہتے ہیں مگر پا نہیں سکتے۔ اے اللہ اب میں کس کو ملنے کے لئے جایا کروں گا۔ وہاں عروج کے لگائے ہوئے گلابوں کو دیکھ کر میں کیسے اسے بھلا پاؤں گا۔ اس طرح تڑپتے سسکتے ہوئے دن چڑھ گیا اور پھر صبح آٹھ بجے عروج کا فون آ گیا۔ کہنے لگی۔ ہیلو عثمان کیسے ہو؟ میں نے کہا۔ تمہاری یادوں کے سہارے پر جی رہا ہوں۔ عروج تمہاری یادیں مجھے بہت تڑپاتی ہیں۔ تمہارے بغیر میں کیسے جی پاؤں گا۔ عثمان میری یادوں کے سہارے پر جی لینا میں تم سے فون پر رابطہ رکھوں گی۔ ہاں میں آج تمہارے گاؤں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جا رہی ہوں۔ یہ گلیاں، یہ راستے، یہ موڑ، یہ کھیت اور میرے لگائے ہوئے گلاب یہ سب کچھ یہاں ہی ہو گا مگر تم اپنی عروج کو یہاں کبھی بھی دیکھ نہ پاؤ گے۔ عثمان میں جانتی ہوں کہ میرے چلے جانے کے بعد تم خود کو نہیں سنبھال پاؤ گے میری جدائی کو برداشت کرنا تمہارے بس میں نہیں ہو گا مگر عثمان قسمت کا لکھا کون ٹال سکتا ہے اس کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔ میرا وجود ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔ میں ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سسک سسک کر رو رہا تھا کہ کاش میں عروج کو جاتے ہوئے آخری بار ایک نظر تو دیکھ لیتا۔ میں نے اسی وقت بیک کال کی اور کہا۔ عروج تم نے کیا کہا تھا۔ عثمان اگر ساری دنیا کا سہارا بھی چھوٹ جائے تو میرے ہوتے ہوئے تم خود کو بے سہارا نہ سمجھنا میں تمہارا سہارا ہوں عثمان۔ مگر اب کچھ بھی نہ رہا تھا وہ جا چکی تھی مگر میرے دل کے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ میرا زندہ رہنا مشکل نظر آ رہا تھا میں زمین پر بیٹھا بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا اور یہی سوچ مجھے پاگل کر رہی تھی کہ میں نے سب کچھ پانے کے بعد سب کچھ کھو دیا ہے آخر میں نے خود کو ایک زخمی پنچھی کی طرح اٹھایا اور کمرے میں جا کر بیڈ پر گر گیا۔ بار بار یہی سوچ کر میرے آنسوؤں کی جھڑی آنکھوں سے بن بادل برسات کی طرح جاری و ساری تھی کہ رکنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی کہ میں کس کے سہارے جیوں گا۔ کون ہو گا جو میرے گرتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھے گا۔ اس طرح شام ہو گئی اور میں نے ہمت کر کے عروج کا نمبر ڈائل کیا تو عروج سے بات ہو گئی۔ کہنے لگی۔ عثمان میں کل سے پھر یونیورسٹی جا رہی ہوں اور سوچ رہی ہوں کہ ساتھ ساتھ میں ٹیچنگ بھی کر لوں۔ ہاں عروج جیسے آپ بہتر سمجھتی ہیں ویسا ہی کر لیں کافی دیر مختلف موضوعات پر بات ہوتی رہی پھر اللہ حافظ کہہ کر فون کو بند کر دیا۔

دوسرے دن پھر میں نے کال کی تو عروج کا نمبر بند تھا۔ کافی کوشش کی مگر موبائل مسلسل بند جا رہا تھا۔ اسی طرح پندرہ دن گزر گئے میری حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی۔ طرح طرح کے خیالوں نے مجھے پاگل کر دیا تھا کہ آخر کیا وجہ ہے عروج کا نمبر کیوں بند ہے۔ بیس دن کے بعد مجھے دوپہر ایک بجے کے قریب ایک اجنبی سے نمبر سے کال آئی۔ میں نے کال



ریسیو کی تو عروج بول رہی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ سوری عثمان میری جان مجھے پتہ ہے کہ آپ بہت پریشان ہوئے ہوں گے کہ میرا موبائل بند کیوں تھا موبائل خراب ہو گیا ہے یہ نمبر میری دوست رمشا کا ہے تم جب چاہو دو بجے تک اس نمبر پر بات کر سکتے ہو۔ اس طرح کافی عرصہ تک میں رمشا کے نمبر پر بات کرتا رہا۔ رمشا بہت ہی اچھی لڑکی تھی۔ ایک دن میں نے رمشا سے کہا۔ رمشا باجی کیا میں ایک بات پوچھ سکتا ہوں۔ ہاں بھائی کیوں نہیں پوچھو۔ میں نے کہا کہ میرا بار بار کال کرنا آپ کو برا تو نہیں لگتا۔ کہنے لگی نہیں عثمان بھائی ایسی کوئی بات نہیں ہے یہ تو میرا فرض ہے۔ مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ آپ دونوں ایک ہو جائیں اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ عثمان بھائی عروج تم کو بہت چاہتی ہے وہ مجھ سے سارا دن آپ کی ہی باتیں کرتی رہتی ہے۔ بھائی تم اسے کبھی تنہا نہ چھوڑنا، کبھی اس کا دل نہ توڑنا ورنہ وہ آپ کی جدائی میں سسک سسک کر اپنی جان دے دے گی۔ میں نے کہا۔ رمشا باجی یہ زمانے والے لاکھ دیواریں بھی ہماری راہ میں کھڑی کر دیں ہم مل کر ان کو گرا دیں گے۔ ہم ہر مشکل کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ ظالم سماج سے ٹکرانے کا ہم نے عہد کیا ہے دنیا کی کوئی طاقت بھی ہماری محبت میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتی۔ پھر رمشا کہنے لگی۔ عثمان بھائی میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو بہت سی خوشیاں نصیب کرے۔ اسی طرح ہنسی خوشی وقت گزرتا رہا اور پھر چند ہی دنوں میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بڑی خوشی دی وہ یہ تھی کہ میں گوجرانوالہ ٹرانسفر ہو گیا تھا۔ میں نے جلدی سے یہ خوشخبری عروج کو سنائی تو وہ بہت خوش ہوئی کہنے لگی۔ عثمان جان اب تو ہم روز ہی مل لیا کریں گے کیونکہ گوجرانوالہ سے شکر گڑھ کا سفر صرف دو گھنٹے کا ہے۔ گوجرانوالہ آتے ہی مجھے چھ دن کی چھٹی مل گئی۔ دوسرے دن میں نے تنخواہ لی اور گھر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ رمشا کو میں نے فون کر کے کہہ دیا تھا کہ وہ عروج کو بھی بتا دے کہ کل بارہ بجے میں یونیورسٹی آؤں گا۔

اگلے دن میں نے شکر گڑھ پہنچ کر عروج کے لئے ایک موبائل لیا اور ایک خوبصورت سی ڈائری بھی لی۔ دونوں کو گفٹ پیک کیا اور مقررہ وقت پر میں یونیورسٹی کے گیٹ پر پہنچ گیا۔ جونہی عروج نے مجھے دیکھا تو بغیر کسی کی پرواہ کئے ہوئے وہ بھاگتی ہوئی آئی اور بولی۔ عثمان جی واپس کب جانا ہے۔ میں نے کہا۔ عروج میری جان پلیز واپسی کا نہ پوچھا کرو سمجھ لو کہ اب جدائی کے دن ختم ہو گئے ہیں۔ پھر میں نے عروج کو گفٹ دیا اور کہا۔ عروج یہ ایک موبائل ہے اور دوسری ایک ڈائری ہے۔ ڈائری میری امانت ہے اسے تم نے اپنے ہاتھوں سے لکھنا ہے، مکمل کر کے مجھے واپس دینا ہے اور موبائل میں ابھی اپنی سم لگاؤ تاکہ ہم جی بھر کر باتیں بھی کر لیا کریں۔ ابھی ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ کمرے میں ایک لڑکی داخل ہوئی اور بولی۔ واہ بھئی واہ بڑی چھپ چھپ کر باتیں ہو رہی ہیں۔ میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عروج کے منہ سے بے ساختہ ہی یہ الفاظ نکل گئے۔ ہائے رمشا آپ یہاں آپ کو کیسے پتہ چلا کہ ہم یہاں ہیں۔ میری رمشا سے بات تو روزانہ ہی ہوتی تھی مگر آج میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ پہلی ہی نظر میں مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ رمشا اپنے نام کی طرح واقعی بہت خوبصورت ہے اور ساتھ ہی وہ بہت خوب سیرت بھی ہے جو بہت ہی سادہ سی، شرمیلی سی اور نازک سی رمشا واقعی ایسے خوبصورت لوگ دنیا میں بہت کم ملتے ہیں۔ پھر وہ بھی ہمارے پاس بیٹھ گئی اور پھر ہم تینوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر رمشا نے کہا۔ دیکھو عروج دنیا میں عثمان جیسے اچھے دوست بہت مشکل سے ملتے ہیں بہت خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جن کو سچا پیار ملتا ہے پھر رمشا نے میرا اور عروج کا ہاتھ پکڑ کر ایک دوسرے کے ہاتھوں میں تھما دیا اور کہا۔ زندگی بھر ان ہاتھوں کو جدا نہ کرنا ایسے ہی مل کر رہنا کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

وقت کا پنچھی محو پرواز رہا ہم ایک دوسرے سے ملتے رہے اور اسی طرح چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا پھر اچانک عروج کی جانب سے موبائل پر رابطہ کم ہونا شروع ہو گیا میں اکثر رابطہ کرنے کی کوشش کرتا تو نمبر بند ہوتا تھا اگر کبھی نمبر مل بھی جاتا تو عروج کہہ دیتی۔ عثمان آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے سر درد ہے کل بات کرلیں گے۔ ان دنوں میں عروج کے رویے کو کچھ بدلہ بدلہ سا محسوس کر رہا تھا۔ ایک دن رات کو میری ڈیوٹی تھی رات دو بجے سے لے کر صبح چار بجے تک دو گھنٹے میں نے حسب عادت عروج کا نمبر ٹرائی کیا۔ وہ مسلسل بزی تھا پھر وہ موبائل بند کر کے سو گئی میرے ذہن میں طرح طرح کے خیال آ رہے تھے۔ صبح میں نے پھر کوشش کی تو عروج نے کال او کے کر ہی لی۔ میں نے کہا۔ عروج رات کو نمبر کہاں بزی تھا مسلسل دو گھنٹے۔ عروج کہنے لگی۔ دراصل عثمان جی میری بڑی باجی کا نمبر جاز کا ہے، وہ اسلام آباد میں رہتی ہیں۔ ان کے شوہر ہمارے پاس آئے ہوئے ہیں وہ باجی سے بات کر رہے تھے میرے نمبر سے۔ عروج کی کیا رات کو دو بجے بات کرنا ضروری تھا۔ دیکھو عثمان میرا ایک ہی بھائی جواب اس دنیا میں نہیں ہے میں اس کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میرے دل میں تمہارے علاوہ کسی اور کے لئے ذرہ بھر بھی محبت نہیں ہے تم میری جان ہو عثمان اور ساتھ ہی سسک کر رو دی۔ عروج نے جب اپنے مرحوم بھائی کی قسم کھائی جواب اس دنیا میں نہیں تھا تو میری آنکھیں بھی پرنم ہو گئیں۔ میں نے کہا عروج پلیز مجھے معاف کر دینا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ عروج کہنے لگی۔ عثمان مجھے شک کی نظر سے دیکھ کر میرے دل کو ٹھیس نہ لگانا ورنہ میں جیتے جی مر جاؤں گی۔ خیر رات کو میں نے پھر عروج کا نمبر ٹرائی کیا مگر پھر نمبر بزی تھا۔ ساری رات میں نے نمبر ٹرائی کیا مگر بے سود۔ صبح میں نے رمشا کے نمبر پر ٹرائی کیا کہ چلو اس سے پتہ کرتا ہوں کہ عروج مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہی آخر وجہ کیا ہے۔ بیل جانے کے بعد رمشا کی چھوٹی بہن یاسمین نے کال ریسیو کی تو میں نے کہا رمشا باجی سے بات ہو سکتی ہے تو وہ بولی۔ بھائی جان رمشا بی ایڈ کرنے کے لئے فیصل آباد چلی گئی ہے اب وہ وہاں ہی ماموں جی کے پاس رہے گی۔ میں نے پوچھا واپس کب آنا ہے تو وہ بولی کہ دو سال کے بعد اور فون بند ہو گیا۔ اس طرح دو سال تک میرا رمشا سے رابطہ نہ ہو سکا۔

یہ بائیس مارچ کی رات تھی جب میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر عروج نے میرے ساتھ بے وفائی کی تو میں خود کو ختم کر لوں گا۔ مجھے اسی پریشانی کی وجہ سے نیند بھی نہ آ رہی تھی۔ میں نے نشے کی چار گولیاں کھا لیں اور سو گیا۔ رات بارہ بجے کا سویا ہوا اگلے دن شام کو سات بجے ہوش آیا۔ اسی طرح پریشانی کے عالم میں وقت کا پنچھی اجنبی منزل کی جانب محو پرواز رہا۔ میں مسلسل عروج کا نمبر ٹرائی کرتا رہا مگر ہر بار ناکام ہی رہا۔ بیس دن کے بعد اچانک ایک دن مجھے عروج نے کال کی اور کہا۔ عثمان میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو مگر تمہیں کیا خبر کہ میں کس مصیبت میں مبتلا تھی۔ دراصل عثمان میرا پرس اور موبائل چوری ہو گیا ہے۔ کسی نے آفس سے ہی چرا لیا ہے میری سم بھی وہی استعمال کر رہا تھا اور ساتھ تیس ہزار روپے بھی تھے جو کہ بچوں کی فیس تھی۔ وہ بھی ساتھ ہی گم ہوا ہے۔ میرے ذہن میں ایک عجیب سی جنگ لگی ہوئی تھی کہ بیس دن پہلے چوری ہوئی اور تم مجھے آج بتا رہی ہو۔ عروج دیکھو موبائل چوری کرنے والے نے آخر آپ ہی کی سم کیوں استعمال کی وہ بھی صرف رات ہی کو وہ کیوں استعمال کرتا تھا۔ میں پاگل ہو چکا تھا مجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہوں۔ وہ رو رو کر مجھے بتا رہی تھی اور میں اسے روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے اس کو تسلی دی حوصلہ دیا اور کہا۔ عروج میری جان تم پریشان کیوں ہوتی ہو ہم دونوں مل کر اس کا کوئی حل نکال ہی لیں گے۔ عروج نے کہا۔ عثمان اگر تیس ہزار کا بندوبست چار ماہ میں نہ ہوا تو وہ مجھے یونیورسٹی سے نکال دیں گے۔ میں نے اس کو تسلی دی کہ تم فکر نہ کرو۔ میں ساری رات سوچتا رہا کہ کیا کروں۔ چوری کروں ڈاکہ ڈالوں یا پھر کسی کو جان سے مار دوں۔ آخر کیسے تیس ہزار کا بندوبست ہو گا، کہاں سے لاؤں گا میں۔ یہاں پر مجھے قتیل شفائی کی ایک غزل یاد آ رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

ادا سیاں جو نہ لاتے تو اور کیا کرتے
نہ جشن شولہ مناتے تو اور کیا کرتے
اندھیرا مانگنے آیا تھا روشنی کی بھیک
ہم اپنا گھر نہ جلاتے تو اور کیا کرتے

اور آخر کار میں نے اپنے بھائی بہنوں اور بوڑھے ماں باپ کا گلہ گھونٹ دیا اور انہیں یہی خبر سنا دی کہ میں بیمار ہو چکا ہوں اور میں پانچ ماہ تک آپ کو پیسے نہیں بھیج سکوں گا اور ساتھ ہی میں نے اپنا نمبر بھی تبدیل کر لیا۔ نیا نمبر میں نے عروج کو تو دے دیا تھا مگر گھر والوں کو نہ دیا۔ ایک ماہ کے بعد گھر سے خط آیا جو میری چھوٹی بہن نے لکھا ہوا تھا۔ جو سب سے چھوٹی تھی اور ہماری بہت ہی لاڈلی اور پیاری بہن تھی۔ وہ لوگ کس قدر ٹوٹ چکے تھے۔ اس بات کا اندازہ خط کے ان الفاظ سے بخوبی لگایا جا سکتا تھا جو آنسوؤں سے بھیگ کر پڑھے بھی نہیں جا رہے تھے۔ لکھا تھا۔

عثمان بھائی تم کیسے ہو گھر کیوں نہیں آتے ہو تمہاری صحت اور تمہاری طبیعت کیسی ہے تم ہم سے بات کیوں نہیں کرتے پلیز بھیا ہمارا قصور تو بتا دو کہ تم ہم سے کیوں خفا ہو چکے ہو تم نے جیتے جی ہی ہم کو بھلا دیا ہے بھائی۔ تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں تو ہمیں بتاؤ ہم قرض اٹھا کر تم کو بھیج دیتے ہیں مگر بھائی پلیز تم ہم سے رابطہ تو رکھو۔

اس طرح گھر سے کئی خط آئے مگر میں نے دل پر پتھر رکھ کر اسی ایک کا بھی جواب نہ دیا۔ پر ایک دن میں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر گھر فون کیا تو میرے چھوٹے بھائی نے کال ریسیو کی۔ بھائی کہنے لگا۔ عثمان بھائی تم کیا چاہتے ہو یہی کہ تمہاری جدائی میں ہمارے بوڑھے ماں باپ مر جائیں تو پھر تم ان کا منہ دیکھنے کے لئے آؤ گے۔ وہ کون سی بیماری ہے جو تمہیں گھر نہیں آنے دیتی۔ آخر وجہ کیا ہے؟ سب بہن بھائی رو رو کر بات کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ امی جی سے بات کراؤ مگر انہوں نے بات کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ آخر میں نے فیصلہ کر ہی لیا کہ کل ہر صورت میں چھٹی لے کر چلا جاؤں گا۔ اگلی صبح دن بارہ بجے چھٹی لی اور گھر آ گیا۔ ابھی گھر کے باہر والے دروازے پر ہی تھا کہ گھر کی حالت دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ کوئی برتن ادھر پڑا ہوا تھا کوئی ادھر گھر کی ہر شے بکھری پڑی تھی پودے بھی کیاریوں میں سوکھ چکے تھے۔ ایک کمرے کی چھت بھی گر گئی تھی۔ دیواروں پر چمگادڑوں نے گھر بنائے ہوئے تھے۔ سب کے کپڑے پرانے ہو چکے تھے۔ میرے قدم جہاں تھے وہاں ہی رک چکے تھے اتنی ہمت نہ تھی آگے چل سکوں۔ سکول کی فیس نہ دینے کی وجہ سے میری بہن نے سکول جانا چھوڑ دیا تھا۔ میں سب کو ملا اور کمرے میں چلا گیا۔ سب کے ہونٹ سلے ہوئے تھے مگر اداس نظریں بہت سے سوال کر رہی تھیں۔ میں خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا اور پھر کمرے میں ہی سو گیا۔ کافی دیر سونے کے بعد امی جی کی آواز میرے کان میں پڑی کہہ رہی تھیں کہ پیسے لے کر آیا ہے چلو ان سے قرضہ تو اترے گا گھر کا نظام چلے گا۔ عید بھی آ رہی ہے کپڑے لے کر دوں گی یا کچھ اور کروں گی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا مگر میری جیب میں تو واپسی کا کرایہ بھی نہیں تھا۔ میں اٹھا موبائل چارجنگ پر لگایا اور باہر کی طرف نکل گیا۔ میری غیر موجودگی میں عروج نے میرے نمبر پر ایک میسج سینڈ کر دیا جو کہ کچھ یوں تھا — ”عثمان میں جانتی ہوں کہ تم نے میری خاطر بہت سی قربانیاں دی ہیں اور بہت مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ آج میں بہت خوش ہوں کیونکہ آپ نے میرا سارا قرض اتار دیا ہے مگر تم فکر نہ کرنا میں بہت جلد تمہیں تیس ہزار روپے واپس لوٹا دوں گی“ — یہ میسج میری غیر موجودگی میں میری بہن نے پڑھ لیا جو کہ عروج کی

کلاس فیلو تھی۔ شام چار بجے کے قریب میں گھر واپس آیا تو قیامت برپا ہوگئی۔ مجھ پر بے غیرت، ذلیل کمینہ، کم ظرف پتہ نہیں کن کن تیروں کی بوچھاڑ ہوئی اور آخرکار مجھے دھکے مار مار کر گھر سے نکال دیا۔ اس وقت شام کی اذانیں ہو رہی تھیں اور میں نے روتے ہوئے گھر کی دہلیز کو چھوڑا اور واپس اپنی ڈیوٹی پر آ گیا۔

اسی طرح وقت گزرتا رہا اور میں کبھی کبھار ہمسایوں کے گھر فون کر کے گھر والوں کی خیریت پوچھ لیا کرتا تھا۔ کئی بار میں نے بات کرنے کی بھی کوشش کی مگر بات نہ ہو سکی وہ لوگ مجھ سے بات کرنے کو تیار ہی نہ تھے۔ آخرکار ماں باپ کا دل پتھر کا نہیں ہوتا ماں کا دل بہت نرم ہوتا ہے ماں تو ایک ٹھنڈی چھاؤں ہوتی ہے ماں تو پیار کا گہوارہ ہوتی ہے ماں آخر ماں ہی ہوتی ہے باپ کا سایہ ایک سائبان ہوتا ہے وہ لوگ اندر سے ٹوٹ چکے تھے ان کو میرے سہارے کی ضرورت تھی۔ دو ماہ ہی گزرے ہوں گے کہ گھر سے فون آ گیا میں نے سب سے بات کی آخر میری ماں نے کہا۔ عثمان بیٹے کب آنا ہے میری آنکھوں سے اشک بہہ رہے تھے کاش یہ لوگ میری مجبوری کو سمجھ پائیں۔ میں نے کہا۔ امی جی دو تین دن تک ضرور آ جاؤں گا۔ پھر میں دو دن کے بعد ہی چلا گیا۔ سب گھر والے بڑے پرخلوص طریقے سے ملے۔ میری ماں نے جب مجھے گلے لگایا تو میں پھوٹ پھوٹ کر رو دیا آنسو میری ماں کے چہرے پر بھی بہہ رہے تھے وہ بھی مجھے سینے سے لگا کر بہت روئی تھی اور بار بار پیار سے میرے بالوں میں اور میرے چہرے پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ میرا منہ چوم رہی تھی۔ ماں کے سینے سے لگ کر مجھے بڑا سکون ملتا تھا۔ ادھر عروج سے اب چھپ چھپا کر ہی بات ہوا کرتی تھی۔ ایک دن مجھے بخار ہو گیا تو میں دوائی لینے کے لئے شکرگڑھ آیا تو اچانک عروج سے ملاقات ہو گئی تو وہ پوچھنے لگی۔ عثمان کیسے آنا ہوا شہر میں خیریت تو ہے ناں۔ ہاں عروج مجھے کل سے بخار ہے میں دوائی لینے کے لئے آیا ہوں۔ پھر وہ مجھے اپنے ساتھ ہی ایک ہوٹل پر لے گئی وہاں کھانے کا آرڈر دے دیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ آئس کریم لے آئی۔ کہنے لگی۔ عثمان میری جان میں نے ایک خاص بات کرنی ہے۔ عروج تم ایک کیا ہزار باتیں کرو میں تو اپنی جان کی بات سننے کو ترس گیا ہوں۔ پھر کہنے لگی۔ عثمان اب تم ایسا کرو اور یہ میرے دل کی خواہش بھی ہے میں چاہتی ہوں کہ تم اپنے گھر والوں کو ہمارے گھر میرے رشتے کے لئے بھیج ہی دو اب مجھ سے زیادہ انتظار نہیں ہوتا۔ جب یہ بات میں نے عروج کی زبانی سنی تو میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا اور میں نے عروج سے کہا۔ عروج واقعی یہ تم کہہ رہی ہو۔ ہاں عثمان میں ہی کہہ رہی ہوں اور ہوش و حواس سے کہہ رہی ہوں۔ کیا کوئی شک ہے؟ نہیں عروج مجھے تم پر شک کیسے ہو سکتا ہے۔ میں آج ہی گھر جا کر بات کروں گا تو پھر عروج کہنے لگی عثمان میری چھوٹی سی ایک خواہش ہے اگر پہلے وہ پوری کر دو تو نے جلدی سے کہا۔ میری جان بتاؤ میں اپنی جان کی ایک خواہش کیا ہزار خواہشیں پوری کرنے کے لئے تیار ہوں۔ عروج کہنے لگی۔ عثمان مجھے ایک سونے کا لاکٹ اور چین جس پر تمہارا نام لکھا ہو وہ پہناؤ۔ میں نے کچھ سوچ کر ہاں کر دی تو وہ بہت خوش ہوئی۔ مگر مجھے ماضی یاد آ رہا تھا کہ میں نے کتنے ستم سہہ کر اس کے لئے تیس ہزار روپے کا بندوبست کیا تھا اور اب اس نے مجھے لاکٹ اور چین کا کہہ دیا ہے گھر آیا تو بخار بہت تیز ہو چکا تھا اور میں بے ہوشی کی حالت میں چارپائی پر پڑا ہوا تھا۔ میرا سارا جسم پسینے میں شرابور تھا میں ساری رات سوچتا رہا کہ اس کو میرا احساس کیوں نہیں ہے ایک ہی خیال ایک ہی سوچ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی کہ عروج تم تو میرے حالات سے بخوبی واقف ہو سب کچھ جانتے ہوئے بھی مجھے کیوں مزید امتحان میں ڈال رہی ہو۔ ایسا امتحان جس کو پورا کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

انہی سوچوں میں دن گزرتے گئے اور عروج نے بھی تین چار دن تک مجھے فون نہ کیا۔ میری چھٹی ختم ہو



گئی اور میں واپس اپنی ڈیوٹی پر چلا آیا۔ پھر ایک دن عروج کا فون آ گیا کہنے لگی۔ عثمان کیا لاکٹ اور چین بن گئی ہے یا نہیں، مجھے دس دن کے اندر ضرور چاہیے پلیز جلدی کرو عثمان۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا۔ عروج وہ چالیس ہزار کی بن رہی ہے جو میرے پاس نہیں ہیں۔ پلیز عروج سمجھنے کی کوشش کرو، میں مجبور ہوں۔ اسی طرح بار بار فون کر کے عروج مجھے مجبور کرتی رہی اور ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ پھر ایک رات کو میں ڈیوٹی پر تھا کہ رات کے تین بجے عروج کا فون آ گیا۔ میں نے جلدی سے کال ریسیو کی تو بولی۔ عثمان اگر ایک ہفتے کے اندر لاکٹ اور چین کا بندوبست ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ اپنے گھر والوں کو ہمارے گھر آنے کی زحمت نہ دینا نہیں تو سوائے انکار کے اور کچھ نہیں ملے گا۔ اور فون بند کر دیا۔ میں نے کہا۔ میری جان تم فکر نہ کرو میں پوری کوشش کر رہا ہوں میں بہت لد اپنے ہاتھوں سے اپنی جان کے گلے میں ڈالوں گا تو عروج خوش ہو کر کہنے لگی۔ سچ عثمان۔ ہاں میری جان۔ پھر میں نے اپنا خون بیچ کر کچھ اپنی تنخواہ اور کچھ دوستوں سے لے کر میں نے آخرکار اپنے نام کا لاکٹ اور چین بنوا کر رکھ ہی لیا۔ ایک رات تک میں سویا ہوا تھا کہ میرے ساتھ والے ایک سپاہی جوان نے مجھے کہا۔ عثمان بھائی جلدی اٹھو کام بہت خراب ہو گیا ہے۔ میں جلدی سے اٹھا اور پوچھا کیا ہوا ہے تو وہ کہنے لگا۔ کشمیر میں زلزلہ آ گیا ہے، وہاں پر بہت زیادہ تباہی ہوئی ہے۔ ابھی ابھی ہیڈ کوارٹر سے فون آیا ہے ہماری پوری کی پوری ٹیم راتوں رات ہی راولاکوٹ جائے گی۔ سب لوگ تیار تھے میں بھی جلدی سے تیار ہوا اور کچھ ضروری سامان لے کر گاڑی سٹارٹ کر کے اٹھائیس ساتھیوں سمیت دو دن کا سفر طے کرنے کے بعد ہم کشمیر پہنچ گئے۔

راولاکوٹ ہم رات دو بجے پہنچے تو دیکھا وہاں کی تو دنیا ہی اجڑ چکی تھی میں یہ حالات دیکھ کر عروج کو بالکل بھول ہی گیا تھا کیوں کہ یہاں میرے مسلمان بہن بھائیوں کے جسم کٹ چکے تھے لاشیں اٹھا اٹھا کر میرا دماغ سن ہو چکا تھا۔ کسی کا بازو نہیں تھا تو کسی کی ٹانگ نہیں تھی۔ کوئی چھت کے نیچے دبا ہوا آوازیں دے رہا تھا۔ مگر کیا کرتے کیسے نکالتے کہیں پورے پورے خاندان مر چکے تھے کہیں ان کو دفنانے والا ایک ہی انسان بچا تھا۔ معصوم بچے ماؤں کے ساتھ لپٹے ہوئے مر چکے تھے۔ لاشوں اور زخمیوں کو اٹھا اٹھا کر میرا جسم بے جان ہو چکا تھا۔ ایک دن میں اور میرے تین ساتھیوں نے ایک موبائل کمپنی کے بوسٹر کو اپنے سرکاری جنریٹر سے پاور سپلائی دی تا کہ رابطہ بحال ہو سکے۔ اس دن شام کو عروج کا فون آ گیا۔ میں نے اس کو ادھر کے حالات بتانا چاہے تو اس نے میری ایک نہ سنی اور بولی۔ عثمان لاکٹ اور چین بن گئی ہے کیا یا نہیں؟ میں نے کہا کہ بن گئی ہے کشمیر میں زلزلہ ڈیوٹی میں بہت مصروف ہوں جونہی ادھر سے فارغ ہوں گا تو آ کر اپنی جان کے گلے میں ڈال دوں گا۔ سچ عثمان ہاں میری جان بالکل سچ ہے۔ عروج بہت خوش ہوئی تھی مگر تفصیل سے بات کرنا ممکن نہ تھا اور فون بند ہو گیا۔ رات کو مجھے سخت بخار ہو گیا اور میں نڈھال ہو کر اپنے کیمپ میں آ گیا کیمپ میں ہم نے زخمیوں اور زندہ بچ جانے والے لوگوں کو بچوں کو اور جوان بچیوں کو پناہ دے رکھی تھی میں خود بیمار ہو چکا تھا جسم بے جان ہو چکا تھا۔ رنگ بھی پیلا زرد ہو چکا تھا اس کے باوجود بھی میں نے اپنا خیال نہ کیا اور تمام زخمیوں کے لئے ادویات اور خوراک کا بندوبست کرتا رہا ہم نے ایک ماہ ادھر رہنا تھا مگر میری صحت دن بدن مزید خراب ہوتی جا رہی تھی۔ ایک ہفتے کے بعد میرے ایک سینئر آفیسر نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو بولا۔ عثمان بیٹا میں نہیں چاہتا کہ تم مزید یہاں رکو تمہاری صحت بہت خراب ہو چکی ہے میں چاہتا ہوں کہ تم واپس گوجرانوالہ چلے جاؤ۔ بیٹا میرا تم سے وعدہ ہے کہ ان لوگوں کی خدمت کے لئے تم جب چاہو گے میں تمہیں دوبارہ بلا لوں گا۔ دوسرے دن مجھے بذریعہ ہیلی کاپٹر راولاکوٹ کشمیر سے گوجرانوالہ پہنچا دیا گیا۔

رات کو میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں کشمیر کی تباہی کے تمام مناظر ایک فلم کی طرح میرے ذہن کی سکرین پر چل رہے تھے۔ ایک لڑکی سسکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ بھائی جان زلزلے میں میری باجی، میرے بھائی، میرے ابو، میرے چچا سب لوگ مر چکے ہیں، امی جی بھی ایک دیوار کے نیچے دبی ہوئی آخری ہچکیاں لے رہی ہے اور میرا بازو کٹ چکا ہے میں آرمی کے ایک امدادی کیمپ میں زیر علاج ہوں پلیز ان لوگوں کو نکالو اور ساتھ ہی وہ زور زور سے رونے لگی تو میری آنکھ کھل گئی۔ میں ایک دیوار کے ساتھ لگ کر رونے لگا۔ میری حالت پاگلوں کی طرح ہو چکی تھی یہ ایک خواب نہیں بلکہ حقیقت تھی جو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا مگر میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ پتہ نہیں اس تباہی میں کتنے لوگ اپنے پیاروں سے بچھڑ گئے، کتنے لوگ لاپتہ اور بے سہارا ہو گئے تھے، معذور ہو گئے تھے، کتنے بچے یتیم ہو گئے، کتنے والدین سے بچھڑ گئے، کتنی مائیں اپنے لخت جگروں کی لاشیں اٹھائے بین کر رہی تھیں، کتنی بہنیں اپنے بھائیوں کو پکار رہی تھیں۔ یہ ایک قیامت کا منظر تھا میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی ناگہانی قیامت خیز گھڑی سے ہر مسلمان کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

صبح مجھے تین دن کی چھٹی مل گئی میں نے عروج کو فون کر کے آنے کی اطلاع دے دی اور پروگرام ترتیب دے دیا گیا اور شکر گڑھ ہوٹل میں ملنے کا وقت طے ہو گیا۔ ہم دونوں اپنے مقررہ وقت پر ہوٹل پہنچ چکے تھے۔ ہم نے مل کر چائے پی اور مختلف موضوعات پر باتیں بھی ہوتی رہیں۔ پھر عروج کہنے لگی۔ عثمان کہاں ہے میرا لاکٹ اور چین میں نے جلدی سے جیب سے نکال کر عروج کے ہاتھوں میں تھما دیا اور کہا کہ پہن کر دکھاؤ کہ کیسا لگتا ہے۔ تو کہنے لگی۔ زین تم خود ہی میرے گلے میں ڈال دو۔ میں نے کہا۔ عروج یہ زین کون ہے جس کا نام تم نے ابھی لیا ہے۔ کہنے لگی۔ عثمان کوئی......

کوئی...... کوئی نہیں ابھی تو نہیں بس ویسے ہی میرے منہ سے نکل گیا ہے۔ عروج کے منہ سے کسی زین نامی شخص کا نام سن کر مجھے ایسے لگا جیسے عروج نے میرے سینے میں چھرا گھونپ دیا ہو۔ وہ بہت پریشان ہو چکی تھی۔ اتنے میں ویٹر کھانا لے کر آ گیا اور عروج کہنے لگی۔ عثمان پلیز کھانا کھاؤ مگر میں رو رہا تھا کہ عروج خدا کے لئے بتاؤ یہ زین کون ہے۔ میں نے روج کی بہت زیادہ منتیں کیں اور کہا عروج تم مجھے دیکھ کر ساری دنیا کو بھول جایا کرتی تھی اور آج میں تمہارے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں اور تم کو مجھ میں کوئی زین کیسے نظر آ گیا ہے۔ میں وہاں سے اپنا مردہ جسم لے کر واپس چل پڑا۔ عروج مجھے آوازیں دیتی رہی مگر میں نے اس کی ایک بھی نہ سنی اور ایک نہ ختم ہونے والا درد میرے سینے میں اٹھ چکا تھا۔ عروج نے مجھے ایک ایسا زخم دیا تھا کہ میں موت سے پہلے ہی مر چکا تھا۔ میری حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ میں دنیا و جہان سے بے خبر ہو چکا تھا مجھے کچھ ہوش نہ تھا راستے میں گر کر میرے ماتھے پر چوٹ لگنے سے خون بہہ رہا تھا۔ میں اس حالت میں اپنے دوست آصف کے گھر میں چلا گیا اس وقت وہ کھانا کھا رہا تھا۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر وہ تڑپ اٹھا اور اس کے ہوش اڑ گئے اور پریشان ہو کر بولا۔ عثمان یہ کیا ہوا ہے تمہیں کس نے مارا ہے کس نے یہ زخم دیئے ہیں۔ میں نے کہا عروج نے۔ میں نے ساری بات آصف کو تفصیل سے بتا دی تو آصف نے کہا کہ ہو سکتا ہے انجانے میں غلطی سے اس کے منہ سے نکل گیا ہو زین کا نام۔ میں نے کہا۔ آصف بھائی میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ کئی گھنٹے تک عروج کا نمبر بزی رہتا ہے ضرور کوئی بات ہے۔ یہ سنتے ہی آصف غصے میں آ گیا اور بولا۔ عثمان تم نے کبھی بھی میری کوئی بات مانی ہے میں تمہیں کہتا رہا ہوں کہ یہ لڑکی ٹھیک نہیں ہے مگر تم نے میری ایک نہ سنی۔ میں نے تمہارے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ میں نے تم کو زخمی حالت میں بے ہوشی کے عالم میں نشے کی حالت میں بھی سمجھایا تھا مگر تم اس کے پیچھے بھاگتے رہے۔ عثمان کاش تم نے میری ایک بھی بات پر عمل کر لیا ہوتا تو آج تمہیں یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ اسی طرح میں آصف کی جلی بھنی باتیں سن کر واپس گھر آ گیا اور سو گیا۔

عروج مجھے بار بار فون کر رہی تھی مگر میں نے اس کی کال ریسیو نہ کی۔ اسی طرح دو ماہ تک میں نے عروج سے کوئی رابطہ نہ کیا۔ ایک دن میں نے چاول کی فصل کو پانی دینے کے لئے ٹیوب ویل چلایا ہوا تھا اور ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر عروج کا نمبر ٹرائی کرنے لگا مگر وہ مل نہیں رہا تھا۔ اتنے میں ہمارے ہی گاؤں کا ایک لڑکا جس کا نام ظہیر تھا ٹیوب ویل پر نہانے کے لئے آ گیا وہ میرے پاس بیٹھ گیا اور ہم گپ شپ لگاتے رہے۔ اس دوران بھی میں نے عروج کا نمبر ٹرائی کیا مگر جواب موصول نہیں ہو رہا تھا پھر میں نے موبائل چارپائی پر ہی رکھ دیا اور پانی کا رخ دوسرے کھیت کی جانب موڑنے کے لئے چلا گیا۔ جب واپس آیا تو ظہیر میرے موبائل سے وہ نمبر دیکھ چکا تھا پھر کہنے لگا۔ عثمان بھائی ایک بات پوچھوں۔ میں نے کہا ہاں کیوں نہیں پوچھو یار۔ تو وہ بولا۔ یہ نمبر کس کا ہے؟ میں نے جھوٹ بولا اور کہا کہ یہ نمبر میری کزن کا ہے تو وہ مسکرا پڑا اور بولا۔ یار عثمان جھوٹ مت بولو میں اس لڑکی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں نے کہا بتاؤ یہ کون ہے۔ کہنے لگا ضرور بتاؤں گا پہلے تم بتاؤ کہ اس کے ساتھ تمہارے کیا تعلقات ہیں۔ میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ بس وہ مجھے اچھی لگتی ہے پھر ظہیر کہنے لگا عثمان بھائی کہیں اس کی محبت کے چکروں میں نہ پھنس جانا یہ بہت چالاک لڑکی ہے اور بہت بدنام ہے۔ اگر تم برا نہ مانو تو میں اس کے بارے میں کچھ بتاؤں۔ میں نے کہا۔ ہاں یار کیوں نہیں ضرور بتاؤ۔ تو ظہیر کہنے لگا۔ اس کا نام عروج ہے اور یہ شکر گڑھ گرلز سکول میں ٹیچر لگی ہوئی ہے اور سکول کے وائس پرنسپل کے ساتھ اس کے بہت ہی غلط قسم کے تعلقات ہیں اس پرنسپل کا نام زین ہے اور میں پچھلے چھ ماہ سے اس سکول میں پڑھ رہا ہوں۔ شکر گڑھ سے روز آنا جانا بہت مشکل ہے۔ اس لئے میں رات کو پرنسپل کے کمرے میں ہی سوتا ہوں۔ زین ساری ساری رات اس سے باتیں کرتا ہے اور اس نمبر پر ایزی لوڈ بھی کرواتا ہے۔ اس طرح سے میں اس نمبر سے اچھی طرح واقف ہوں۔ عثمان بھائی کوئی پانچ ماہ پہلے کی بات ہے کہ زین نے ایک دفعہ چھٹیوں کے دوران اس لڑکی کے گھر بھی بھیجا تھا کہ جاؤ اور اس سے تیس ہزار روپے لے کر آؤ جو میں لے کر آیا تھا اور اس میں سے زین نے دو ہزار روپیہ مجھے بھی دیا تھا اور کہا تھا کہ کسی کو بتانا نہیں ہے یہ ابھی چند دن پہلے کی بات ہے۔ زین لاہور گیا ہوا تھا تو عروج ایک شام کو اسے ملنے کے لئے آئی تھی مگر وہ یہاں نہیں تھا کمرے میں میں اکیلا ہی تھا اور وہ پہلے ہی میری واقف تھی اس نے مجھے ایک پیکٹ دیا تھا جس میں ایک لاکٹ اور چین جو کہ سونے کا تھا دیا تھا اور کہا تھا کہ یہ زین کو دے دینا۔ اس طرح چار دن کے بعد وہ واپس آیا تو وہ پیکٹ میں نے اسی زین کو دیا تھا۔ وہ گوجرانوالہ کی کسی دکان سے خریدا گیا تھا کیونکہ اس ڈبی پر گوجرانوالہ کا پتہ اور فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ ظہیر کی باتیں سن کر میں سسک سسک کر رو رہا تھا۔ میری دنیا اجڑ چکی تھی میرے سبھی سہارے ٹوٹ چکے تھے۔ عروج میں نے تمہاری خاطر کیا کچھ نہیں اور تم نے مجھے کیسے برباد کیا۔ عروج تو محبت کی ایک ایک بوند کو ترس رہی تھی میں نے تمہاری مانگ میں اپنے پیار کا سندور بھرا تھا۔ تم سے محبت کر کے میں ایک پل بھی نہیں سو سکا تھا تم نے صرف مجھے ایک کھلونا سمجھا مجھ سے دل لگی کر کے مجھ سے کھیلتی رہی کبھی مجھے توڑا اور کبھی مجھے جوڑا کیا یہی تھا وفا کا صلہ تھا وہ باتیں۔ وہ وعدے وہ قسمیں وہ محفلیں کا یہ سب کچھ ایک وقت گزاری تھی جن کو میں اپنی زندگی سمجھتا رہا۔ میں نے تمہاری خوشی کی خاطر اپنے معصوم بہن بھائیوں کو چھوڑ دیا۔ اپنا خون بیچ کر تمہاری خواہشات کو پورا کیا مگر تم نے سب کچھ بھلا دیا۔ آج میرا دل سلگ رہا ہے تڑپ رہا ہوں کاش مجھے موت آ گئی ہوتی میں مر گیا ہوتا۔ واقعی زندگی کبھی کبھی انسان کو ایسے موڑ پر لے آتی ہے جہاں اس کی ساری حسرتیں آرزوئیں دم توڑ دیتی ہیں دل کی اتھاہ گہرائیوں تک درد ہی درد مچلتا دکھائی دیتا ہے ایسے

میں انسان کی چیز کی خواہش نہیں کرتا کسی چیز کی حسرت نہیں کرتا کوئی خوشی کوئی غم اس کی مردہ خواہش کو نہیں جگا سکتا پھر یہ بے حس انسان زندگی سے بیزار ہو کر موت کو صدائیں دیتا ہے مگر موت بھی اس کے قریب آتے ہوئے ڈرتی ہے پھر سب کچھ کتنا بے کار اور بے رنگ سا لگتا ہے اور پھر کبھی کبھی دل کے گوشے سے یادوں کے بھیانک سائے نمودار ہوتے جو ہم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی بے بال و پر پرندہ پنجرے میں پھڑ پھڑا رہا ہو یا پنجرے سے نکلنے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔ ایسے میں ہم کتنے بے بس ہوتے ہیں نہ تو بیتی ہوئی خوشیوں کو منا کر واپس لا سکتے ہیں اور نہ ہی غموں اور یادوں سے بھاگ کر کہیں پرسکون مقام پر جا سکتے ہیں۔ یہ یادیں مٹنے کی بجائے سائے کی طرح تمام عمر ساتھ رہتی ہیں۔ اتنا تڑپاتی ہیں کہ ہم سسک سسک کر روئیں اور آنسوؤں کو لبوں کے اندر کہیں دبانے کی کوشش کرتے رہیں تاکہ رسوائی نہ ہو آخر کب تک یوں گھٹ گھٹ کر مریں گے۔ یہ زندگی کتنی بے رحم ہے انسان کو کیسے کیسے موڑ سے گزارتی ہے کبھی خوشی کبھی غم کبھی قربت کبھی جدائی کاش ہم زندگی کے ہاتھوں اتنے بے بس نہ ہوتے۔ میرے ذہن میں ظہیر کی باتیں سن کر ایک عجیب سی جنگ شروع ہوگئی۔

میرے دن رات اس کشمکش میں گزرنے لگے کہ جب عروج سے ملاقات ہوگی تو پتہ چلے گا کیا جھوٹ ہے اور کیا سچ ہے۔ عروج نے تو اپنا نمبر بھی تبدیل کر لیا تھا۔ میرا اب اس سے کوئی رابطہ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ اس طرح وقت کا پنچھی محو پرواز رہا۔ اس دوران میری ایک کزن کو اس سکول میں جاب مل گئی۔ جہاں عروج ٹیچر لگی ہوئی تھی۔ ایک دن میں نے اپنی کزن سے عروج کے بارے میں پوچھا تو وہ خاموش ہوگئی اور بولی۔ عثمان بھائی کیا تم عروج کو جانتے ہو میں نے اسے ساری صورت حال تفصیل سے بتادی اور کہا۔ باجی ہم ایک دوسرے کو جنون کی حد تک پیار کرتے ہیں وہ میری جان ہے وہ مر سکتی ہے پر کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ ہم نے جینے مرنے کی قسمیں کھائی ہیں میری کزن میرے سامنے کھڑی تھی۔ میرے بہن بھائی گھر کی دیواروں کے ساتھ لگے ہوئے میری بے بسی پر آنسو بہا رہے تھے۔ پھر میری کزن نے کہا۔ عثمان بھائی میں مانتی ہوں کہ وہ کبھی تمہاری جان تھی تمہاری محبت تھی وہ تمہیں بہت چاہتی تھی تم سے بہت پیار کرتی تھی مگر اب وہ کسی اور کی جان بن چکی ہے اور اب وہ کسی اور سے پیار کرتی ہے اب تم بھول جاؤ اس ناگن کو۔ وہ عورت کے روپ میں ایک ناگن ہے جو صرف ڈسنا جانتی ہے۔ میرے بھائی عورت کیا بھروسہ گھڑی میں ماشہ پل میں تولہ۔ دیکھو اس نے تم کو کیسے ڈسا ہے کہ تم ساری زندگی کراہتے رہو گے تڑپتے اور سسکتے رہو گے۔ سکون تلاش کرو گے مگر تمہیں کچھ بھی نہ ملے گا پھر میں نے عروج کے تمام تحائف باجی کو دکھائے دیکھو یہ تحفے عروج ہی نے مجھے دیئے تھے یہ گھڑی یہ تصاویر یہ خط یہ رومال اس نے صرف میری ہو کر مرنے کا وعدہ کیا تھا تم سب لوگ جھوٹ بول رہے ہو تمہیں کیوں عروج پر بھروسہ نہیں ہے تم لوگ یقین کیوں نہیں کرتے یہ کہتے ہوئے میں بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو میں شکر گڑھ کے ایک ہسپتال میں تھا۔ میرے پاس میرا دوست آصف میرے بھائی بہن میرے والدین اور میری کزن وغیرہ کھڑے رو رہے تھے اور ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ اسے کوئی بڑا دلی صدمہ پہنچا ہے۔ اسے جتنا ہو سکے خوش رکھو اگر یہ دوبارہ بے ہوش ہو گیا تو اس کا بچنا محال ہوگا۔ تمہارے پاس سوائے پچھتاوے اور آنسوؤں کے کچھ نہیں بچے گا۔ میری صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی مجھے کچھ ہوش نہ تھا ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق میرے تمام ٹیسٹ بالکل ٹھیک تھے۔ کوئی بیماری کی علامت نظر نہ آرہی تھی میری حالت ایک مجنوں کی طرح ہوگئی میں گلیوں بازار میں پاگلوں کی طرح گھومتا رہتا عروج کے پیروں کے نشان والے راستوں کو چومتا رہتا میں نے آرمی کی نوکری بھی چھوڑ دی۔ ایک سال کا طویل عرصہ گزر گیا مگر میں عروج کی یادوں کے جنگل سے نہ نکل سکا۔

میں نے نشہ کرنا شروع کر دیا سگریٹ نوشی، شراب پینا راتوں کو جاگنا دھوپ چھاؤں کی پرواہ کئے بغیر کبھی کسی چوراہے پر کبھی کسی دوراہے پر پڑا آہیں بھرتا رہتا۔ نظریں عروج کو تلاش کرتی رہتی تھیں گھر والے ایک عجیب الجھن کا شکار ہو چکے تھے۔ وہ میری یہ حالت دیکھ دیکھ تڑپتے اور روتے رہتے کبھی میرا دوست آصف مجھے رات کو پکڑ کر گھر لاتا تو کبھی میری بوڑھی ماں میری حالت دیکھ کر ایک دن میری ماں اور میرا دوست آصف مجھے ایک پیر صاحب کے ڈیرے پر لے گئے جہاں پر عورتوں اور مردوں کا بہت رش تھا۔ پیر صاحب کی شخصیت بھی خوش باش تھی مگر آنکھوں میں ایک نشہ تھا اک خمار تھا۔ میں پیر صاحب کی ہر حرکت پر نگاہ جمائے بیٹھا اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے بابا صاحب کی حرکتوں پر بہت غصہ آرہا تھا تب میں نے بابا صاحب کو کچھ کھری کھری سنائیں تو بابا جی کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو چکی تھیں میں اٹھ کر اس کا گریبان پکڑنے ہی والا تھا کہ میری ماں اور میرا دوست آصف مجھے پکڑ کر کمرے سے باہر لے آئے۔ میری حالت دیوانوں کی سی ہو چکی تھی مجھے کھانے پینے کا کچھ ہوش نہ تھا کہ میری ماں اور میرے دوست آصف نے مجھے پکڑ کر کمرے سے باہر لے آئے۔ میری حالت دیوانوں کی سی ہو چکی تھی۔ مجھے کھانے پینے کا کچھ ہوش نہ تھا۔ ان ہی دنوں میں میری ایک پھوپھو جو اسلام آباد میں رہتی ہیں ان کے بیٹے کا فون آیا اور عثمان بھائی کیسے ہو میں نے کہا قاسم بھائی میں برباد ہو چکا ہوں سب کچھ لٹا چکا ہوں اور اب بس موت کا انتظار کر رہا ہوں۔ دوسرے ہی دن قاسم اسلام آباد سے ہمارے گھر آگیا اور آکر میری امی جی سے ملا۔ امی جی نے کہا قاسم بیٹا عثمان کا بچنا بہت مشکل ہے تم اسے اپنے ساتھ اسلام آباد لے جاؤ ہو سکتا ہے یہ وہاں جا کر ٹھیک ہو جائے پھر چند ہی دنوں میں میں قاسم کے ساتھ اسلام آباد آگیا۔ ایک دن بارش ہو رہی تھی میں کھڑکی کھول کر باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ جہاں تک نظر جاتی پہاڑ ہی پہاڑ نظر آرہے تھے۔ سرسبز شاداب وادیاں اور ہرے بھرے درخت نظر آرہے تھے۔ میں عروج کی یادوں میں گم تھا کہ قاسم کمرے میں آگیا اور کہنے لگا عثمان بھائی کیا سوچ رہے ہو۔ میں نے کہا کچھ بھی تو نہیں بس باہر کے مناظر کا نظارہ کر رہا ہوں۔ چلو جلدی تیاری کرو مری چلتے ہیں۔ پھر ہم اپنی گاڑی لے کر مری چلے گئے مری واقعی اک خوبصورت تفریحی مقام ہے پرسکون اونچے اونچے پہاڑوں اور گرتی آبشاروں کی وادی ہم نے جی بھر کے مری کی سیر کی پھر ہم نے ہوٹل سے کھانا کھایا اور واپس آگئے کیونکہ سارا دن گھومنے کی وجہ سے کافی تھکاوٹ ہو چکی تھی میں آتے ہی نیند کی وادیوں میں کھو کر سو گیا۔

صبح قاسم میرے کمرے میں آیا اور کہنے لگا عثمان بھائی میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں پنڈی جا رہا ہوں شام تین بجے تک واپس آجاؤں گا تم تیار رہنا کیونکہ تمہارے لئے کچھ کپڑے اور شوز لینے ہیں اکٹھے ہی مارکیٹ چلے گئے اور پھر وہ چلا گیا۔ ٹھیک تین بجے قاسم واپس آگیا اور ہم کمرشل مارکیٹ چلے گئے وہاں پر ہم نے خوب شاپنگ کی اور واپس آگئے۔ جہاں آکر میں اپنے آپ کو کافی حد تک کنٹرول کر چکا تھا۔ ایک دن قاسم نے کہا۔ عثمان بھائی اب تم ہمارے پاس ہی رہو گے میں دوبارہ تم کو بی اے میں ایڈمیشن لے کر دوں گا اور تم یہاں ہی پڑھو گے کیا خیال ہے۔ میں نے بخوشی ہاں کر دی تو قاسم بہت خوش ہوا اور پیار سے مجھے گلے لگا لیا۔ اس طرح وقت ہنسی خوشی گزرتا رہا۔ ایک دن ہم کھانا کھا رہے تھے کہ قاسم کہنے لگا۔ عثمان کل اتوار ہے اور ہم کل اسلام آباد کے علاقے بارہ کہو کے قریب بہت خوبصورت جھیل ہے ادھر سیر کے لئے چلیں گے۔ میں نے ہاں کر دی۔

دوسرے دن ہم دونوں اپنے ڈرائیور کے ہمراہ پارک میں پہنچ گئے مجھے کیا پتہ تھا کہ آج کی سیر ہمیں ایک دوسرے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا کر دے گی۔ مجھے سہارا دینے والا خود بے سہارا ہو کر موت کی وادی کی طرف چلا جائے گا۔ ویڈیو کیمرہ ہم ساتھ لے کر گئے تھے ہم ایک خوبصورت آبشار کے پاس بیٹھ کر گپ شپ لگانے لگے ساتھ ہی جھیل میں کچھ لوگ نہا رہے تھے۔

بہت ہی خوبصورت مناظر تھے پھر قاسم نے بھی کپڑے اتار کر جھیل میں چھلانگ لگا دی اور پانی میں نہاتے ہوئے بہت پیارا لگ رہا تھا اور میں کنارے پر بیٹھ کر اسے اچھلتے کودتے اور تیرتے کی ویڈیو فلم بناتا رہا۔ کافی دیر کے بعد وہ تھک ہار کر باہر آ گیا اور بولا۔ چلو عثمان اب تم بھی نہا لو میں یہاں بیٹھتا ہوں۔ میں نے بھی کپڑے اتارے اور جھیل میں چھلانگ لگا دی۔ میں پانی میں تیرتا ہوا بہت دور تک چلا گیا قاسم مجھے آوازیں دیتا رہا۔ عثمان آگے مت جاؤ آگے پانی بہت گہرا ہے اور بہاؤ بھی تیز ہے۔ جب میں نے واپس مڑ کر دیکھا تو میرے ہوش اڑ گئے دو لڑکے قاسم سے ویڈیو کیمرہ چھیننے کی کوشش کر رہے تھے میں نے جلدی جلدی واپس تیرنا شروع کر دیا مگر پانی کا بہاؤ بہت ہی زیادہ بڑھ چکا تھا۔ وہ مجھے آسانی سے کنارے کی طرف نہیں آنے دے رہا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک لڑکا کیمرہ چھین کر بھاگ گیا اتنے میں میں پانی میں کنارے تک آنے میں پندرہ فٹ کی دوری پر تھا کہ قاسم نے دوسرے لڑکے کو پکڑا ہوا تھا۔ اتنے میں اس لڑکے نے اپنی پاکٹ سے پسٹل نکال کر قاسم کی ٹانگ پر گولی مار دی اتنے میں میں بھی کنارے پر پہنچ چکا تھا۔ میں بھاگتا ہوا قاسم کی طرف بڑھ رہا تھا مگر قاسم کے نہ چھوڑنے پر اس نے دوسری گولی قاسم کے سینے میں مار دی اور خود بھاگ گیا۔ قاسم زمین پر گر چکا تھا مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا قیامت برپا ہو چکی تھی میں قاسم کے پاس پہنچا تو وہ کہہ رہا تھا عثمان بھائی مجھے بچا لو میں جینا چاہتا ہوں پلیز مجھے بچا لو مجھے کچھ نہ ہونے دینا میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ میں پاگلوں کی طرح ڈرائیور کو آوازیں دے رہا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے دھندسی چھا چکی تھی مجھے کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا جونہی ڈرائیور گاڑی لے کر آیا میں نے قاسم کو اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور ڈرائیور کو ہسپتال کی طرف چلنے کو کہا۔ قاسم کا سر میری جھولی میں تھا میرا ہاتھ اس کی کمر کے نیچے تھا جہاں سے خون بہتا جا رہا تھا۔ جاوید نسیم بھائی میں ان لمحوں کو کبھی بھول نہیں سکتا اس کی آنکھیں کبھی بند ہوتیں کبھی کھل جاتیں۔ پھول سا چہرہ زرد ہو چکا تھا اس کے جسم کو ایسے جھٹکے لگ رہے تھے جیسے کوئی بجلی کا کرنٹ گزار رہا ہو۔ میں اپنے ہاتھوں سے بار بار اس کے گرتے ہوئے سر کو سیدھا کر رہا تھا۔ میں اسے یہی کہہ رہا تھا قاسم تمہیں کچھ نہیں ہوگا بس تھوڑا صبر کرو باقی تھوڑا ہی سفر رہ گیا ہے میں اپنے بھائی کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ یہ کہتے ہوئے میری آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ گاڑی بڑی تیزی سے ہسپتال کی طرف بھاگی جا رہی تھی اور پھر اچانک قاسم کے منہ سے خون بہنے لگا اور وہ اس بے وفا دنیا کو چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔

میں اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر رو رو کر یہی کہتا رہا۔ قاسم میرے بھائی تم نے تو مجھے نئی زندگی دینے کا وعدہ کیا تھا کیوں میرا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے ہو۔ کون اب مجھے سہارا دے گا، کون میرے بہتے ہوئے اشکوں کو پونچھے گا۔ اسی طرح روتے روتے گاڑی گھر کے گیٹ پر پہنچ گئی۔ جونہی گھر والوں کو قاسم کی موت کی خبر ملی تو گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ سب لوگ جوان بیٹے کی موت پر پاگل ہو چکے تھے اور دیواروں سے ٹکریں مار مار کر رو رہے تھے۔ قاسم کے بہن بھائی اس کا ماتھا اور منہ چوم رہے تھے اور رو رو کر کہہ رہے تھے۔ اٹھو بھائی تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اٹھتے کیوں نہیں ہو میں خاموشی سے قاسم کی میت کے پاس کھڑا رو رہا تھا۔ میرے بے جان جسم کو کوئی ادھر کوئی ادھر کھینچ رہا تھا اور پوچھ رہا تھا بتاؤ عثمان یہ سب کچھ کیسے ہوا کیوں کر ہوا۔ یہ سب کچھ بتاؤ بتاتے کیوں نہیں بولو بولتے کیوں نہیں ہو۔ میری زبان بند ہو چکی تھی میرا جسم پتھر کا بن چکا تھا اور میں بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو سب کچھ بدل چکا تھا۔ قاسم کو منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیا گیا تھا اور میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند تھا۔ پولیس مجھے پکڑ کر لے گئی تھی۔ پندرہ دن کے بعد حقیقت سامنے آنے پر مجھے ضمانت پر رہا کروا لیا گیا۔ میں واپسی پر قاسم کی قبر پر چلا گیا جو کالونی سے دور پہاڑوں کے دامن میں واقع تھی۔ میں قاسم کی قبر پر سر رکھ کر بہت رویا شام تک میں روتا رہا پھر



قبرستان سے ایک عورت کی آواز میرے کانوں میں پڑی میں نے دیکھا تو وہ میری پھوپھو اور قاسم کی ماں تھیں جو کہہ رہی تھیں۔ عثمان بیٹا اٹھو یہاں پر کب تک روتے رہو گے۔ جانے والوں کو کون روک سکتا ہے۔ بیٹا قدرت کا بھی ایک نظام ہے اس کے آگے ہر انسان بے بس ہے۔ بیٹا قاسم کی زندگی ہی اتنی تھی۔ پھر میں اٹھا اور ان کے ساتھ واپس گھر آ گیا۔ اس طرح میں روز ہی قاسم کی قبر پر جایا کرتا تھا اور پاگلوں کی طرح بہت سی باتیں کر کے واپس آ جایا کرتا تھا۔ ایک شام میں قاسم کی موت کی خبر سن کر بہت دکھ ہوا یہاں پر ہر آنکھ اشکبار ہے مگر کیا کیا جا سکتا ہے میرے بھائی اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا اور ہاں تم کب واپس آ رہے ہو؟ میں نے روتے ہوئے کہا۔ آصف یار اب میں کبھی نہیں آؤں گا تم میرا انتظار نہ کرنا میں بھی قاسم کے پاس چلا جاؤں گا۔ میں بھی اس بے وفا دنیا کو چھوڑ دوں گا اور پھر اچانک فون بند ہو گیا۔ ایک دن میں قبرستان سے واپس آ رہا تھا کہ میرے چھوٹے بھائی کا فون آ گیا وہ بہت پریشان تھا اور روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ عثمان بھائی بس جتنی جلدی ہو سکے گاؤں واپس آ جاؤ اور ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔ میں نے بہت کوشش کی مگر واپسی کال نہ مل سکی۔ موبائل بند ہو چکا تھا۔

میں اس وقت اسلام آباد سے نکل پڑا ساری رات کا سفر کرنے کے بعد میں صبح چھ بجے شکرگڑھ پہنچ گیا۔ وہاں سے میں نے ٹیکسی کار کرایہ پر لی اور گاؤں پہنچ گیا۔ گاؤں کے شمال کی طرف ایک نیا مکان بن رہا تھا وہاں پر بہت سارے لوگ تھے کوئی اندر جا رہا تھا تو کوئی باہر آ رہا تھا ہر چہرہ سوگوار تھا۔ ہر آنکھ پرنم تھی میں جس کو بھی پوچھتا کہ کیا ہوا ہے تو کوئی بھی جواب نہ ملتا اور سر جھکا کر چلا جاتا تھا۔ میں بہت پریشان ہوا کہ آخر ماجرا کیا ہے پھر میں تیزی سے اس حویلی نما مکان میں داخل ہو گیا۔ وہاں پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی جس کو سفید کپڑوں میں لپیٹا ہوا اور دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ میں نے جلدی سے جونہی منہ سے کپڑا ہٹایا تو دیکھا وہ لاش میرے دوست آصف کی تھی اس کے ماں باپ، بہن بھائی رو رو کر نڈھال ہو چکے تھے پھر میں نے آصف کی امی سے پوچھا تو پتہ چلا کہ یہ جگہ انہوں نے کچھ عرصہ قبل ہی خریدی تھی اور آصف یہاں پر ٹرالی اور ٹریکٹر کھڑا کرنے کے لئے کمرہ بنا رہا تھا کہ اچانک اوپر سے ایک سریا بجلی کی تاروں سے ٹکرا گیا اور وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا۔ ابھی تو قاسم کی موت کے زخموں سے میرا سینہ زخمی تھا۔ ابھی تو ان زخموں سے بھی خون رس رہا تھا کہ ایک نیا زخم میرے زخمی سینے پر لگ گیا آصف بھی مجھے چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملا میں خون کے آنسو روتا ہوا آصف کے ہاتھوں کو پیروں کو اور ماتھے کو چوم رہا تھا۔ آصف تم بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہو اب میں کس کے سہارے پر زندہ رہوں گا کون مجھے سہارا دے گا میں کس کو اپنے زخم دکھاؤں گا۔ کون میرے زخموں پر مرہم لگائے گا۔ اسی طرح روتے روتے آصف کو بھی منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیا گیا۔ میں نے آصف کی میت کو خود کندھا دیا تھا خود اپنے ہاتھوں سے اس کی قبر پر مٹی ڈالی تھی اس وقت میری کیا حالت ہو گی وہ دل والے ہی جانتے ہوں گے۔ پھر میں ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے اپنے گھر آ گیا۔ گھر آ کر میں نے پھر نشہ کرنا شروع کر دیا میرے ماں باپ میرے بھائی بہنوں نے مجھے بہت روکا کہ عثمان نشہ مت کرو مگر میں کیسے نشہ نہ کرتا میرے دوست آصف اور قاسم مجھے نئی زندگی دینا چاہتے تھے جو خود کو موت کے حوالے کر کے مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے۔

میرا ضمیر بار بار مجھے ملامت کرتا ہے کہ عثمان قاسم کے قاتل بھی تم ہو اور آصف کے قاتل بھی تم ہی ہو۔ آصف بے چارہ تمہارے ہی خیالوں میں تمہاری ہی یادوں میں تمہاری ہی سوچوں میں گم ہوگا کہ سریا بجلی کی تاروں سے جا لگا اور وہ مر گیا ہوگا۔ انہی حالات میں نشہ کرنا بھی آسان کام نہ تھا۔ میرے پاس نشہ کرنے کے لئے پیسے نہ تھے سکون کے لئے کوئی اور راستہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ پھر میں نے درباروں کا رخ کر لیا اور ملنگوں سے دوستی کر لی ملنگوں کی بھی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے نہ دنیا کا غم نہ کانے کا فکر یہاں مجھے سکون کے لئے ہر چیز

آسانی سے مل جاتی ہے۔ میں نے ماں باپ بہن بھائی سب کو چھوڑ کر ادھر ملنگوں کی دنیا میں بسیرا کر لیا ہے آج میں شکر گڑھ کی زمین پر ایک بہت بڑے اور مشہور دربار کے مزار پر ایک کونے میں سبز کپڑوں میں ملبوس اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں۔

جاوید نسیم بھیا! زندگی اس موڑ پر لے آئے گی میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ یہ وہی جسم ہے جس سے کبھی خوشبو آیا کرتی تھی اور آج وہی جسم گرد اور مٹی سے آلودہ ہونے کی وجہ سے مکھیوں کی خوراک بنا ہوا ہے۔ کبھی ساری ساری رات سکون سے گھر سوتا تھا تو صبح ماں کی پیار بھری آواز کانوں میں گونجتی تھی۔ بیٹا اٹھو دن چڑھ گیا ہے اور آج وہی آنکھیں ہیں جو برسوں سے نہیں سوئیں اور آج ان آنکھوں سے چمک ختم ہو چکی ہے جو کبھی ہیروں کی مانند ہوا کرتی تھیں آج وہی آنکھیں پتھر بن چکی ہیں۔ سردی گرمی، دھوپ چھاؤں کو جھیل جھیل کر پاؤں کی ایڑیوں سے لے کر ہونٹ تک پھٹ چکے ہیں۔ ماضی کو یاد کرتا ہوں تو آنسو بن بادل برسات کی طرح جاری ہو جاتے ہیں۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت آج بھی میرے اندر زندہ ہے مگر کوئی ہمدرد نہیں ہے کوئی غمگسار نہیں ہے۔ کوئی ساتھ دینے والا نہیں ہے۔ میں کس کے کندھے پر سر رکھ کر دل کا غبار ہلکا کروں کون ہے جو میرے بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھے بہت رونے کے بعد پھر میں نشے کی گولیاں کھا کر اپنی روح کو سکون دینے کے لئے سو جاتا ہوں۔

رزق تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے وہ ہر حال میں ہر صورت میں کسی نہ کسی طریقے سے ہر انسان کو اس کا مقرر کردہ رزق عطا فرماتا ہے۔ پتھر میں بھی کیڑے کو روزی دیتا ہے۔ سورج بھی اس وقت تک غروب نہیں ہوتا جب تک انسان کو اس کے مقدر کا رزق مل نہیں جاتا۔ یہ قانون قدرت ہے۔ میں جب سو کے اٹھتا ہوں تو بہت ساری روٹیاں، سالن، فروٹ اور دیگر کھانے پینے والی چیزوں کا ڈھیر لگا ہوتا ہے۔ میرے سامنے جو آنے والے زائرین میرے پاس رکھ کر جا چکے ہوتے ہیں۔ جو کوے، کتے، پرندے بھی کھا لیتے ہیں باقی بچا ہوا میں کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتا ہوں۔ اپنے بے جان جسم کو دیکھ کر مجھے عروج کی یاد آ جاتی ہے۔ عروج اپنی ستم ظریفی اور وقت کی بے رحمی آ کر دیکھو جن آنکھوں میں کبھی خوشی کے دیپ جگمگایا کرتے تھے۔ اب ان آنکھوں میں اداسیوں کے زرد دیے روشن ہیں جن ہونٹوں پر ہر دم مسکراہٹ رقصاں رہتی تھی اب اس قدر اداس ہیں کہ یادیں اور سسکیاں لبوں کی زینت بن گئی ہیں۔ کبھی کبھی سر چکرانے لگتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے دل کی دھڑکنیں بند ہونا چاہتی ہیں یوں لگتا ہے جیسے ابھی بکھر جاؤں گا ٹوٹ پھوٹ جاؤں گا ریزہ ریزہ ہو جاؤں گا۔ میرے قدموں میں واضح طور پر ایک لغزش سی پیدا ہو گئی ہے اور مجھ سے کھڑا ہونا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ بے وفا میں نے تجھ سے محبت رکھ کے خود کو برباد کر لیا ہے مگر میری یہ دکھی نگری ہر دم قائم رہے گی۔ صرف تیری یادوں کے سہارے۔ او بے وفا ہرجائی لڑکی میں نے اپنی سانسوں کی ڈوری بڑی مشکل سے تمہاری محبت کے ساتھ باندھی تھی جس کی بہاریں بھی ہماری چاہت کے پھولوں سے مہکا کرتی تھیں ہم پر ناز کرتی تھیں مگر آج ہر سو خزاں ہی خزاں مسلط ہے اور میں کتنا اداس ہوں کاش میں تم کو اپنے دل کے زخم دکھا سکوں جو تیری عنایت ہیں، تیرے عطا کیے ہوئے ہیں۔ آج میری زندگی میں دکھ ہی دکھ ہیں اور کانٹے ہی کانٹے ہیں سکھ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ عروج ارمانوں کے مجسمے بکھر چکے ہیں یوں کرچی کرچی ہو چکے ہیں کہ اگر ساری زندگی بھی ان کو سمیٹتا رہوں تو پھر بھی تہی داماں ہی اٹھوں گا۔

سوچتا ہوں میری منزل اچانک اتنی دور کیوں ہو گئی ہے جس منزل کی طرف بڑھتے بڑھتے میرے پاؤں آبلہ پا ہو گئے ہیں۔ میری روح بھی تھک گئی ہے میرا زخمی زخمی سا وجود ایک نئے قرب میں مبتلا ہو گیا ہے اور سنگدل زمانے کے تھپیڑوں نے آج مجھے ایسے لق ودق صحرا میں لا کر تنہا چھوڑ دیا ہے جہاں سے میری منزل کوسوں دور ہو گئی ہے۔ انسان بدل جاتے ہیں مگر روحیں نہیں بدلا کرتیں۔ جانے والے تو چلے جاتے ہیں مگر اپنی یادوں کے دیپ روشن کر جاتے ہیں جو سدا روشن رہتے ہیں۔ عروج میں جبر کا قائل نہیں ہوں میرے نزدیک محبت دلوں کا سودا نہیں بلکہ روحوں کا ملاپ ہے۔ پیار کرنے والے بہت ہوتے ہیں مگر پیار کو کوئی کوئی نبھاتا ہے۔ عروج تم نے میرے دل پر کتنے زخم لگائے ہیں کتنے فریب دیے ہیں یہ پاگل دل اذیت سہنے کا عادی ہو چکا ہے سوچتا ہوں کہ اب تم کو کیا کہہ کر مخاطب کروں۔ اپنا کہوں یا غیر کہوں کچھ بھی تو سمجھ میں نہیں آتا۔ اپنا اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ اب تم کسی اور کی ہو چکی ہو۔ غیر اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ یہ دل ابھی بھی تمہیں پیار کرتا ہے۔ یہ زخمی روح اب بھی تمہاری ہی متلاشی ہے۔ میں ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہوں جہاں آ کر فیصلہ کرنا میرے بس میں نہیں۔

سوچتا ہوں کیا کروں کہاں جاؤں عروج تم نے میرا اس موڑ پر ساتھ چھوڑا ہے جہاں پر میرا ساتھ دینے والا کوئی نہیں۔ مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں مجھے سمجھ نہیں آتی یہ کیسی الجھن ہے۔ تمہاری جدائی کتنی اذیت ناک ہے۔ عروج میں تیری یاد کو کیسے بھلا دوں تیری یاد مجھ سے حوصلہ کیوں چھین رہی ہے۔ رگوں سرسراہٹ ہونے لگی ہے، دل بیٹھنے لگا ہے۔ میں کتنا بے بس ہو گیا ہوں تیرا درد رہ رہ کر میرے سینے میں اٹھنے لگتا ہے کسی کروٹ چین نہیں ملتا سو بھی نہیں سکتا جی چاہتا ہے کہ اپنے بال نوچوں دیواروں سے سر ٹکراؤں میری زندگی میں اب کوئی کشش نہیں رہی ہے۔ عروج زندگی میں اگر ملن کے درمیان جدائی کی دیوار آ جائے تو یہ زندگی موت بن جاتی ہے تم نے اتنے بڑے بڑے زہریلے تیر چلائے ہیں کہ جن کا زہر میری رگ رگ میں نشتروں کی طرح چبھ رہا ہے مگر میرے لئے یہ بھی پھول ہیں میرے محبوب اور بچھڑے ہوئے ساتھی ہم ایک دوسرے سے بہت دور چلے گئے۔ وقت کا پرندہ اڑتا ہی جائے گا زندگی کے تقاضے بدل جائیں گے ہر ایک نئی چیز ایک نئی شکل نیا روپ دھار لے گی مگر وہ خوشیاں وہ قہقہے وہ لمحے پلٹ کر نہ آئیں گے۔ یادوں کی آہیں روح کے ایوانوں میں گونجتی رہیں گی۔ عروج تم بے شک میری محبت کا اب اقرار نہ کرو مگر میں تمہیں پھر بھی چاہتا رہوں گا۔

یاد رکھنا عروج یہ دنیا فنا ہو جائے گی، گلستان ویران ہو جائیں گے بہاروں پر خزائیں ڈیرہ جما لیں گی کائنات کا وجود مٹ جائے گا سب کچھ فنا ہو جائے گا ہر طرف ویرانے ہی ویرانے ہوں گے تب بھی میں تم کو چاہوں گا۔ عروج تم کتنی سنگدل نکلی ہو تم نے میری محبت کا مذاق اڑا کر میرے جذبوں کی توہین کی ہے تم کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ عروج کبھی معاف نہیں کرے گا۔ دیکھو عروج میرے سینے پر کتنے زخم لگے ہیں مگر تم میری زندگی سے نکل کر دور فضاؤں میں کسی اجنبی کے ساتھ اپنی زندگی کی رنگینیوں میں کھو گئی ہو۔ تیری یادوں کی خلش تیز ہو رہی ہے آہیں اٹھ اٹھ کر بادلوں کا روپ دھار رہی ہیں۔ یہ بادل میری آنکھوں سے چھلک پڑنے کو تیار ہیں بے قرار ہیں اور میں یادوں کی بھٹی میں سلگ سلگ کر بھسم ہو چکا ہوں مگر تم کو بھلا نہیں سکا۔ اے کاش میں تم کو بھلانے میں کامیاب ہو جاؤں اے کاش!

جگر کو پھاڑ کر دیکھو مگر نہ آئے یقین تجھ کو
میرے دل کے آئینے میں تیری تصویر آویزاں ہے
درد کچھ اور بڑھا چین نہ ایک پل بھی ملا
ہم تجھ سے دل لگا کر بہت پچھتائے
خدا جب مجھے پوچھے گا بتا ستایا کس نے تجھے
میں چپکے سے اشارہ کروں گا سرکار وہ بیٹھے ہیں

آخر میں قارئین سے ریکوئسٹ کروں گا کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ عثمان پر اپنا رحم و کرم کرے اور قاسم، آصف کو اپنے جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین!

قارئین عثمان ملنگ سے میری معرفت رابطہ کر سکتے ہیں۔ سب خط عثمان ملنگ تک پہنچانے کا وعدہ ہے۔ دل کھول کر رابطہ کریں۔ سب کو جواب ملے گا۔ ان شاء اللہ!

# حسین بہاریں لوٹ گئیں

تحریر...... مجید احمد جائی - ملتان

آج اپنوں دوستوں کے ہمراہ باراتیوں کے ہمراہ بڑی بڑی گاڑیوں میں اپنی ایمان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنانے جا رہا تھا. پھر کبھی کوئی ہمیں جدا نہیں کر سکے گا. جاگتی آنکھوں میں ہزاروں خواب سجائے ڈھول کی تال اور دوستوں کے ڈانس کے ساتھ ایمان کے گھر جا پہنچے. دلہن والوں نے خوب استقبال کیا، باراتیوں کی خاطر تواضع کی گئی. ہر چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا میں دولہے کے روپ میں دوستوں کے جھرمٹ میں بیٹھا تھا ..... ایک سچی کہانی

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

موسم کا کچھ علم نہیں ہوتا کہ کب سخت دھوپ میں بارش شروع ہو جائے اور بارش میں دھوپ نکل آئے۔ نظام قدرت ہے عقل والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ آج بھی خلاف معمول موسم خوشگوار تھا۔ ہر طرف ٹھنڈی ہوائیں ماحول کو سرد کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ حالانکہ شدید گرمیوں کا سیزن تھا۔ آج نجانے کیسے اوپر والے تڑپتے انسانوں پر رحمت کردی تھی۔ آسمان پر سورج اور بادلوں کی جنگ جاری تھی۔ کبھی بادل سورج کو دبوچ لیتے تو کبھی سورج بادلوں پر حاوی ہو جاتا۔ چاند میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔ ستارے چاند کے اردگرد جمع تھے۔ شاید ان کو بھی کوئی مطلب ہوگا۔ مطلب پرست دنیا ہے ہر کوئی تاڑ میں رہتا ہے، کب موقع ملے ہم وار کریں اور دوسرے کو زندگی بھر کا عذاب دے کر خوشیاں منائی جائیں۔ میں موسم کو انجوائے کرتے ہوئے شہر خموشاں میں چلا جاتا وہاں خوب سکون میسر آتا۔ اپنے پیاروں سے حال دل سنتا کچھ اپنی سناتا۔ آنکھوں کا سمندر جھلملاتا، رخسار سیراب ہوتے اور زمین خوش ہو جاتی۔ دنیا کی رونقوں سے بے خبر جب میں اس بستی میں آتا، مجھے سب کچھ بھول جاتا اور اپنے پیاروں سے گفتگو کرنے بیٹھ جاتا۔ جب دل کا بوجھ ہلکا ہوتا اندھیرا چھا گیا۔ میں بائیک لے کر اپنے آشیانے کی طرف چل پڑتا۔ میرے یہاں آنے کا کسی کو علم نہیں ہوتا تھا۔ اس شہر خموشاں میں اک مکان ایسا تھا جس پر روزانہ نئے تازے پھول بکھرے ہوتے۔ اگربتیاں اور ان کی خوشبو دور دور تک پھیلی ہوتی۔ حالانکہ میں بھی روز آتا تھا لیکن کون تھا جو روز ادھر آ نکلتا تھا اور پھر اس قبر میں میٹھی نیند سونے والے سے کیا رشتہ تھا۔ اس دور میں تو لوگ ایک ساتھ رہنے والوں کو بھول جاتے ہیں۔ کوئی بیمار پڑا ہے، کوئی پوچھتا نہیں، کوئی مصیبت میں ہے، کسی کو غرض نہیں، کسی کو کسی کی ضرورت، کوئی سروکار نہیں، ہر کوئی اپنی مستی میں غرق ہے۔ خدا کو بھول بیٹھا ہے۔ دولت کے نشے میں محبتیں ختم ہو گئی ہیں۔ سامنے کون ہے کوئی نہیں جانتا۔ جانتا ہے تو صرف اتنا کہ اس کی جیب میں کتنی رقم ہے اور پھر کیسے حاصل کرنی ہے، اسی تگ و دو میں لگا رہتا ہے۔ پھر علم بھی نہیں ہوتا وہ دنیا کو الوداع کر چکا ہوگا ہے۔ میرے اندر سوالات کی جنگ جاری تھی، اس آدمی سے ملاقات کرنی چاہئے۔ اب یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ عورت ہے یا مرد یہ سلسلہ کچھ عرصے سے جاری تھا۔ میں نے اپنا

ٹائم چینج کر دیا۔ اب رات کی تاریکی میں شہر خموشاں نکل جاتا لیکن یہ قدرتی راز تھا جو ابھی تک مجھ سے پوشیدہ تھا۔ حیرت اس بات کی تھی کہ روز ہی اس قبر پر تازے گلاب بکھرے ہوتے، کچے مکان پر پانی کی بارش ہوتی۔ ایسا محسوس ہوتا جیسے رب العزت کی طرف سے رحمت نازل ہوتی ہو۔ پھر مہکی مہکی سی خوشبو اس بستی کو مہکا رہی ہوتی۔ انسان فطرت سے مجبور ہے جس کام سے اسے منع کیا جائے وہ اس کام کو ترجیح دیتا ہے۔ میں بھی اس راز کو جاننا چاہتا تھا۔ اندر کا انسان پریشان تھا اس کا ذکر چند دوستوں سے بھی کیا لیکن سبھی نے مسترد کر دیا۔

پھر ایک دن اوپر والے نے خاص کرم سے نوازا۔ مجھ پہ راز عیاں ہو گیا۔ رات کے گیارہ بجے تھے میں آج بائیک کی بجائے پیدل شہر خموشاں کی طرف نکل پڑا۔ جب وہاں پہنچا تو اندھیرا کافی چھا چکا تھا۔ ہر طرف سناٹا ہی سناٹا تھا۔ دور دور سے کتوں اور گیدڑوں کی آوازیں آ رہی تھیں جس سے خوف پھیلا ہوا تھا۔ ایک نوجوان بکھرے بال، ننگے پاؤں پھٹے ہوئے کپڑوں میں ملبوس اس شہر خموشاں سے نکل رہا تھا۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا، میں دیوار کی آڑ میں ہو گیا تاکہ وہ مجھے نہ دیکھ سکے۔ چند لمحوں کے بعد وہ اس قبر سے دور جا چکا تھا۔ میں تھوڑے وقفے سے اس کے پیچھے ہو لیا۔ آج میں اپنے پیاروں کے پاس نہیں گیا تھا۔ میں اس نوجوان کے قدموں کے نشان پر چلتا گیا۔ وہ کبھی کھیتوں سے گزرتا، کبھی جھاڑیوں میں سے گزرتا تو کبھی ریت کے ریگستان اس کے منتظر ہوتے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ندی کے کنارے چند مکان نظر آئے۔ وہ نوجوان ندی کنارے چلتے ہوئے ان مکانوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ شہزادہ انہی مکانوں کے کسی ایک مکان کا مکین ہے لیکن ہوس بڑھتی گئی۔ میں اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ ایک مکان کی دیوار پھلانگ کر اندر چلا گیا اور میں حیران و پریشان دور کھڑا یہ منظر دیکھتا رہا۔ نجانے کس کے گھر میں گھس گیا ہے۔ ایک لمحے کو خیال آیا کہ شور مچا کر لوگوں کو اکٹھا کروں کہ اس گھر میں چور داخل ہو گیا ہے لیکن دوسرے لمحے میرے ضمیر نے منع کر دیا ہو سکتا ہے اس کا اپنا گھر ہو اور یہ کسی سے چھپ کر گیا ہو۔ مجھے اس نوجوان سے ملنا تھا۔ میں اس کا گھر دیکھ چکا تھا سو دبے پاؤں اپنے گلستان کی طرف لوٹ آیا۔ آتے ہی بستر پر دراز ہو گیا نیند نے کہاں آنا تھا میں اس راز کو جاننا چاہتا تھا یعنی یہ میرا مشن تھا۔ اب میں آگے کے پلان بناتا رہا۔ اس شخص سے کیسے ملوں۔ میں اسے جانتا ہی نہیں۔ سوالات کی جنگ جاری تھی۔ ضمیر اور دماغ اپنے اپنے مشورے دے رہے تھے۔ مجھے کیا کرنا تھا؟ یہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ چند دنوں کے بعد میری جانب سے چھٹی تھی۔ میرے قدم اس بستی کی طرف اٹھتے چلے گئے۔ پھر تھوڑی ہی مسافت کے بعد میں اس مکان کے دروازے پر تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکا دیا۔ اندر سے کون نکلے گا؟ کیا کہوں گا؟ اسی طرح کے سوالات پرورش پا رہے تھے۔ دوسری بار جب دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے وہی نوجوان نکلا۔ میں اسے پہچان چکا تھا۔ جی فرمایئے کس سے ملنا ہے؟ میں نے آپ سے ملنا ہے؟ میں نے جواباً کہا لیکن میں آپ کو جانتا نہیں۔ جان جاؤ گے۔ کیا سبھی یہی کھڑے کھڑے پوچھو گے یا بیٹھنے کو کہو گے؟ میرے اس سوال نے اسے چونکا دیا۔ شرمندگی کے اثرات نمایاں تھے۔ خیر اس نے مجھے کہا۔ پھر اس نے مجھے بیٹھک میں بیٹھنے کو کہا۔ رات والے نوجوان اور اس نوجوان میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ رات کو پھٹے پرانے کپڑے ننگے پاؤں، بکھرے بال لیکن اب پینٹ شرٹ، بال سنوارے ہوئے پاؤں میں چمکتے شوز، میں حیرت زدہ تھا۔

بات کہاں سے شروع کروں، کیسے کروں؟ اسی کشمکش میں تھا کہ وہ نوجوان گویا ہوا۔ صاحب جی فرمایئے میں نے کہیں جانا ہے۔ میں خیالات کی دنیا سے واپس آیا۔ جی جی میں آپ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اس قبر سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔ کون...... کون سی قبر؟ وہ کچھ سہم سا گیا جیسے چور کی چوری پکڑی گئی ہو۔ میں نے اسے اس شہر خموشاں کی قبر کا حوالہ دیا۔ مجھے نہیں پتہ، میں نہیں جانتا۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ دیکھو کہاں تک چھپاؤ گے۔ میں نے تمہیں وہاں سے یہاں تک آتے ہوئے دیکھا ہے۔ رات کے جس پہر تم جاتے ہو وہ بھی میں جانتا ہوں۔ تم کیوں پوچھتے ہو؟ کیا چاہتے ہو مجھ سے؟ میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔ ساتھ ہی آنسوؤں کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ میں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ جی بھر کے رویا۔ اپنے آپ کو سنبھالو، مجھے اپنا سمجھو اور حال دل سنا دو جو چھپائے ہوئے ہو، جو تمہیں اندر ہی اندر کھوکھلا کیے جا رہا ہے۔ اپنا غم شیئر کرو۔ تم کہاں سن پاؤ گے۔ میری آگ میں مجھے ہی جلنے دو۔ ورنہ میرے ساتھ ساتھ تمہیں جلا کر راکھ کر دے گی۔ تم نے کسی کو چاہا ہو تو کہو، درد کیا ہوتا ہے؟ محبت کیا ہوتی ہے، کسی کی جدائی کیسے کیسے زخم دیتی ہے۔ تمہیں کیا خبر کہ بچھڑنا کیا ہوتا ہے۔ اس نے سوالات کر دیئے جن کا جواب میں کیا دیتا۔ میں اسے کیا بتاتا کہ میں اپنوں کا ڈسا ہوں۔ مجھ سے محبت کون کرے گا۔ کون مجھے چاہے گا، میں تو ہمیشہ درد کی ندی میں نہایا ہوں، ہمیشہ پیار کو ترسا ہوں۔ میرا دل ویران کھنڈر کی مانند ہے جہاں صرف دکھوں کانٹوں کے علاوہ کسی کا بسیرا نہیں ہے لیکن محبت پیار جدائی بچھڑنا سب مجھے پتہ تھا۔ کئی زخم میرے اندر کو زخمی کیے جا رہے تھے۔ میرے دوست مانتا ہوں۔ میرا غم تیرے غم سے کم ہو گا لیکن یہ بھی نہیں کہ میں غمگین نہیں ہوں، مجھے کسی کا غم نہیں ہے۔ میں بھی اپنوں کو کھو چکا ہوں۔ میرے عزیز بھی مجھ سے روٹھ چکے ہیں۔ میں بھی شہر خموشاں میں جا کر سکون تلاش کرتا ہوں اور ایک دن خاموشی سے شہر خموشاں میں ایک مٹی کی ڈھیری میں سوئے ہوں گے۔ پھر کون یاد کرے گا۔ میں تو محبت کو ترسا ہوں لیکن آخر کون ہے تمہارا جسے تم روز ملنے جاتے ہو، روزانہ اسے پھول پیش کرتے ہو، روز خوشبو میں نہلاتے ہو۔ میرے پیارے نازک سا دل رکھتے ہو، رونے لگ جاؤ گے۔ ادھر دیکھو یہ آنکھیں خشک ہو چکی ہیں، سبھی پانی بہہ چکا ہے۔ میں اپنے محبوب کے پاس جانا چاہتا ہوں، میں مرنا چاہتا ہوں لیکن بے رحم وقت نے مجھے اس کے ساتھ جانے نہ دیا۔ کتنا بدنصیب ہوں، میرے جیسے مقدر خدا کسی کو بھی دے۔ پہلے پیار کو ترسا تھا لیکن جب پیار ملا، پیار ملنے کی خوشی تھی پھر تقدیر نے میرے ساتھ مذاق کیا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ میرا کیا قصور تھا، کیوں خوشیاں چھین کر کانٹوں کے حوالے کیا گیا؟ میں نے اس کیا بگاڑا تھا کیوں آخر کیوں؟ اس نے میرا پیار چھین لیا اور ساتھ ہی بلک بلک کر رونے لگا۔ جب اس نے دل کا غبار اتار لیا تو یوں گویا ہوا۔ آیئے قارئین اس کی کہانی اسی کی زبانی سنتے ہیں۔

میری پیدائش ایک متوسط گھرانہ میں ہوئی گھر میں دوسرا نمبر تھا۔ میری پیدائش پر مٹھائیاں تقسیم کی گئیں کیونکہ مجھ سے پہلے ایک بہن پیدا ہوئی تھی۔ میری خوشی بہت زیادہ منائی گئی۔ کیونکہ اس دور میں ہمیشہ بیٹے کو ہی اہمیت دی جاتی تھی۔ بیٹی چاہے کتنی ہی نصیبوں والی ہو ہمیشہ ظلم و ستم کا شکار رہی ہے۔ گھر میں دعوت پارٹی کا اہتمام کیا گیا جس میں سبھی رشتہ داروں کو مدعو کیا گیا۔ دوستوں نے شمولیت حاصل کی۔ میرا نام احمد رکھا گیا۔ زندگی بڑھنے لگی، بظاہر میں بڑا ہو رہا تھا حقیقت میں میری زندگی کا ایک ایک لمحہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ گھر میں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں، بہاریں ہی بہاریں تھیں۔ امی ابو بہت پیار کرتے تھے، بچپن گھوڑے پر سوار گزرتا جا رہا تھا۔ جب چھ سال کا ہوا تو مجھے مقامی اسکول میں ایڈمیشن کروا دیا گیا۔ میں اور میری بہن یاسمین اسکول جانے لگے۔ گھر میں سبھی خواہشات ایک اشارے سے پوری کر دی جاتی تھیں۔ برادری، محلے داروں میں بہت عزت تھی۔ سبھی ہمیں بہت پیار کرتے تھے۔ وقت کا گھوڑا منزل کی طرف گامزن تھا۔ زندگی بیتتی گئی، ہم پرائمری سے ہائی اسکول جانے لگے۔ کچھ دوست بچھڑ گئے تھے، کچھ نئے دوست ہمسفر بن گئے تھے۔ میں بہت ذہین تھا، ہر کلاس میں اوّل آنا میرا مقصد تھا۔ میری سسٹر بھی بہت ذہین تھی ہم دونوں اکٹھے اسکول جاتے۔ اس سے کے اسکول میں چھوڑ کر میں اپنے اسکول چلا جاتا۔ گھر والے گڑیا کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ تھی ہی گڑیا کی طرح۔

خوبصورت گول مٹول ننھی سی گڑیا۔ واپسی کے بعد پھر میں اسے ساتھ لے آتا۔ زندگی کے دن موسم کی طرح بدلتے جارہے تھے۔ ہم بچپن کی لڑائی جھگڑے، کھیل کود بھولنے لگے۔ میں نے میٹرک مکمل کر لی تھی اور یاسمین بھی میٹرک کر چکی تھی۔ پھر ہماری راہیں جدا جدا ہو گئیں۔ وہ کالج جانے لگی میں شہر ہوسٹل میں چلا گیا۔ اتنے عرصے میں میرے گھر میں تین بھائی اور ایک بہن کی پیدائش ہو چکی تھی۔ گھر کا ماحول دوستانہ تھا۔ شام کو خوب ہلا گلا ہوتا تھا۔ ہم بڑے بہن بھائی لڈو کھیلتے تھے اور اس کی ہار جیت پر شرطیں لگتی تھیں۔ پھر خوب پارٹی ہوتی۔ ہر سو خوشیاں ہی خوشیاں رقص کرتی تھیں۔ زندگی پھولوں کے نگر میں وزٹ کر رہی تھی۔ غموں کا دور دور تک نام ونشان تک نہ تھا۔ اپنے پرائے نہ تھے، موسم ہم پہ رشک کرتا تھا، شجر ہماری خوشیوں کی مثالیں دیتے تھے، پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں ہمارے قصے ایک دوسرے کو سناتے تھے۔ برادری والے، محلے والے ہماری مثالیں دے کر اپنی اولاد کو تربیت دیتے تھے۔ ہم بچپن سے لڑکپن اور پھر جوانی میں قدم رکھ چکے تھے۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ میرے اندر بھی خواہشات، جذبات، امنگیں سر اٹھانے لگی تھیں۔ میرا دل بھی ہمسفر چاہتا تھا، کسی کا انتظار کرنے لگا۔ اب میں اس عمر میں تھا جہاں سبھی کو ایک ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے جو دھک سکھ کا ساتھ ہو۔ وہ مجھے اپنے دل کا حال سنائے اور میں اس کو اپنے دل کا حال سناؤں۔ میرے اندر بھی توڑ پھوڑ کا سلسلہ جاری تھا۔ نگاہیں کسی کی منتظر تھیں، آنکھیں کسی کے سپنے دیکھنے لگی تھیں، من مندر میں کسی کی تصویر قبضہ کرنے لگی، ہر طرف اسی کا چہرہ منڈلانے لگا، وہ کوئی اور نہیں تھا میرا ہمسایہ تھا، اس کا گھر میرے گھر سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا، مجھے کالج جاتے ہوئے روز دیکھتا تھا لیکن میں نے کوئی توجہ نہ دی۔ یہ سلسلہ کچھ عرصے سے چل رہا تھا، میں ہوسٹل کو چھوڑ چکا تھا اور روز گھر سے ہی کالج جاتا تھا۔ پھر ایک دن موسم انگڑائی لے رہا تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ برسات کی پہلی بوند زمین پر گری زمین خوش ہو کر اپنے رنگ دکھانے لگی، شجر چہکنے لگے، پرندے خوشیاں منانے لگے، سوکھے درختوں پر بہار آنے لگی تھی، میری جان نے خود اظہار محبت کیا تھا۔ وہ لڑکی ہو کر بھی جیت گئی تھی اور میں مرد ہو کر بھی ہار چکا تھا۔

مجھے آج بھی یاد ہے جب اس نے مسکراتے ہوئے سڑک کنارے درخت کی اوٹ میں کھڑے ہو کر مجھے آواز دی تھی۔ میں چند لمحے چونک سا گیا تھا۔ پھر اس نے دوبارہ آواز دی اور ہاتھ کا اشارہ کیا تھا۔ پھر ایک کاغذ کا ٹکڑا خوبصورت رومال میں لپٹا ہوا پھینکا تھا اور اشارہ کر کے کہا اٹھا لو۔ اس کی نظریں سب کچھ کہہ گئی تھیں۔ موٹی موٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے مسکراتی چلی گئی تھی۔ مجھے آج بھی اس کی پہلی نظر یاد ہے۔ وہ تو چلی گئی تھی میرے دل کے تار ہلا گئی تھی۔ میں نے وہ رومال اٹھایا اور کالج کی طرف روانہ ہو گیا لیکن آج کالج کیا جانا تھا میں پارک میں چلا گیا، وہاں لگے گلاب کے پھولوں کے سنگم میں بیٹھ کر رومال کھولا جس میں ایک کاغذ نکلا۔ جو خوشبو سے معطر تھا اس میں چند اشعار لکھے تھے اور اظہار محبت کی تحریر میرے نام تھی جس کے چند الفاظ یہ تھے۔

سلام ومحبت! میرے شہزادے میرے من مندر کے راج، میری آنکھوں کی ٹھنڈک، روح کا سکون، سرسوں کے ساگ میری جان اک عرصہ ہو گیا ہے آپ کی محبت میں اکیلی جل رہی ہوں، آج دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کاغذ قلم کا سہارا لیا۔ سوچتی تھی کہ اظہار تم کرو گے لیکن تم تو لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے ہو آخر ہمت کر کے خود ہی اظہار محبت کر رہی ہوں۔ مجھے تیری چاہت نے دیوانہ کر دیا ہے، تو ہی میرے دل کے نہاں خانوں میں سمایا ہے، کئی بار دل کو سمجھایا کہ یہ محبت دھوکہ ہے، محبت آگ ہے جل جائے گی لیکن نادان تیرے گن گاتا رہتا ہے۔ کیا کروں مجھے بھی معلوم تم بھی محبت کرتے ہو لیکن اظہار نہیں کر رہے۔ میری محبت کو تسلیم کر لو زندگی کی آخری سانس تک ساتھ نبھاؤں گی۔ یقین نہ آئے تو آزما لینا تمہارے لئے جان اجان وارے دوں



گی۔ جلدی میں لکھ رہی ہوں کوئی غلطی گستاخی ہو گئی ہو تو معذرت خواہ ہوں۔ میری محبت اک جواب محبت سے دینا ورنہ تیری یہ دیوانی جیتے جی مر جائے گی۔ واپسی کا انتظار رہے گا۔ والسلام! فقط آپ کی دیوانی ایمان

لیٹر کیا تھا دل کا حل تھا۔ کئی بار رومال اور لیٹر کو چوما، ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اک نظر گلاب کے پھولوں پر پڑی تھی جو ایک دوسرے کے گلے مل رہے تھے جیسے مجھے مبارک باد دے رہے ہوں۔ میں نے ایک گلاب کو اپنے کانوں کے ساتھ لگایا جیسے مجھے کہہ رہا تھا۔ احمد تو بڑا قسمت والا ہے تجھے محبت بلا رہی ہے۔ کبھی اسے دھوکہ مت دینا، اسے تنہا نہ کر دینا، ہمیشہ اس کا ساتھ دینا، دل بڑا نازک ہوتا ہے اسے مت توڑنا۔ میں نے اسے کہا اے گلاب میری محبت کا گواہ بن جا میں تیرے سامنے اپنی ایمان کو محبت کا جواب محبت سے لکھتا ہوں۔ وہ مسکرا دیا اور میرا چہرہ بھی کھل اٹھا میں نے کاغذ قلم لیا اور جوابی لیٹر لکھ دیا جس کے چند الفاظ ہی تھے۔

سلام محبت، میری جان! میری آرزو، آپ کا محبت نامہ ملا میں اپنے آپ کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔ اپنی قسمت پہ ناز ہو رہا ہے کہ کوئی مجھے اتنا چاہتا ہے کوئی میرا انتظار کر رہا ہے۔ کوئی میری راہیں دیکھتا ہے۔ میری جان! میں بھی محبت کرتا تھا لیکن زمانے کے ستم ظریفی سے گھبرا جاتا تھا۔ اب آپ کا ساتھ ملا ہے، اب کوئی دیوار بھی ہمارے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہو گی۔ میری جان ہمیشہ میرا ساتھ دینا، کبھی مجھ سے جدا نہ ہونا ورنہ تیرا دیوانہ بے موت مر جائے گا۔ آپ کی محبت مجھے دل وجان سے قبول ہے اور زندگی کی آخری سانس تک ساتھ نبھاؤں گا، وفا کا دامن کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ والسلام! فقط آپ کا اپنا احمد

خط میں نے گلابوں کی پتیاں ڈال کر فولڈ کیا اور گلابوں کے نگر کو الوداع کر کے پارک سے باہر نکل آیا۔ دوپہر کے دو بجنے کو تھے ہوٹل پہ کھانا کھایا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ آج سڑک خوشیوں کے گیت سنا رہی تھی۔ سڑک کنارے لگے شجر جھوم رہے تھے، ہر طرف بہار ہی بہار تھی۔ موسم عاشقانہ تھا۔ کہتے ہیں ناں دل کا موسم خوشگوار ہو تو باہر کی خزاں بھی بہار میں بدل جاتی ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ کڑکتی دھوپ مجھے ٹھنڈی چھاؤں محسوس ہو رہی تھی۔ لوگ اپنے آپ کو سائے کی اوٹ میں لے رہے تھے اور میں دیوانہ گرمی کی شدت کو پس پردہ ڈالے محبوب کی یادوں میں خیالوں میں گن گا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد گھر پہنچا کتابیں ٹیبل پر رکھیں فریش ہونے چلا گیا۔ پھر بہنوں کے ساتھ لڈو کھیلنے لگا۔ لڈو کھیلتے کھیلتے شام ہو گئی اور میں ڈنر کر کے اپنے روم میں چلا گیا۔ اپنے محبوب کا پہلا لیٹر کھولا اور بار بار پڑھا، چومتا رہا، اسی کے خیالوں میں اسی سے باتیں کرتے ہوئے نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ آنکھیں کیا بند ہوئیں ایمان کو منتظر پایا جو مجھے محبت نامہ کا جواب مانگ رہی تھی۔ پھر رات کیسے گزری کچھ معلوم نہیں۔ آنکھ جب کھلی سورج اپنی کرنیں زمین پر بکھیر چکا تھا، اٹھا فریش ہو کر جلدی جلدی ناشتہ کیا اور کتابیں لے کر کالج کی طرف چل پڑا۔ مجھے بہت انتظار تھا کہ میرا صنم، میری ایمان انتظار میں ہو گی۔ گھر سے چند قدم چلا تھا کہ میری ایمان اسی درخت کی اوٹ میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس کی نظریں مجھ سے مخاطب تھیں اور اپنے محبت نامہ کا جواب مانگ رہی تھی۔ میں نے اس کے پاس جا کر اپنا حال دل اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور جلدی جلدی کالج روانہ ہو گیا۔ راستے میں مختلف خیالات ذہن کی پردہ سکرین پر آتے رہے۔ میری جان نے خط پڑھ لیا ہو گا یا نہیں۔ اسی طرح ہم دونوں نے آغاز محبت کیا۔ ہم ہر روز ایک دوسرے کا دیدار کرتے تھے۔ روز خطوط کے تبادلے ہوتے جس میں وعدے قسمیں ساتھ نبھانے کے عہد و پیمان ہوتے، کبھی نہ چھوڑنے کی باتیں ہوتیں۔ پھر ایک اتوار ہم نے ملنے کا پروگرام بنایا۔ ایک دوسرے سے وقت کو پابند کر کے مقررہ مقام پر پہنچ گئے۔ جب میں مقررہ مقام پر پہنچا تو میری ایمان میرے انتظار میں تڑپ رہی تھی۔ انتظار برا ہوتا ہے چاہے محبوب کا ہو یا محبوب سے ملنا کا۔ خاص طور پر کسی سے پہلی ملاقات کا

انتظار تو سولی پر لٹکا دیتا ہے۔ اک اک لمحہ عذاب بن جاتا ہے۔ انسان کا بس نہیں چلتا کہ وقت کو اپنی قید میں کر لے۔ وقت کا بے لگام گھوڑا اپنی رفتار سے گزرتا گیا اور گزرتا ہی جائے گا۔ میری ایمان کی نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ میرا انتظار میں کتنی بے چین تھی۔ کالے لباس میں بہت سندر لگ رہی تھی۔ آنکھوں میں ہلکا سا کاجل، سفید دودھ کی طرح چمکتے ہاتھ، تاروں جیسا چمکتا چہرہ، ہونٹوں پر لالی قیامت ڈھا رہی تھی۔ میں نے جاتے ہی سلام کیا۔ میری ایمان نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ اتنی دیر کر دی آپ نے آنے میں، میں کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ حالانکہ میں صرف دس منٹ ہی لیٹ ہوا تھا۔ چند گلے شکوے ہوئے پھر بھی ناراضگی بھلا کر ہم پیار کی باتوں میں مگن ہو گئے۔ ہماری ملاقات پبلک پوائنٹ پر ہوئی تھی۔ ہم ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پیار کا ثبوت دے رہے تھے۔ ایمان تم مسکراتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔ جب میں یہ کہتا تو میری ایمان پھر سے مسکرا دیتی اور میں بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکتا۔ میری ایمان نے کولڈ ڈرنک منگوایا۔ افسوس وہ کہاں نصیب ہوا تھا۔ اچانک مجھے چکر آنے لگے۔ زمین گھومتی نظر آنے لگی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا، میری ایمان تڑپ اٹھی، بار بار میرے چہرے پر ہاتھ پھیرتی تھی، کبھی ادھر کبھی ادھر کسی مسیحا کی تلاش کرتی۔ آخر میری حالت کو دیکھتے ہوئے میری ایمان مجھے ہسپتال میں لے گئی وہاں ڈاکٹر کے آگے التجائیں کرنے لگی۔ ڈاکٹر نے میرا چیک اپ کیا۔ اس نے کہا۔ ایسا کچھ نہیں بس خالی پیٹ تھا اس لئے چکر آنے لگے، تم اسے جوس پلاؤ۔ میری ایمان کی اتنی محبت دیکھ کر ڈاکٹر پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ آخر اس نے سوال کر ہی دیا کہ یہ آپ کے کیا لگتے ہیں؟ میری ایمان نے بغیر کسی خوف سے فوراً سے پہلے ہی کہہ دیا۔ میرے شوہر ہیں۔ میری نظریں اسی وقت اپنی ایمان کا طواف کر رہی تھیں۔ دل چاہا کہ اپنی ایمان کو اپنے سینے سے لگا لوں، کیا کرتا محبت کے تقاضے عجیب ہوتے ہیں۔ محبت کب کسی کا سوچتی ہے اسے تو کسی کی فکر نہیں ہوتی۔ فکر ہوتی ہے تو صرف اپنے محبوب کی ہوتی ہے۔ میری ایمان نے مجھے جوس منگوا دیا اور اپنے ہاتھوں سے پلایا تھا۔ میری نظریں اس کے چہرے سے نہیں ہٹتی تھیں جس پر وہ کہنے لگی۔ احمد اس طرح مت دیکھو میں مر جاؤں گی، مجھے شرم آ رہی ہے۔ کچھ دیر ہسپتال میں رہے وہ میرا سر دبا رہی تھی تو کبھی پاؤں دبا رہی تھی۔ وہ بھولی شیرنی کی طرح کبھی ادھر جاتی کبھی ادھر جاتی۔ اسے میری تکلیف برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ بار بار احمد...... احمد کہہ کر پکار رہی تھی۔ احمد تم ٹھیک تو ہو۔ حالانکہ کوئی بڑی پرابلم نہیں تھی پھر بھی وہ اتنی تڑپ اٹھی تھی۔ ڈاکٹروں کے سامنے اپنی گود میں سر رکھ کر دبا رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کے ہاتھوں کے لمس میرے چہرے پر محسوس ہوتے، شرارت سے میری ناک کھینچ دیتی تھی اور ساتھ ساتھ بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی اور یہ سب کچھ ایک لیڈی ڈاکٹر دیکھ کر بڑی محظوظ ہو رہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔

وہ لمحے وہ باتیں میری زندگی کے اہم ترین لمحات تھے۔ کاش ساری زندگی ہسپتال میں ہی رہتا، کبھی صحت یاب نہ ہوتا، میری ایمان میرے ساتھ رہتی، مجھے اپنی گود میں سلا کر پیار کرتی رہتی۔ کاش ایسا ہوتا۔ یہ تو صرف انسان سوچ سکتا ہے ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ پھر جدائی کے لمحات آ گئے۔ نہ چاہتے ہوئے ہم جدا ہو گئے۔ ایک دوسرے کو تحائف دیئے، رخصت ہوتے وقت میری ایمان کی آنکھوں میں موتی تیرنے لگے۔ پلیز ایمان ایسا کبھی نہ کرنا، میں تڑپ جاؤں گا۔ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ تم مسکراتی اچھی لگتی ہو۔ میں نے سنہری رنگ کی واچ تحفے میں دی جو مجھے بہت پیاری لگتی تھی۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی ایمان کی کلائی میں باندھی تھی۔ میری ایمان بہت خوش ہو رہی تھی۔ میری ایمان نے مجھے ویلٹ دیا۔ ساتھ میں تصویروں کا تبادلہ ہوا۔ ساتھ میں ایک قلم بھی دیا۔ یہ دیکھو میرے سینے سے لگا یہ پین میری ایمان کی نشانی ہے۔ یہ کہتے ہوئے احمد زور زور سے رونے لگا۔ صبر کرو احمد۔



میں اسے دلاسے دے رہا تھا۔ جوابی الفاظ میں احمد کہنے لگا۔ آپ کے دلاسے دینے سے میری ایمان میرے پاس تو نہیں آ سکتی۔ کیسے، کیا ہوا ایمان کو؟ آگے بتاؤ ناں۔

بس اک وہی حسین یادوں بھری ملاقات تھی جس میں میری ایمان جان نچھاور کر رہی تھی۔ پھر جدائی کے لمحات کیا آئے زندگی بکھر گئی۔ اس ملاقات کے ساتھ کبھی کبھار ہمارے راستے میں بازار میں ملاقات ہو جاتی۔ ایک دوسرے کا دیدار کر کے نظروں کی پیاس بجھا لیتے تھے۔ وہ شادی کرنا چاہتی تھی اور میں نے بھی ہاں کر دی تھی۔ وہ ساری زندگی میری خدمت کرنا چاہتی تھی۔ ہماری ملاقاتوں میں مستقبل کے پلان ہوتے تھے۔ آگے کیا کرنا ہے، کیسے ظالم زمانے سے اپنے پیار کی جنگ لڑنی ہے۔ ہمیں معلوم تھا وہ ہمیں اکٹھے نہیں دیکھ سکیں گے۔ میری ایمان مجھے کہتی۔ احمد میں تمہارے بغیر موت کو گلے لگا سکتی ہوں کسی اور کی ڈولی میں نہیں بیٹھوں گی۔ کسی اور کے نام کی مہندی ہاتھوں پر نہیں سجاؤں گی۔ کسی اور کے لئے نہیں سنوروں گی۔ میرا میک اپ تیرے لئے ہو گا، میں صرف تیرے نام کا سرخ جوڑا پہنوں گی ورنہ کفن تو میرا منتظر ہی ہو گا۔ میں اسے اتنا کہتا نہیں جان ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ ہم ایک کشتی کے مسافر ہیں، ہمارا راستہ ایک ہے، ہماری منزل ایک ہے، ہمیں کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ اک روز ہم ندی کنارے پیپل کے درخت کے سائے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، ہمیں نہیں معلوم تھا کہ کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے۔ کہتے ناں عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ کچھ اس طرح ہمارے ساتھ بھی ہوا۔ ہمارے پیار کی کشتی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی کہ سیلاب آیا اور ہمارے پیار کی کشتی الٹ گئی۔ پھر سب کچھ بہہ گیا۔ زندگی بہاروں کے نگر سے نکل کر صحراؤں کی تپتی ریت کی نظر ہو گئی تھی۔ جہاں صرف اور صرف درد ہی درد، کانٹے ہی کانٹے تھے۔ لمحہ لمحہ موت کے مناظر تھے۔ یہ پیار کے مسافر منزل سے پہلے لٹ گئے۔ ہمیں باتیں کرتے ہوئے ایمان کے کزن نے دیکھ لیا، اس نے جا کر ایمان کے گھر والوں کو بتا دیا، پھر کیا تھا اک نہ ختم ہونے والا طوفان منتظر تھا۔ ایمان کانپ اٹھی احمد کیا ہو گا۔ حوصلہ ایمان خدا بہتر کرے گا۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے، خدا خیر کرے۔ ہم ایک دوسرے کو حوصلہ دینے کے سوا کر بھی کیا سکتے تھے۔ شام کو خبر ملی کہ ایمان کو گھر والوں نے بہت مارا ہے۔ وہ مرنے کے قریب ہے لیکن اس کے لبوں پر صرف اور صرف احمد کا نام ہے۔ وہ کہتی ہے میں احمد سے محبت کرتی ہوں، کرتی رہوں گی چاہے میری زندگی لے لو۔ اس کے والدین بھائیوں نے ستم کی انتہا کر دی۔ چارپائی کے ساتھ باندھ کر مارا گیا۔ اس پیار کی دیوی نے پھر بھی انکار ہی کیا اور صرف یہی کہتی رہی کہ آج بھی میں احمد کی ہوں، کل بھی احمد کی رہوں گی۔ ادھر جب مجھے خبر ملی میرا خون کھول اٹھا، میری ایمان اکیلی تڑپ رہی تھی، اذیت برداشت کر رہی تھی، دشمنوں کا مقابلہ کر رہی تھی، میں کیوں خاموش رہ جاتا۔ میں بہت کچھ کرنا چاہتا تھا لیکن کچھ تقاضے تھے سو میں نے اپنے گھر والوں کو بھی کچھ بتا دیا۔ میں شادی کروں گا تو صرف اور صرف ایمان سے ورنہ میری زندگی کا مالک کوئی بھی نہیں ہو گا۔ پہلے تو وہ سخت ناراض ہوئے مجھ پہ ستم کیے لیکن آخر وہ ہار گئے اور میری بات مان لی۔ ماں میرے صدقے واری ہو رہی تھی، میں اپنے بیٹے کو غمگین نہیں دیکھ سکتی، میں اس کی خوشیاں اسے دلواؤں گی۔ ادھر ایمان پر پابندی لگا دی گئی، کھانا پینا کمرے میں ملنے لگا، اٹھنے بیٹھنے پر نظر رکھی جانے لگی، جلد از جلد اس کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ ادھر میں نے والدین کو رشتے کے لئے بھیج دیا۔ میرے گھر والوں کو دیکھ کر وہ اور بھی آگ بگولہ ہو گئے۔ تمہارے بیٹے کی وجہ سے یہ سارے حالات پیدا ہوئے ہیں۔ ہمیں بدنام کر دیا گیا ہے ہماری عزت خاک میں ملا دی۔ دفع ہو جاؤ پھر کبھی ادھر کا رخ مت کرنا ورنہ برا ہو گا۔ ہم جلدی ہی ایمان کی شادی کر دیں گے۔ میرے والدین ناامید ہو کر واپس آ گئے۔ گھر آئے تو چہرے اترے ہوئے تھے، میں سمجھ گیا کہ انہوں نے انکار کر دیا ہے لیکن میں نے ہار نہیں مانی۔ ایک دل

چاہا کہ چند غنڈوں کو بلوا کر ایمان کو اٹھوا دوں لیکن میری ایمان ایسا نہیں چاہتی تھی، سو میں خاموش رہا۔ امی جان کو کہنے لگا۔ دیکھ لینا ایک دن ایمان میری ہو گی۔ میں پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ ادھر ایمان کے گھر بڑے بڑے رشتے آنے لگے لیکن ایمان مسلسل انکار کرتی گئی۔ اسے مارا گیا، اذیت دی گئی، اس کے جسم پر زخموں کے نشان پڑ گئے، جگہ جگہ سے زخموں سے خون ٹپکتا تھا لیکن حسن کی دیوی وفا کی پیکر محبت کی شہزادی اپنے فیصلے پر اٹل تھی۔ ادھر میں مسلسل کوشش کر رہا تھا۔ ایک دفعہ پھر والدین کو مجبور کر کے بھیج دیا۔ میری ضد کے آگے وہ ہار گئے تھے۔

اس دفعہ انہوں نے انکار نہیں کیا تھا بلکہ کچھ مہلت مانگی تھی۔ ایمان کو مسلسل مجبور کیا گیا لیکن بے سود اس کی زبان پر صرف ایک ہی نام تھا اور وہ تھا احمد...... احمد۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پائے تھے۔ ایمان کی ماں اور ایک بھائی آخر ہار گئے لیکن ایمان کا باپ اور دوسرا بھائی اپنی ضد پر قائم تھے۔ انہوں نے جان سے مارنے کی دھمکی بھی دی لیکن ایمان پر دھمکی کیا اثر کرتی تھی وہ تو پہلے مر چکی تھی۔ صرف چند سانسوں کی ڈوری باقی تھی وہ صرف احمد کے لئے تھیں۔ وہ تو دل و جان سے احمد کی ہو چکی تھی۔ اسے موت کی کوئی فکر نہیں تھی۔ دشمن اپنی سازش کر رہے تھے لیکن ناکام سے ناکام تر ہو رہے تھے۔ پھر ایمان کی محبت رنگ لائی، دشمن ہار گیا۔ اس کے گھر اس چٹان کے آگے ریت کی دیوار ثابت ہوئے آخر محبت جیت گئی۔ ایمان کے گھر والے راضی ہو گئے، دشمنوں کو منہ کے بل گرنا پڑا تھا۔ ایمان کے رشتے دار ان سے ناراض ہو گئے تھے، میرے گھر والوں کو رشتہ دے دیا گیا تھا۔ سوکھے شجر پھر سے ہرے بھرے ہو گئے تھے، خزاں بہار میں بدل چکی تھی، غموں کے بادل چھٹ چکے تھے، محبتوں کے پھول کھل اٹھے تھے، پرندوں نے چہچہانا، گیت گانا شروع کر دیئے تھے۔ میرا گھر پھر سے خوشیوں سے کھل اٹھا تھا۔ ہر طرف سے مبارک باد کے پھول نچھاور کئے جا رہے تھے۔ ایمان کے ساتھ ان کے گھر والوں کا رویہ ٹھیک ہو گیا تھا۔ اس سے پیار کرنے لگے تھے، اپنی زیادتیوں اور ظلم و ستم کو معافی مانگنے لگے تھے۔ ایمان کے چہرے پر پھر سے مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ کچھ عرصے سے مرجھایا چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھا تھا۔ ایمان بھی خوشیوں کے گیت گانے لگی تھی۔ ایمان کی محبت جیت گئی تھی، ظالم زمانہ ہار گیا تھا۔

کہتے ہیں ناں لگن سچی ہو تو منزل مل ہی جاتی ہے۔ ہم بھی منزل کے قریب پہنچ گئے تھے صرف چند دنوں کی بات تھی، جلد از جلد ایک ہونے والے تھے۔ دوستوں میں، عزیزوں میں، برادری میں شادی کے کارڈ تقسیم کر دیئے گئے، سارے گھر کو خوبصورت لائٹوں سے سجایا گیا تھا، گلی سے بڑی سڑک تک لائٹوں، چونے اور سرسبز پودوں سے سجایا گیا تھا۔ گھر میں نوجوان لڑکیاں شادی کے گیت گانے لگیں، راتوں کو محفلیں سجنے لگیں، ہر کوئی ایمان کے نام سے چھیڑنے لگا۔ بڑا نصیبوں والا ہے تو احمد تجھے محبت کرنے والی بیوی مل گئی ہے۔ میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ ادھر ایمان کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ اس کی سہیلیاں اسے تنگ کر رہی تھیں۔ میری باتیں میرے سپنے دکھا کر تنگ کیا جا رہا تھا۔ مہندی کی رات خوب محفلیں سجیں اور رات گئے سبھی سو گئے۔

آج اپنوں دوستوں کے ہمراہ باراتیوں کے ہمراہ بڑی بڑی گاڑیوں میں اپنی ایمان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنانے جا رہا تھا۔ پھر کبھی کوئی ہمیں جدا نہیں کر سکے گا۔ جاگتی آنکھوں میں ہزاروں خواب سجائے ڈھول کی تال اور دوستوں کے ڈانس کے ساتھ ایمان کے گھر جا پہنچے۔ دلہن والوں نے خوب استقبال کیا، باراتیوں کی خاطر تواضع کی گئی۔ ہر چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا میں دولہے کے روپ میں دوستوں کے جھرمٹ میں بیٹھا تھا۔ نکاح کا ٹائم ہوا۔ نکاح پڑھایا گیا۔ ایمان نے بھی مجھے قبول کر لیا تھا، میں جیت گیا تھا، محبت جیت گئی تھی، ظالم زمانہ ہار گیا تھا، پیار کے دشمن اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں جل



کر راکھ ہو گئے تھے، رخصتی کا وقت آن پہنچا۔ ایمان سہیلیوں کے جھرمٹ میں پری جیسی لگ رہی تھی، میری اک نظر اٹھی، ایمان سہیلیوں کے ہمراہ گاڑی کے پاس آ رکی تھی۔ شہنائیاں بج رہی تھیں۔ ایمان کے گھر والے افسردہ کھڑے تھے۔ یہ وہ لمحات ہوتے ہیں جب خوشی اور غمی کے آنسو ایک ساتھ نکلتے ہیں۔ گاڑی تک جانے کے لئے چند قدم چلنا تھا مووی بنائی جا رہی تھی، جیسے ہی میری ایمان میرے پاس آئی اچانک کچھ ہوا اور ایمان لڑھک گئی اور میری بانہوں میں جھول گئی۔ احمد دیکھو میں تمہاری ہو گئی۔ اب کوئی ہم سے جدا نہیں کر پائے گا۔ ایمان...... ایمان میں چیخ رہا تھا اور ایمان کے منہ سے خون جاری تھا اور میری ایمان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو گئی۔ تقدیر نے کیا خوب کھیل کھیلا تھا۔ پہلے زمانہ ملنے نہیں دیتا تھا، جب زمانہ ہار گیا ہم جیت گئے تو تقدیر نے ہمیں ملنے نہ دیا اور ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ ایمان آنکھیں کھولو دیکھو اس طرح احمد کو چھوڑ کر تم نہیں جا سکتی۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں ایمان۔ تیرا احمد مر جائے گا، اسے کون سہارا دے گا ایمان۔ ایمان تم ایسے نہیں جاؤ گی۔

انہی الفاظ کے ساتھ احمد دیوانگی کے ساتھ اٹھ کر بھاگا نہ پاؤں میں جوتے تھے نہ کوئی ہوش تھا شاید نیم پاگل ہو چکا تھا۔ دیکھو ایمان مجھے آواز دے رہی ہے، آ رہا ہوں ایمان...... آ رہا ہوں۔ وہ شہر خموشاں کی طرف بھاگ گیا اور میں ادھر مورتی بنا سوچتا رہا۔ آج راز عیاں ہو چکا تھا وہ قبر جو روز پھولوں سے مہکتی تھی اور کسی کی نہیں تھی صرف ایمان کی تھی۔ احمد اپنی ایمان کے پاس چلا گیا اور میں گھر لوٹ آیا۔ چند دن کام کی غرض سے شہر جانا پڑا، جب واپس آیا تو سب سے پہلے شہر خموشاں گیا۔ میں دیکھ کر حیران ہو گیا کہ ایمان کی قبر کے ساتھ ایک اور قبر تھی جو پھولوں سے مہک رہی تھی جیسے ابھی ابھی کوئی یہاں آ کر سویا ہے۔ میری آنکھیں چھم چھم برسنے لگیں۔ وہ قبر احمد کی تھی جو کل رات ایمان کو ملنے آیا تھا اور واپس نہ گیا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایمان کا ہو گیا۔

یہ تھی احمد اور ایمان کی داستان۔ میں آج بھی شہر خموشاں جاتا ہوں، احمد اور ایمان کی قبریں آج بھی گلاب کے پھولوں سے مہکتی ہیں اور ان کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے۔ میں روز ان سے ملاقات کر کے آتا ہوں۔ سلام پیش کرتا ہوں جب بوجھ کم ہوتا ہے تو گھر کو لوٹ آتا ہوں۔

ہاں تو قارئین! یہ تھی دو پریمیوں کی داستان جن کی محبت زمانے سے جیت گئی لیکن تقدیر نے انہیں مہلت نہ دی لیکن پھر بھی آخرت میں مل گئے۔ دعائیں کریں اللہ تعالیٰ انہیں جنت کے باغوں میں اک باغ عطا فرمائے۔

## غزل

کبھی جیت گئے کبھی ہار گئے
کبھی اپنے کبھی غیر ہم کو مار گئے
کل جو خوشیوں میں شریک تھے
آج چھوڑ کے وہ ہار گئے
نہ ملی محبت ہمیں کسی سے
ڈھونڈنے ہر گلی بازار گئے
قربان جاؤں ان کی الفت پہ
جو محبت کے گلشن نکھار گئے
ہمیں ملی آخر بے رخی، بے وفائی
سب قسمیں، سب وعدے بکھر گئے
اے دوست! منزل مبارک ہو تمہیں
تم جیت گئے ہم ہار گئے

☆...... مجید احمد جائی - ملتان

## غزل

ہجوم شہر سے ڈر لگتا ہے مجھے
ہر انسان بے گھر لگتا ہے مجھے
اتنا خون بہا ہے شہروں میں
ہر سو طوفان لگتا ہے مجھے
کس طرح تلاش کروں میں وفا
ہر آستین میں چھپا اک خنجر لگتا ہے مجھے
کیسے کروں ظلمتوں کے گہرے سائے ختم
ہر گھڑی میں طوفان کا دھڑکا سا لگا رہتا ہے مجھے
اپنے غم میں تو بھول گئی کرن
غموں میں پڑا سارا شہر لگتا ہے مجھے

☆ شہزادی کرن بٹ - فیصل آباد

# تمہیں کیسے بھول جاؤں

شمع شام- کراچی

میں جب بھی کسی دربار پر جاتی تو میری پہلی دعا یہی ہوتی کہ علی مجھ سے کبھی بھی جدا نہ ہو۔ پھر کچھ دنوں بعد علی اور عادل کراچی چلے گئے اور کسی فیکٹری میں کام کرنے لگے۔ ادھر میں بہت ہی پریشان رہنے لگی۔ علی جانے سے پہلے مجھ سے مل کر گیا اور کہہ کر گیا کہ جلدی لوٹ آئوں گا۔

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

اُس کی قربت میں قرار بہت تھا
اُس کا ملنا دشوار بہت تھا
وہ جو میرے نصیب میں نہیں
مجھے اُس شخص سے پیار بہت تھا

یہ کچھ دن پہلے کی بات ہے جب میری دوست ثناء اپنے امی ابو کے ساتھ کراچی گھومنے آئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اتنی حسین اور پیاری لڑکی ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی ہوئی تھی۔ کھانا کانے کے بعد جب رات کو ہماری گفتگو ہوئی تو میں نے پوچھا۔ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیسی حالت بنالی ہے اپنی تو وہ بولی۔ عشق میں سبھی کا یہی حال ہوتا ہے۔ میرے بہت سارے اصرار پر اس نے اپنی درد بھری کہانی سنانی شروع کی۔ آیئے میری دوست ثناء کی زبانی سنتے ہیں۔

ہم لوگ ضلع نوشہرو فیروز کے ایک چھوٹے سے شہر کے آس پاس ایک گاؤں میں رہتے تھے اور ہم پانچ بہن بھائی تھے۔ تین بھائی اور دو بہنیں۔ تین بھائی مجھ سے بڑے تھے اور میں چھوٹی بہن سے بڑی یعنی چوتھے نمبر تھی۔ مجھ سے چھوٹی میری ایک اور بہن تھی۔ والد صاحب کھیتی باڑی کا کام کرتے اور ہم پانچ بہن بھائی اسکول جاتے۔ ہمارے گاؤں کے قریب ہی پرائمری اسکول تھا لیکن مڈل اور ہائی اسکول بہت دور تھے۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا اور ہم آہستہ آہستہ بڑے ہونے لگے۔ اب بھائی ہائی اسکول جانے لگے تھے اور میں اور میری چھوٹی بہن ابھی پرائمری اسکول میں تھیں۔ جب میں نے پانچ جماعتیں پاس کیں تو ابو سے کہا کہ مجھے بھی آگے پڑھنا ہے تو ابو نے میرا داخلہ بھی مڈل اسکول میں رکوا دیا۔ آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا اور اب میں کافی بڑی ہو گئی تھی اور نائن کلاس میں تھی اور ابھی میری چھوٹی بہن ساتویں کلاس میں تھی۔ بھائیوں نے کسی نے میٹرک تو کسی نے انٹر کر کے گھر پر ہوتے۔ ہمارے گھر میں بھینس اور بکریاں وغیرہ بھی تھیں۔ ہمارے گھر کے سامنے گلی تھی اور گلی کی دوسری طرف میری دادی جان کا گھر تھا، وہ میرے ابو کی سگی چاچی تھیں ان کے شوہر نہیں تھے فوت ہو چکے تھے۔ ان کی ایک بیٹی تھی صنم، وہ میری عمر کی تھی اور میری گہری دوست بھی۔ ہمارے گھر کے ساتھ میری دوست کوثر کا گھر تھا وہ اور ان کے چچا ساتھ میں رہتے تھے اُس کے چچا کا ایک بیٹا تھا جس کا نام علی تھا بچپن میں ہم سب مل کر کھیلا کرتے تھے۔ اب وہ بھی بڑا ہو چکا تھا اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کی ہو گئی۔ ہمارا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا لگا رہتا میں کوثر اور صنم عید پر ایک دوسرے کو گفٹ دیتے، ایک دوسرے کے گھر جاتے۔ خیر بہت اچھا وقت گزر رہا تھا، علی اور اس کا کزن

یعنی کوثر کا چھوٹا بھائی عادل کبھی کبھی ہمارے گھر ٹی وی دیکھنے آتے، ہم عادل سے خوب مذاق کرتے لیکن علی نے کبھی کوئی بات نہیں کی۔ علی نے بھی میٹرک کیا ہوا تھا اوراب گھر پر ہوتا۔

ایک دن میں گھر پر اکیلی برتنوں کی صفائی کر رہی تھی کہ علی اوراس کے ابو اپنے کمرے کی چھت پر چڑھے ہمارے کمروں کی چھتیں ساتھ ملی ہوئی تھیں، میں باہر آنگن میں برتنوں کی صفائی کر رہی تھی کہ اچانک میری نظر علی پر پڑی اس نے میری طرف دیکھا نجانے اس ایک نظر میں ایسا کیا تھا کہ وہ میری روح میں اتر گئی۔ میں دل ہی دل میں اسے چاہنے لگی تھی لیکن کسی کو بتایا نہیں اور ایک دو دن بعد علی کراچی چلا آیا۔ جب علی کی امی ہمارے گھر آئی تو وہ میری امی کو بتا رہی تھی کہ علی کو کراچی بھیج دیا ہے وہ اب کسی فیکٹری میں کام کرتا ہے۔ میں نجانے کیوں بہت ہی اداس رہنے لگی تھی جیسے میری کوئی قیمتی چیز کھو گئی ہو۔ اسی دوران میں کوثر کے گھر گئی اور اس سے علی کی کچھ کیسٹیں لے آئی۔ سننے کے لئے میں نے وہ کیسٹیں سن کر ان کے اندر والی سائیڈ پر کچھ شعر لکھ دیئے اور واپس دے آئی۔ میری عمر سولہ سال کی تھی بھائی کہتے کہ گھر سے باہر کم نکلا کرو لیکن میں کبھی دادی کے گھر تو کبھی جب امی ابو کھیتوں میں ہوتے تو انہیں کھانا یا پانی وغیرہ دینے اکیلی نکل جاتی۔ میری پیاسی نگاہوں کو ہمیشہ علی کی تلاش رہتی۔ جب بھی امی بکریوں کے لئے گھاس وغیرہ لینے جاتی تو میں بھی ضد کرتی کہ میں بھی ساتھ چلوں گی۔ مجھے ہرے بھرے کھیتوں میں بہت مزہ آتا۔ ہمارے گاؤں کے قریب آم اور لیموں کا باغ تھا میں اکثر امی کے ساتھ وہاں سے لیموں اور امیاں توڑ کر لاتی۔ ہماری زمین بھی باغ کے قریب ہی تھی۔ گاؤں میں مجھے سرسوں کا ساگ بہت پسند ہوتا اور جب بھی علی کے گھر یا میری دوست کوثر کے گھر ساگ پکتا وہ ہمارے گھر ضرور بھیجتی۔ آہستہ آہستہ وقت گزر رہا تھا کہ دو تین ماہ گزرنے کے بعد میں اور میری امی گھاس کاٹنے جا رہے تھے کہ مجھے علی سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ میں پھولوں کے جیسی کھل اٹھی۔ علی کو دیکھ کر میں بہت خوش ہوئی۔ علی نے ہم سے بات نہیں کی اور اپنے گھر چلا گیا اور ہم لوگ گھاس لینے۔ شام کو مجھے کسی نے بتایا کہ علی صبح کو کراچی سے آیا ہے۔ میں جب بھی گھر سے نکلتی تو خدا سے دعا مانگتی کہ کہیں گلی میں مجھے علی نظر آ جائے اور ہر بار میری دعا قبول ہوتی۔ میں دن میں پانچ چھ بار کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے دادی کے گھر جاتی۔ ہمارے باہر والے دروازے کے سامنے گلی تھی۔ علی کا گزرنا بھی زیادہ تر اسی گلی سے ہوتا، میں جب بھی اسے دیکھتی تو دل کو کچھ سکون مل جاتا لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ خط لکھ کر یا کسی بھی طریقے سے اظہار محبت کر سکوں۔

ایک دن میں اور امی باغ سے گھاس کاٹ کر آ رہی تھیں تو میں نے لیموں کا ایک پتہ توڑا اور اس پر کانٹے کی مدد سے ''آئی لو یو اے'' لکھ کر روڈ پر پھینک دیا۔ باغ کے قریب روڈ تھا اور پھر اپنی امی سے درانتی لے کر اس سے روڈ پر ''اے آئی لو یو'' لکھ دیا۔ بس ایسے ہی اور سچے دل سے خدا سے کہا کہ کاش علی آج مجھ سے اظہار محبت کر لے تو مجھے پتہ نہیں کتنی خوشی ملے گی۔ خیر ہم لوگ گھر آ گئے۔ شام کو کھانا وغیرہ کھایا اور سونے لگی تو میری چھوٹی بہن ناز و کتاب میں کچھ رکھ کر دیکھ رہی تھی، جب میں نے پوچھا تو مجھے کہا۔ ادھر آؤ جب میں اس کے پاس گئی تو اس نے مجھے ایک لیٹر دیا جو پیک کیا ہوا تھا اور کہا۔ کوثر کی چھوٹی بہن عاصمہ نے دیا ہے آپ کے لئے۔ جب میں نے وہ لیٹر کھولا تو حیران رہ گئی یہ علی کا لو لیٹر تھا اور ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ تم نے جو میری کیسٹوں پر شعر لکھے تھے انہیں پڑھ کر مجھے تمہاری محبت کا اندازہ ہوا اور خط کا جواب بھی مانگا۔ وہ لو لیٹر پڑھنے کے بعد میں اتنی خوش ہوئی کہ بس خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کرنے لگی اور اسی رات میں نے خط کا جواب بھی لکھ دیا اور اپنے دل کی ہر بات بھی لکھ دی۔ ساری رات خوشی کے مارے مجھے نیند ہی نہیں آئی اور صبح کو جو میں نے لو لیٹر لکھا تھا اپنی چھوٹی بہن کو دیا کہ یہ عاصمہ کو دے دینا۔



میری چھوٹی بہن اکثر ان کے گھر ہوتی عاصمہ سے کھیلنے کے لئے لیکن وہ سمجھدار تھی۔ عاصمہ علی کی چھوٹی کزن تھی۔ علی میری روح میں بس چکا تھا اور میں اسے ٹوٹ کر چاہنے لگی تھی۔ ہمارا یہ خطوط کا سلسلہ چلتا رہا، میری چھوٹی بہن اور علی کی کزن عاصمہ ہمارے ڈاکیے تھے۔ ہمارے گھر ساتھ ہوتے ہوئے بھی ہم ایک دوسرے سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ ہم دن میں پانچ چھ خط ایک دوسرے کو لکھتے اور اپنے دل کی ہر بات ایک دوسرے کو بتاتے۔ کبھی میں علی کو لکھتی تو کبھی علی مجھے۔

وہ کہتے ہیں ناں کہ محبت اور خوشبو کبھی نہیں چھپتے ہمارے خطوط کا پتہ میرے چھوٹے بھائی کو چل گیا اور پھر میرے گھر سے نکلنے پر بھی پابندی لگا دی گئی اور میری چھوٹی بہن سے بھی کہا کہ اب تم ان کے گھر نہیں جاؤ گی پھر میں نے اپنی ساری لو سٹوری اپنی دادی کی بیٹی یعنی میری پھوپھو صنم کو بتائی تو وہ کہنے لگی۔ میں تمہاری ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ہوں۔ پھر ہم نے ٹائم رکھا دوپہر دو بجے ایک دوسرے کو لیٹر دینے کا اور صبح نو بجے یعنی علی دو بجے ہماری گلی سے گزرتا دوپہر کو سب لوگ سو جاتے تھے اور میں بھی دادی جان کے گھر کا بہانہ کر کے باہر گلی سے گزرتی تو میں اور علی ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھوں کی پیاس بجھا لیتے اور خط کا جواب اگر لینا یا دینا ہوتا تو وہ بھی ایک دوسرے کو دے دیتے۔ ہم لوگ زیادہ دیر گلی میں کھڑے نہ رہتے بس خط کا جواب لیا یا دیا اور ایک نظر دیکھ لیا۔ ہماری محبت کے بارے میں گاؤں کے کافی لوگوں کو پتہ چل چکا تھا اور ہماری گلی سے کافی لوگ گزرا کرتے۔ اگر کبھی میں کسی کام میں مصروف ہوتی تو علی لیٹر میری پھوپھو صنم کو دے جاتا اور وہ مجھ تک پہنچاتی۔

وقت یونہی گزرتا رہا ہم محبت میں بہت آگے نکل چکے تھے۔ میں تو علی کے بغیر جینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ جب میرے گھر والوں کو میرے اور علی کے بارے میں پتہ چلا تو انہوں نے مجھے آگے پڑھنے سے روک دیا اور میں نے نائن کلاس میں ہی پڑھائی چھوڑ دی۔ پورے گاؤں میں ہم بدنام ہو چکے تھے اور گھر والے بھی میرے ساتھ اچھا سلوک نہ کرتے لیکن مجھے علی کی محبت پر پورا بھروسہ تھا۔ میں نے کبھی بھی دنیا کی پرواہ نہیں کی ویسے بھی میں محبت میں اتنی دیوانی ہو چکی تھی کہ مجھے علی کے سوا کچھ اور نظر نہ آتا۔ میں جب بھی کسی دربار پر جاتی تو میری پہلی دعا یہی ہوتی کہ علی مجھ سے کبھی بھی جدا نہ ہو۔ پھر کچھ دنوں بعد علی اور عادل کراچی چلے گئے اور کسی فیکٹری میں کام کرنے لگے۔ ادھر میں بہت ہی پریشان رہنے لگی۔ علی جانے سے پہلے مجھ سے مل کر گیا اور کہہ کر گیا کہ جلدی لوٹ آؤں گا۔ دو ماہ بعد چھوٹی عید تھی، دو ماہ تک ہماری کوئی بات نہیں ہوئی تب کسی کے پاس موبائل بھی نہیں ہوتا تھا۔ جیسے تیسے کر کے وہ دو ماہ گزر گئے۔ شام کے وقت سب کو انتظار تھا کہ کب عید کا چاند نظر آئے میں بہت پریشان تھی کہ علی ابھی تک کیوں نہیں آیا۔ میرے ہونٹوں پر بار بار یہ شعر آ رہا تھا۔

عید آئی میرا یار نئیں آیا تے رہا خیر ہووے او ہدے دم دی
ہار سنگھار مینوں چنگا نئیں لگدا تے کے شے تے نظر نہ جمدی
غلام فرید ہ ساتوں یار ملاؤ نئیں تے عید ساڈے کس کم دی

پھر رات کو مجھے کسی نے بتایا کہ علی آ گیا ہے۔ میں بہت خوش ہوئی اور صبح کا بے چینی سے انتظار کرنے لگی کہ کب علی کو دیکھوں، رات بھر مجھے نیند نہیں آئی۔ خیر صبح جلدی اٹھی ایک دو چکر دادی کے گھر کے لگائے مگر علی مجھے کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے ایک عید کارڈ موصول ہوا جو کہ علی نے بھیجا تھا۔ عید کارڈ بہت ہی خوبصورت تھا اور اندر بہت ہی اچھی ڈرائنگ کی ہوئی تھی پھر میں نے بھی ایک عید کارڈ جو میں نے بہت پہلے سے ہی منگوا کر رکھا تھا، لکھ کر ساتھ پرفیوم اور رومال علی کو بھیج دیا۔ عید نماز پڑھنے کے بعد میری دوست یعنی میری پھوپھو ہمارے گھر آئی اور اشارے سے کہا کہ علی باہر گلی میں کھڑا ہے اور آپ کو بلا رہا ہے۔ جب میں باہر نکلی تو علی اور عادل دونوں باہر کھڑے تھے، میں نے جا کر دونوں سے ہاتھ ملایا عید مبارک کہا۔ ایک نظر علی کو دیکھا اور واپس آ گئی۔ گلی میں زیادہ

دیر رکنا ٹھیک نہیں تھا اگر کوئی دیکھ لیتا تو مصیبت ہو جاتی پھر کوثر اور اس کی امی وغیرہ ہمارے گھر آئے۔ پھر دوپہر کو ہم بھی کوثر کے گھر گئے علی گھر پر ہی تھا، ہمیں دیکھ کر وہ بھی بہت خوش ہوا۔ ہم لوگ بیٹھک میں امی میری چھوٹی بہن اور میری پھوپھو چارپائی پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ علی عادل اور ان کا بہنوئی ہمارے پاس آئے۔ امی نے ان کے سر پر پیار دیا اور جب علی نے ہماری طرف ہاتھ بڑھا کر عید مبارک کہنے لگا۔ یوں ہماری یہ عید بہت اچھی گزری۔ علی میری روح اور رگ رگ میں بس چکا تھا۔

میں علی کو ٹوٹ کر چاہنے لگی تھی۔ کہتے ہیں کہ عورت زندگی میں ٹوٹ کر صرف ایک بار محبت کرتی ہے اور میری پہلی محبت تھی۔ علی جسے میں دل کی گہرائیوں سے چاہتی تھی جب علی کو کوئی چھوٹی سی بھی چوٹ لگتی تو مجھے بہت تکلیف ہوتی۔ اسے گلی میں روک کر گھر سے مرہم یا دوائی لا کر اس کے زخم پر لگاتی پھر مجھے سکون ملتا جیسے علی میں میری جان ہوتی علی جب بھی سفید یا نیلے آسمانی کلر کے کپڑے پہنتا تو بہت اچھا لگتا۔ اب ہم پر پابندیاں بھی زیادہ لگنے لگی تھی۔ اب ہم خط بھی ایک دوسرے کو کم لکھتے اور گلی میں بھی ایک دوسرے کو کم دیکھتے۔ یوں سمجھ لیں سارا زمانہ ایک طرف اور ہم دو ایک طرف۔ ہاں کچھ فرمانبردار دوست ہمارے ساتھ تھے جن میں میری پھوپھو، عاصمہ، عادل اور میری چھوٹی بہن کوئی بھی ہمیں اچھی نظر سے نہ دیکھا۔ خیر مجھے دنیا کی پرواہ نہ تھی۔ زمانہ تو ازل سے محبت کرنے والوں کا دشمن رہا ہے۔ ہیر رانجھا، سسی پنوں اور سوہنی مہینوال کے روز سے ویسے بھی میری محبت میرے ساتھ تھی مجھے زمانے کی فکر نہ تھی ہم دنیا سے بے خبر اپنی راہوں پر چل رہے تھے جبکہ جب کوئی ہم سے جلنے والا شخص ہمارے پاس سے گزرتا یا ہمیں ساتھ دیکھتا تو ہم یہ شعر ان کے منہ پر ایک دوسرے کو سناتے۔

خیر اسی طرح وقت گزر رہا تھا کہ کچھ دنوں بعد شام کے وقت عاصمہ ہمارے گھر آئی اور گھر والوں سے چھپا کر اس نے مجھے ایک لیٹر دیا اور کہا۔ علی نے دیا ہے۔ میں حیران اور پریشان تھی کہ ابھی صبح ہی ایک لیٹر مجھے علی کا ملا تھا اب جواب میں نے دینا تھا۔ ہم جب تک ایک خط کا جواب نہ ملتا دوسرا خط نہیں لکھتے۔ خیر عاصمہ گھر چلی گئی اور میں وہ خط ایک کتاب میں رکھ کر پڑھنے لگی۔ خط کیا تھا ایک قیامت تھی جو مجھ پر آ کر گزری تھی وہ علی کا ہی لکھا ہوا ایک لو لیٹر تھا جو اس نے اپنی آس پاس کی ایک کزن کو لکھا تھا خط میں۔ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں تم میری کزن ہو ہماری شادی بھی ہو سکتی ہے۔ ایسی ہی کچھ باتیں لکھی ہوئی تھیں، تھوڑی دیر کے بعد عاصمہ آئی اور مجھ سے کہنے لگی۔ وہ خط جو میں نے تمہیں دیا ہے واپس دو علی نے کہا ہے۔ خیر میں نے کہا۔ میں نے وہ خط پھاڑ کر پھینک دیا ہے وہ واپس چلی گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ میں ٹوٹ کر بکھر گئی تھی میرا سب کچھ لٹ چکا تھا۔ علی نے وہ لیٹر لکھ کر پیک کر کے ڈیک کے نیچے رکھا تھا جب وہ مجھے خط لکھتا تو خط لکھ کر وہیں رکھتا اور عاصمہ سے کہتا کہ جا کر دے آؤ۔ جب یہ خط عاصمہ نے وہاں دیکھا تو وہ سمجھی شاید میرے لئے خط کا جواب لکھ کر رکھا ہے۔ اس لئے وہ بنا پوچھے ہی خط اٹھا کر مجھے دے گئی لیکن اس غلط فہمی کی وجہ سے علی کی اصلیت میرے سامنے آ گئی تھی۔ اب ہمارا خطوط کا سلسلہ بھی بند ہو گیا تھا میری تو جیسے دنیا ہی اجڑ گئی تھی۔ علی میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا میرا دل بار بار یہی کہتا لیکن یہ حقیقت تھی کچھ دنوں بعد مجھے علی کا ایک خط ملا جس میں اس نے معافی مانگی اور لکھا مجھ سے غلطی ہو گئی ہے پلیز مجھے معاف کر دو لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اندر سے ٹوٹ چکی تھی جس کی خاطر میں پورے گاؤں میں بدنام ہو چکی تھی سب گھر والے مجھ سے نفرت کرتے کوئی بھی مجھ سے سیدھے منہ بات نہ کرتا۔ پڑھائی الگ چھوٹ گئی یوں سمجھئے کہ میری تو جیسے زندگی ہی تباہ ہو گئی تھی۔

اب میں ہر وقت پریشان رہنے لگی تھی کچھ ہی



دنوں بعد مجھے کسی نے بتایا کہ علی اور اس کی کزن کوثر کی بچپن میں ہی منگنی ہو چکی تھی، اب ان کی شادی کی باتیں ہو رہی تھیں اور کچھ ہی دنوں میں ان دونوں کی شادی سن کر میں اور بھی زیادہ پریشان رہنے لگی۔ شادی سے دو تین دن پہلے محلے کی ایک عورت ہمیں شادی کے گانے وغیرہ گانے کی دعوت دینے گئی محلے کی سب عورتیں اور لڑکیاں علی کے گھر رات کو جاتیں میں نے بھی ہمت کر کے علی کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ وہاں جا کر جب میری نظر علی پر پڑتی تو میرا دل خون کے آنسو روتا۔ خیر باقی لڑکیوں کے ساتھ میں نے بھی گانے گائے اور جب رات کو گھر لوٹ کر آتی تو ساری رات رو رو کر گزارتی۔ مجھے ایسا لگتا جیسے میرا سب کچھ کوئی لوٹ کر لے گیا ہو۔ میرا پیار میری محبت میرا سب کچھ اور ایسے ہی علی کی شادی بھی ہو گئی۔ میرا دل ٹوٹ چکا تھا، دکھ اور درد اب میرا مقدر تھے۔ یہ مجھے پیار کرنے کی سزا تھی جو مجھے ملی۔ ساری زندگی علی کی یاد میں رونا اب میرا مقدر تھا۔ کچھ ہی دنوں بعد ہم لوگ بھی گاؤں چھوڑ کر سکھر چلے گئے۔ آج سات سال ہو گئے ہیں گاؤں کو چھوڑے ہوئے جہاں میرا بچپن گزرا میری یادیں سب اسی گاؤں میں تھا میری سہیلیاں ان ساتھ سالوں میں ایک بار بھی علی سے نہیں ملیں اور نہ ہی بات کی۔ کسی نے مجھے بتایا تھا کہ آج وہ دو بچوں کا باپ ہے اور بہت اچھی زندگی گزار رہا ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ علی جہاں بھی رہے خوش رہے دکھ اور غم اس کے آس پاس بھی نہ پھٹکیں۔ بس میری ایک خواہش ہے کہ ایک نظر اسے دیکھ سکوں جب تک زندگی نے ساتھ دیا اپنی یہ خواہش پوری کرنے کی بھرپور کوشش کرتی رہوں گی۔ علی کی یاد ہر وقت میرے ساتھ رہتی ہے۔

تجھے پانے کی تمنا تو مٹا دی ہم نے
مگر دل سے تیرے دیدار کی حسرت نہ گئی

قارئین! یہ تھی میری دوست ثناء کی دکھی بھری داستان۔ کہانی سننے کے بعد میں بھی ثناء کے ساتھ رونے لگی۔ میں محسوس کر سکتی تھی کہ اس کے دل میں کتنا درد ہے۔ ثناء کا قصور کیا تھا یہی کہ اس نے کسی کو سچے دل سے چاہا تھا، کسی سے سچی محبت کی تھی۔ ثناء کے بازو پر آج بھی وہی AS لکھا ہوا ہے جو اس نے مجھے دکھایا۔ اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ میری پیاری دوست کو صبر عطا فرمائے اور وہ اپنے گزرے ہوئے دکھوں کو بھول جائے اور خوش رہے۔ قارئین کی آراء کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔ ان کچھ اشعار کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں۔

عجب رنگ میں گزری زندگی اپنی فراز
کبھی پیار ملا تو کبھی دیدار کو ترسے
کئی سال بیت گئے اس کو ہم سے روٹھے ہوئے
جو اکثر کہتے تھے تیرے بن اک پل جینا مشکل ہے
یادیں محبوب کی زندہ ہیں دل میں خدایا!
ورنہ کون جیتا تیری دنیا میں تماشا بن کر
برباد کرنے کے اور بی راستے تھے آصف
نجانے انہیں محبت کا ہی خیال کیوں آیا

✻◆✻

## غزل

وہ خود بے وفائی کی تصویر بن گیا
کسی اور کے خوابوں کی تعبیر بن گیا
میں نے اسے ایسے مذاقاً مانگا تھا
وہ شخص حقیقتاً میری تقدیر بن گیا
میرے سوا گزارتا نہ تھا ایک پل بھی
آج میں اس کے لئے حقیر بن گیا
میں نے جو لکھا لفظ رائیگاں گیا
اس نے جو کہا وہ تحریر بن گیا
وہ میری زندگی مری جنت مری جان
مجھے چھوڑ کر کسی اور کی جاگیر بن گیا
وسیم کبھی کسی سے ایسا ہوا ہی نہیں
کہ میں شکار اور وہ تیر بن گیا

☆......وسیم عباس فراز۔ کنگن پور

# زخمی دِل کی آواز

تحریر......سیف الرحمٰن زخمی۔ سیالکوٹ

میں اب آپ کی جدائی میں روز جیتا روز مرتا ہوں اب تو میرے حال پر رحم کھانو اور جلدی سے میری پیاس آنکھوں کو دیدار کروا جانو جو صرف تمہارے ہی راستوں کو دیکھتی ہے. میں ہر وقت تمہارے آنے کا انتظار کرتا ہوں اور اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے تمہاری نشانیوں سے اپنے دل کو بہلاتا ہوں. رات بھر تمہارے ہی خیالوں میں باتیں کرتا ہوں جب کبھی بھی خواب میں ملاقات ہوتی ہے تو میں آپ سے بہت شکوے کرتا ہوں نجانے کب آپ میرے پاس آنو گی. میں آج بھی آپ کی یادوں کے سہارے زندہ ہوں ورنہ کب کا مر گیا ہوتا

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

میرے تو مقدر ہی کچھ ایسے ہیں مجھے ہر کسی نے زخم جدائی دیئے ہیں۔ زخم دینا تو اس دنیا کا کام ہے لیکن مرہم کوئی نہیں لگاتے۔ جب حد سے زیادہ چاہنے والے بھری دنیا میں تنہا تڑپنے کے لئے چھوڑ جائیں تو پھر زخمی دل کی آواز آتی ہے یہاں پر کوئی بھی کسی سے پیار نہ کرے، ساری دنیا بے وفا ہے کوئی بھی کسی کا نہیں بنتا۔ بس یہاں پر ہر کوئی دینے والا ہے جب اپنے چاہنے والے بچھڑتے ہیں تو پھر بس ان کی یادیں رہ جاتی ہیں جو پھر دل کا روگ بن جاتی ہیں اور پھر ان یادوں کے سہارے زندہ رہنا ہوتا ہے۔ جب محبوب روٹھ جائے تو پھر اسے منانا مشکل

لوگ کہتے ہیں تو مجھ سے خفا رہتا ہے
بن کے دھڑکن تو زخمی کے دل میں رہتا ہے

ہو جاتا ہے۔ دل کی بستی ویران ہو جاتی ہے دنیا کی ہر خوشی ادھوری سی لگتی ہے کاش انیلہ آپ نے بچھڑنے سے پہلے سوچا ہوتا میں کہ کس طرح زندہ رہوں گا۔ آپ کے علاوہ میری تو ساری خوشیاں آپ کے دم سے ہیں، اب میں بھری دنیا میں تنہا ہوں۔ کوئی بھی مجھ سے پیار نہیں کرتا اب تو زمانے بھر کی ٹھوکریں میرا مقدر بن گئی ہیں۔ اب تو لوگ مجھے تمہارے نام کے طعنے دیتے ہیں، بتاؤ میں لوگوں کو کیا جواب دوں۔ سب تمہارے روٹھ جانے کا سبب پوچھتے ہیں اب تو میں رات بھر تیری جدائی میں تڑپتا ہوں کوئی بھی میری فریاد نہیں سنتا۔ میں کیا کروں اب تو میں روز جیتا ہوں

اس دنیا میں اکثر درد رہنے ہی دیتے ہیں
غیروں کو کیا پتہ ہوتا ہے دل کہاں ہے

روز مرتا ہوں تیری یادیں میری زندگی کا سرمایہ ہیں، میں ان سے بہت پیار کرتا ہوں۔ میں آج بھی جب وہ وقت یاد کرتا ہوں تو مجھے ہر پل تڑپاتا ہے جو آپ کے ساتھ گزرا تھا۔ انیلہ آپ نے تو کہا تھا کہ میں صرف تیری ہوں اور تیری ہی رہوں گی اور زندگی

بچھڑ کر تجھ سے تیرے غم پاس رہتے ہیں
خزاں گواہ ہے ہم بہت اداس رہتے ہیں

کی آخری سانس تک تیری ہی پوجا کروں گی اور میں تمہیں زندگی سے بڑھ کر پیار کرتی ہوں۔ آؤ میں آج ہم دونوں مل کر یہ وعدہ کریں ہم کبھی بھی جدا نہ ہوں گے

چاہے زمانہ کچھ بھی کرلے اگر کسی نے ہمیں جدا کرنے کی کوشش کی تو ہم اپنی جان بھی پیار پہ قربان کر کے ایک مثال قائم کریں گے لیکن ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ ہم زندگی بھر ایک ساتھ رہیں گے چاہے یہ زمانہ کچھ بھی کرے ہمارا پیار سچا ہے، یہ ہمیشہ قائم رہے گا اور ہم اسی طرح ملتے رہیں گے۔ انیلہ وہ وقت یاد کرو جب ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی اس وقت ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں غم کا دور تک کوئی سایہ بھی نہ تھا۔ آپ نے کہا تھا سیفی مجھے زندگی بھر کبھی اپنے سے دور نہ کرنا نہیں تو میں مر جاؤں گی۔ تو میں نے آپ سے کہا تھا۔ میں زندگی بھر آپ کو اسی طرح پیار کرتا رہوں گا میں آپ کو اتنا پیار دوں گا کہ آپ دنیا کے سارے غم بھول جاؤ گی۔ پھر ہم اسی طرح باتیں کرتے کرتے جدا ہو گئے۔

آج جب میں وہ آپ کی باتیں یاد کرتا ہوں تو میری آنکھوں سے ساون کی برسات شروع ہو جاتی ہے اور میرے زخمی دل سے آواز نکلتی ہے کاش آپ میرے ساتھ وفا کرتی تو میرا یہ حال نہ ہوتا۔ میں اب آپ کی جدائی میں روز جیتا روز مرتا ہوں اب تو میرے حال پر رحم کھاؤ اور جلدی سے میری پیاسی آنکھوں کو دیدار کروا جاؤ جو صرف تمہارے ہی راستوں کو دیکھتی ہے۔ میں ہر وقت تمہارے آنے کا انتظار کرتا ہوں اور اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے تمہاری نشانیوں سے اپنے دل کو بہلاتا ہوں۔ رات بھر تمہارے ہی خیالوں میں باتیں کرتا ہوں جب کبھی بھی خواب میں ملاقات ہوتی ہے تو میں آپ سے بہت شکوے کرتا ہوں نجانے کب آپ میرے پاس آؤ گی۔ میں آج بھی آپ کی یادوں کے سہارے زندہ ہوں ورنہ کب کا مر گیا ہوتا۔ رات بھر تمہاری یاد ستاتی ہے اب تو آپ کی جدائی میں روتے روتے رات گزر جاتی ہے میری ہر صبح ہر شام آپ کی یاد میں ہوتی ہے اور ہو سکتا ہے میری زندگی کی شام بھی آپ کی یاد میں ہو گی۔ اب تو ایسے لگتا ہے میں ایک پاگل اور تمہاری محبت کا پیاسا ہوں جو آج بھی تمہاری یادوں کو اپنے سینے سے لگا بیٹھا ہوں۔ کاش انیلہ! آپ نے ایک بار پوچھا ہوتا سیفی کیسے ہو؟ کاش ایک بار اپنے دل سے پوچھ لو جس میں صرف کبھی میری محبت تھی اور تو آپ کی جدائی میں روز جیتا روز مرتا ہوں اور میرے زخمی دل سے آواز نکلتی ہے یہاں پر کوئی بھی کسی سے پیار نہیں کرتا اور میں آج بھی تمہارے دیئے ہوئے زخموں سے بہت پیار کرتا ہوں اور انیلہ صرف ایک بار آپ کو دیکھ لو آپ کے سیفی کا لوگوں نے کیا حال کر دیا ہے۔ اب تو زمانے بھر کی ٹھوکریں میرا مقدر بن گئی ہیں پھر بھی مجھے تمہارا انتظار رہتا ہے۔ کاش! آپ ایک بار لوٹ آؤ تاکہ میری پیاسی نگاہوں کو سکون مل جائے جو صرف تمہارے آنے کے انتظار میں ہیں۔ میرا دل آج بھی فریاد کرتا ہے۔ کاش آپ میرے ساتھ وفا کرتی تو آج میری زندگی کے رنگ ہی کچھ اور ہوتے۔ اگر میرا بس چلتا تو میں تمہیں اس ظالم زمانے سے چھین کر اپنے میں سما لیتا لیکن میں کیا کروں یہ تو اپنے اپنے مقدر ہوتے ہیں کسی کو پیار ملتا ہے

کبھی کبھی تو رو پڑتی ہیں یونہی آنکھیں
اداس ہونے کا کوئی سبب بھی نہیں ہوتا
میں اپنے دل کو یہ بات کیسے سمجھاؤں
کہ کسی کو چاہنے سے کوئی اپنا نہیں ہوتا

تو کسی تو عمر بھر کے زخم ملتے ہیں۔ میرا سینہ زخموں سے چور چور ہے اور میں تو اسی دن ہی مر گیا تھا جس دن آپ نے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے اور کہا تھا۔ سیفی آپ تو غریب ہیں آپ مجھے کیا دے سکتے ہیں تو میں نے کہا تھا۔ میری انیلہ میرے پاس پیار محبت اور خلوص و وفا ہے اور میں تمہیں اپنی زندگی کی ہر خوشی دے سکتا ہوں تو آپ نے کہا تھا۔ سیفی اس دنیا میں صرف دولت ہی سب کچھ ہے جس سے جو دل کرے وہ حاصل کر سکتا ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ اس لئے میں آپ سے کہتی ہوں آپ مجھے بھول جاؤ اور یہ بھول جاؤ کوئی لڑکی تمہاری زندگی میں آئی تھی۔ انیلہ میں تمہیں کس طرح بھول جاؤں تمہارا پیار میرے جسم میں روح کی طرح سما گیا ہے بھلا روح بھی کبھی جسم سے جدا ہوتی ہے۔ یہ تو اس وقت ممکن ہو گا جب میں مر جاؤں گا لیکن میں اپنے جسم میں سمایا ہوا پیار کس طرح بھلا دوں۔ میں ساری دنیا کو بھول سکتا ہوں لیکن تمہیں بھول جانا ناممکن سا لگتا ہے اور اب خدا کے لئے مجھ سے نظریں نہ چراؤ نہیں تو میں جیتے جی مر جاؤں گا تو آپ نے کہا تھا سیفی اس دنیا میں کون کسی کے لئے مرتا ہے یہ سب باتیں بس کہنے کی حد تک ہوتی ہیں۔

انیلہ کاش! آپ آج ایک بار آ کر دیکھ لو انہی آنکھوں سے میں آپ کے بغیر کس طرح زندہ ہوں جس طرح ایک صحرا بارش کے بغیر ویران لگتا ہے اسی طرح آج میرا حال ہے اور پھر جب صحرا میں بارش ہوتی ہے تو ہر طرف پھول ہی پھول کھل جاتے ہیں بس اسی طرح میرا دل بھی کھل جائے گا۔ جب آپ مجھ سے ملو گی میرا دل بھی پھول کی طرح کھل اٹھے گا اور جلدی سے میرے پاس لوٹ آؤ تاکہ میرے زخمی دل کو قرار آ جائے جو آپ کے بغیر بہت ویران ہے۔ میں اب تو بہت ترستا ہوں آپ سے ملنے کے لئے جلدی سے آ جاؤ کہیں ایسا نہ ہو میں تمہارا انتظار کرتے کرتے اس دنیا سے دور بہت دور چلا جاؤں تو پھر آپ میری قبر پر ضرور آنا تاکہ میرے زخمی دل کو قرار مل جائے گا۔ ہمیں جیتے جی تو نہ ملنے دیا اس ظالم دنیا نے اب مرنے کے بعد آپ جب میری قبر پر آؤ گی تو میری روح کو سکون ملے گا۔ یہ سب باتیں میں آپ کی یاد میں کرتا ہوں۔ یہ ایک زخمی دل کی آواز ہے جو تمہیں زندگی سے بڑھ کر پیار کرتا تھا اور پیار کرتا رہے گا اور اب میں اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں تمہاری زندگی میں کبھی کوئی غم نہ آئے مجھے زخمی کر کے جانے والی تو ہمیشہ اپنے گھر میں مسکرائے۔ ہمارا کیا ہے آج نہیں کل تیری دنیا سے چلے جائیں گے۔ آؤ سب دوست مل کر دعا کرو وہ مجھے ایک بار مل جائے۔

آخر میں تمام قارئین کی رائے کا انتظار رہے گا۔

میں کب تک اسے بھول جاؤں گا آخر میں ایک غزل انیلہ کے نام کرتا ہوں۔

مجھے تمہارے بنا یہ زندگی بھی ایک سزا سی لگتی ہے
تمہارے بنا مجھے جسم میں روح بھی ادھوری سی لگتی ہے
جب بھی تمہارا ذکر ہوتا ہے دوستوں میں
نجانے کیوں میرے جگر پر چوٹ سی لگتی ہے
اب تو میری زندگی بھی ایک خزاں سی ہے
مجھے تو یہ بہار بھی ویران صحرا سی لگتی ہے
میں کیسے جی رہا ہوں تمہارے بچھڑ جانے کے بعد
مجھے تو یہ سانس بھی آخری سی لگتی ہے
نجانے کب موت آ جائے تجھے اے زخمی
تمہیں تو یہ زندگی بھی بے وفا سی لگتی ہے

اب قارئین فیصلہ کریں میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔

سیف الرحمٰن زخمی۔سیالکوٹ

●□●

## غزل

پردیس جانے والے ایک عرض تو میری یاد رکھنا
التجا کرتا ہوں ہاتھ جوڑ کر میرے پیار کو دل میں رکھنا
اپنی باتوں میں کسی اور کے حوالے رکھنا
مجھ سے بچھڑے ہو ذرا خود کو سنبھالے رکھنا
لوگ پوچھیں گے کہ کیوں پریشان ہو
نگاہ سے کچھ بھی کہو ہونٹوں پر تالے رکھنا
مگر اپنے دل کی بات عباس گجر کسی سے نہ کہنا
بات بڑھ جائے گی دل ہی دل میں چھپا کے رکھنا
دنیا کچھ بھی کہے خاموش چلتے رہنا
اپنی کوشش جستجو میں منزل رکھنا
اپنے خیالوں کو شمع کی طرح روشن رکھنا
عظیم اپنا آسمان کی طرح بلند رکھنا
نہ سلام یاد رکھنا نہ پیغام یاد رکھنا
میری اتنی سی التجا ہے کہ میرا نام صرف یاد رکھنا

☆ ظہیر عباس گجر۔چکسواری

......عاشق حسین طاہر- منڈی نونانوالی

آج کتنے ہی سال گزر چکے ہیں لیکن میں آج بھی طلعت کی یادوں کو اپنی حیات کا سرمایہ خیال کرتا ہوں کبھی زندگی میں طلعت کے سامنے نہیں گیا اگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ میرے سامنے آ جاتی ہے تو میں اپنا راستہ ہی تبدیل کر لیتا ہوں وقت نے میرے ساتھ بے وفائی کی اور حالات ہی کچھ ایسے کیوں ہو گئے تھے کہ میری محبت طلعت میری زندگی سے چلی گئی مجھے غموں کے حوالے کر گئی میں آج بھی وقت کی وادی میں کھڑا سوچ رہا ہوں ...... ایک درد بھری داستان

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

گزرے ہوئے دنوں کی یادیں جب تنہائی میں ستانے لگتی ہیں تو میرا دل دکھوں کا لاوا بن کر رہ جاتا ہے۔ میرے چاروں طرف کرب وجدائی کی آگ جلنے لگتی ہے اور میں مجبور و بے بس ہو کر رہ جاتا ہوں۔ میرا دامن غم کی بارش سے بھیگ جاتا ہے اور میں یہ محسوس کرتا ہوں جیسے میری زندگی یونہی جلتے جلتے ختم ہو جائے گی اور میں بے جان پتوں کی طرح ہوا میں بکھر جاؤں گا۔ وقت بڑا بے رحم اور ظالم ہے جو دریا کے بہتے پانی کی طرح گزر جاتا ہے اور اپنے پیچھے لمحوں کی داستان چھوڑ جاتا ہے۔ رات کے اندھیروں میں سوچوں کے آئینہ کے سامنے بیٹھ کر جب بھی سوچتا ہوں کہ وقت کتنا پر بہار تھا، جب کوئی میرے قریب تھا تو ایسے میں یہ محسوس کرتا تھا جیسے ساری دنیا کی خوشیاں میرے پاس ہوں، میری زندگی سب سے افضل ہو نجانے وقت کو کیا نظر لگی، وقت ایسے گزر گیا جیسے بند آنکھوں میں سپنے تھے، سپنوں میں تم اپنے تھے آنکھ کھلی تو ہم نے یہ جانا، سپنے آخر سپنے تھے ان لمحوں کی کسک نہ تو اب جینے دیتی ہے اور نہ مرنے دیتی ہے بس ہر وقت پریشانی کا عالم ہے اور میں کسی کی یادوں کے چراغ جلا کر بیٹھا ہوں۔ میں اکثر سوچتا ہوں اکیلے میں بیٹھ کر جب تم تھے میرے ساتھ وہ لمحے کدھر گئے۔ چاندنی راتوں میں گزری ہوئی باتوں پر غور کرتا ہوں تو طلعت تمہارا کتابی حسین مکھڑا میرے آئینہ احساس پر ایسے لہرانے لگتا ہے جیسے تمہارا چاند اور مہکتے پھولوں کی طرح چہرہ میرے سامنے ہو اور تمہارے مکھڑے پر چھائی ہوں۔ جیسے چاند ستاروں میں شرما رہا ہو۔ طلعت! زندگی کے لمحوں کا سفر جاری ہے، میں تمہاری یادوں کے بھنور میں اکثر پھنس جاتا ہوں اور اپنے آپ کو دکھوں کے پہاڑوں کے عین درمیان کھڑا پاتا ہوں۔ ہزار کوشش کے باوجود آج تک ان پہاڑوں کو عبور نہیں کر سکا۔ طلعت! میں جانتا ہوں تم نے اپنی نئی دنیا بسالی ہے لیکن پھر بھی نجانے کیا بات ہے میں تمہاری یادوں کے دیپ نہیں بجھا سکا۔

بکھر رہے تھے پتے بڑی تیز تھی ہوا
خیال تیرے کا لیکن رہا جلتا دیا

طلعت! اکثر رات کے اندھیروں میں تیری یادیں گیت بن کر میرے کانوں سے ٹکراتی ہیں اور میرے دل کے زخم پھر سے ہرے ہو جاتے ہیں اور میرے دل سے درد کی ٹیس اٹھتی ہے اور میں گھبرا جاتا ہوں۔

آخر انسان ہوں مگر تمہاری بدنامی کے ڈر سے خاموش رہتا ہوں کیونکہ طلعت کبھی تم میرے جذبوں کی بدل تھی۔ میرے زندہ رہنے کی آس تھی میری جان تھی میرا یمان تھی میری حیات گلشن کا پھول تھی میرے خوابوں کی رانی تھی۔ طلعت! تم نے شاید وقت کے ہاتھوں مجبور ہو گئی تھی مگر تمہارے گھر والوں نے میرے جذبوں کا خون کر کے مجھے پاگل قرار دے دیا تھا۔ میری پاکیزہ محبت کو دل لگی کہا۔ طلعت! یقین کرو میں زندگی کے کسی بھی لمحے بھول نہ سکوگا کیونکہ میں نے تم سے دل لگی نہیں کی محبت کی تھی۔ طلعت تم ہی فیصلہ کرو بھلا کوئی اپنی زندگی کو بھلا سکتا ہے۔ طلعت تم سے بچھڑے کئی سال ہو گئے، دل نے کئی بار مجبور کیا۔ میں تمہیں ایک بار دیکھوں مگر تم نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں کبھی تمہارے سامنے نہ آؤں طلعت مجھے تو تمہاری خوشی عزیز ہے۔ میں تو تمہاری زندگی میں دکھ کا رنگ نہیں دیکھنا چاہتا مگر میں نے کچھ عرصہ سے سنا ہے کہ تم سخت بیمار ہو۔ طلعت! تمہاری بیماری کا سن کر مجھے بے حد دکھ ہوا۔ طلعت! کیا تم بھول گئی ہو جس مقصد کے لئے تم نے اپنی محبت کی قربانی دی تھی۔ طلعت! تمہارا مقصد ابھی باقی ہے میں تمہیں احساس دلانا چاہتا ہوں۔ زندگی صرف جیت کا نام نہیں بلکہ کبھی کبھی دوسروں کے لئے، تم نے، اپنی محبت کی قربانی دے کر زندہ رہنا پڑتا ہے۔ طلعت! اپنے لئے تو ہر کوئی زندہ رہتا ہے مگر میری نظر میں وہی عظیم ہوتے ہیں جو دوسروں کے لئے زندہ رہتے ہیں۔ آج کتنے ہی سالوں بعد مجھے تم سے پہلی ملاقات یاد آ گئی ہے۔ تم مجھے بس سٹاپ پر اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ ملی تھی دوپہر کا وقت تھا سورج آسمان کی وسعتوں میں چھپ رہا تھا۔ تمہارے مکھڑے پر پسینے کے ننھے منے قطرے تم بار بار رومال سے اپنا چہرہ صاف کر رہی تھی، تمہاری ہر ادا بڑی مستانہ اور جداگانہ تی۔ تم نے ایک دو بار میری طرف دیکھا مگر تمہارے چہرے سے کوفت نمایاں تھی۔ طلعت! تمہاری پہلی ہی ملاقات نے مجھے تمہارا دیوانہ بنا دیا۔ خدا خدا کر کے بس آ گئی، تم اور تمہارا بھائی جلدی جلدی بس میں سوار ہو گئے اور اتفاق سے تم میرے ہی سٹاپ پر اتری جب تم دونوں گاؤں کی طرف جانے لگے تو میں تمہارے پیچھے پیچھے تھا۔ تم لوگ جس گھر میں داخل ہوئے وہ مالک کا گھر تھا میں اپنے گھر چلا گیا بعد میں میں نے اپنے محلے کی عورت ریشماں سے پوچھا جو بڑی زندہ دل ہے۔ عشق کے معاملے میں وہ ضرور مدد کرتی ہے تو اس کی زبانی پتہ چلا کہ وہ مالک کی بھانجی ہے اور اسے ملنے آئی ہے۔ طلعت! کا بھائی شام کو واپس چلا گیا۔ تمہارے متعلق ریشماں نے بتایا کہ تم یہاں ایک ماہ رہو گی یہ جان کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ دوسرے دن میں تمہارے ماموں کے مکان کے سامنے سے کئی بار ادھر ادھر گزرا مگر تم نظر نہ آئیں۔ دل بھی بڑی ظالم چیز ہے جب کسی کو دیکھنے کی تمنا کرتا ہے۔ تو دیکھے بغیر رہ نہیں سکتا۔ میں بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہارے ماموں کے گر چلا گیا تم صحن میں بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ میں نے جاتے ہی سلام دعا کے بعد تم سے ہی پوچھا تو تم نے کہا کہ آپ کو کس سے کام ہے۔ میں نے کہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے تو صرف آپ سے کام ہے کام بھی کچھ ایسا ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ بہر حال ابھی آپ صرف اس بات پر گزارا کریں کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھنے چلا آیا۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ تم نے چھری پکڑ کر اس کا منہ میری طرف کر دیا اور کہا۔ اے مسٹر عاشق تمہیں شرم ہونی چاہئے اکیلی لڑکیوں کو دیکھ کر اظہار عشق شروع کر دیا۔ یہاں سے چلتے نظر آؤ اب اگر زبان چلانے کی کوشش کی تو تمہاری لمبی زبان کاٹ کر تمہارے ہاتھ میں دوں گی۔ تمہارا چہرہ غصے سے سرخ ہو چکا تھا میں جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا واپس آ گیا۔ اس دن شام کو پھر تم سے گلی کے موڑ پر ملاقات ہو گئی۔ شاید تم کسی دوسرے رشتہ دار کے گھر سے آ رہی تھی مجھے دیکھتے ہی تم نے تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔ میں نے تمہارے قریب ہوتے ہوئے کہا۔ محترمہ میں باہر کی چیز نہیں تمہاری طرح ایک انسان ہوں کم از کم میرے سلام کا جواب تو



دیں پھر تم میری طرف بڑے غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہارے گھر میں کوئی بہن نہیں ہے اس کو سلام کرنا دیں جواب دے گی۔ طلعت تم نے چند ملاقاتوں میں میرے جذبات کو بڑی بے دردی ٹھکرا دیا۔

میں جب بھی تمہارے سامنے گیا تم نے اپنا مکھڑا دوسری طرف موڑ لیا۔ تمہارے رویے سے میرا دل ٹوٹ گیا میں نے تمہارا پیچھا کرنا چھوڑ دیا۔ مجھے بخار ہو گیا میں اپنے کمرے میں بند ہر وقت چھت کو گھورتا رہتا مجھے بخار ہوئے بیس دن ہو چکے تھے محلے کے اکثر لوگ میری بیمار پرسی کو آتے جاتے رہے تمہارے ماموں بھی آئے نجانے نے انہوں نے گھر جا کر میری بیماری کا ذکر کیا تمہیں مجھ پر ترس آ گیا نجانے کیا سوچ کر تم ہمارے گھر چلی آئیں مجھ سے تو کوئی بات نہ کی۔ بہر حال امی جان سے پوچھا۔ خالہ جان طاہر صاحب کو کب سے بخار ہے۔ امی جان نے تمہیں بتایا کہ طاہر کو کافی دنوں سے بخار نے پکڑا ہوا ہے ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ طاہر کو کوئی ذہنی صدمہ پہنچا ہے بیٹی کیا بتاؤں میرا ایک ہی بیٹا ہے نجانے کس ظالم نے اسے کیا دکھ دیا ہے یہ چارپائی کا ہو کر رہ گیا ہے تم میرے سامنے والی چارپائی پر بیٹھی تھی امی تمہارے لئے چائے لینے کمرے سے باہر چلی گئیں تو پھر تمہاری زبان نے لفظ ادا کئے۔

طاہر میں تو آج تک یہی خیال کرتی رہی کہ تم بھی عام لڑکوں کی طرح بھنورے ہو میں تمہارے دل کی قدر نہ کر سکی۔ اتنے میں امی چائے لے کر آ گئیں اور تم امی جان سے باتیں کرتی رہی پھر چلی گئی پھر ہر روز تم میرا پتہ کرنے آتی۔ طلعت میں وہ دن کبھی نہیں بھول سکتا جس دن تم میرے ساتھ میرے ہی گھر میں بیٹھی تھی۔ تم سورج چاند ستاروں کی قسمیں کھاتی رہی تھی طاہر میرا تیرا پیار سدا قائم رہے گا۔ طاہر چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے پھر میں نے تمہیں کہا طلعت باغوں میں بہار ہے تم نے کہا طاہر بہار کا موسم ہے۔ ایسے میں باغوں میں بہار تو ہوتی ہے پھر میں نے تم سے کیا کیا اپنے طاہر سے پیار ہے تم نے کہا۔ ہاں ہاں ہاں ہے ہے ساتھ ہی کیا مجھے تم پر اعتبار بھی ہے پھر ہم دونوں نے مل کر کہا۔ ہمیں دنیا سے ٹکرانے کا اندازہ بھی ہے۔ طلعت! یاد کرو وہ گرمیوں کی رات جب میں اور تم تمہارے ماموں کی چھت پر بیٹھے تھے تم خاموش تھی مگر میرا دل چاہ رہا تھا کہ تم سے ڈھیروں باتیں کروں۔ مگر تم نے شاید اس دن بات نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ یوں تو تمہیں بات بات پر ناراض ہونے کا شوق تھا آخر میں نے تنگ آ کر کہا۔ طلعت! دیکھ کتنا پیارا موسم ہے کتنی ٹھنڈی سہانی ہوا چل رہی ہے۔ آسمان پر چاند ستارے کتنے خوبصورت لگ رہے ہیں مگر تم خاموش تھی تمہارے مکھڑے پر چاندنی کی روشنی کی کرنیں پڑ رہی تھیں تمہارا چہرہ مزید دلکش لگ رہا تھا، تمہاری لمبی لمبی زلفیں ہوا میں اڑ رہی تھیں جب میں نے تمہیں قریب سے دیکھا تو تم نے جان بوجھ کر منہ دوسری طرف کر لیا۔ آخر میں نے تنگ آ کر تمہیں کہا۔ محترمہ طلعت صاحبہ آخر ناراضگی کی کوئی حد ہوتی ہے ایسے موسم میں چپ کیوں ہو منہ سے کچھ بولو ناں اور کانوں میں رس گھولو ناں۔ تو تم نے کہا تم اپنی زبان کو تالے لگائے رکھو جب میں جانے کو مڑا تو پیچھے سے تمہاری آواز آئی۔ طاہر جان اکیلے نہ جانا ہمیں چھوڑ کر تم، ہم تمہارے بنا جی نہیں سکیں گے۔ تمہاری ناراضگی تھی بھی خواہ مخواہ کی وہ ایسے ہی دور کر دی پھر تم نے کہا طاہر آج تمہیں چاند ستاروں کو گواہ بنا کر یہ وعدہ کرنا ہوگا ساتھ جینا مرنا ہوگا۔ تقریباً دو گھنٹے آپس میں پیار کی پیاری باتیں کرتے رہے کیونکہ دوسری صبح طلعت نے ماموں کا گھر چھوڑ کر اپنے گھر چلے جانا تھا۔ دوسرے دن طلعت کا بھائی آیا اسے ساتھ لے گیا طلعت کا گاؤں ہمارے گاؤں سے چار پانچ میل کے فاصلے پر تھا طلعت کے چلے جانے کے بعد میں اپنے ایک دوست کی بہن کی معرفت طلعت سے چند منٹ ملاقات کر لیتا۔ وقت محو پرواز رہا مجھے ابوظہبی کا ویزہ مل گیا۔ میں نے طلعت سے ذکر کیا تو وہ رونے لگی طاہر میں تمہیں ابوظہبی نہیں جانے دوں گی یا پھر مجھے ساتھ لے چلو۔ میں نے طلعت سے کہا۔ بس تھوڑے ہی

دنوں کی بات ہے پھر لوٹ کر آ جاؤں گا۔ بس میرے جانے کی دیر ہے امی تمہارا رشتہ لینے آنے والی ہیں دیکھنا میرا ساتھ دینا۔ طلعت نے خط وغیرہ لکھنے کا وعدہ بھی لیا۔ میں ابوظہبی چلا گیا وہاں جا کر اپنے دوست کی معرفت خط وکتابت کرتا رہا مجھے تقریباً ابوظہبی آئے چھ ماہ ہو گئے مگر ابھی تک امی جان نے طلعت کے والدین سے رشتے کی بات نہ کی کیونکہ امی جان کا خیال تھا کہ میں وہاں عرب میں کم از کم دو سال کام کروں میرے پاس ڈھیر سارے روپے ہو جائیں پھر وہ میری شادی بڑی دھوم دھام سے کریں ادھر طلعت کے خط آنے بند ہو گئے مجھے بے حد فکر ہوئی خدا خیر کرے طلعت نے کبھی ایسا تو نہیں کیا تھا تقریباً تین ماہ بعد امی جان کا خط ملا تو انہوں نے تحریر کیا تھا کہ بیٹا طلعت کے والدین نے رشتہ سے انکار کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے چند ماہ پہلے طلعت کا رشتہ اس کی خالہ کے لڑکے سے کر دیا ہے۔ بیٹے میں طلعت کے والدین کو بتایا کہ آپ کی بیٹی اور میرا بیٹا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اگر میرے بیٹے کے جذبات کا خیال نہیں تو کم از کم اپنی بیٹی کی پسند کا کچھ خیال کریں مگر انہوں نے میری ڈھیر ساری باتوں کے جواب میں کہا۔ آخر زبان کے بندھن بھی اتنے کچے نہیں ہوتے جو اولاد کی پسند پر قربان کر دیئے جائیں ہم زبان دے چکے ہیں ہمیں اپنی زبان کا پاس کرنا ہی ہوگا چاہے ہماری بیٹی مر بھی کیوں نہ جائے مجھے ایسی امید نہ تھی۔ مگر امی کا خط پڑھنے کے بعد طلعت کا خط ملا جس میں تحریر تھا۔ میرے پیارے طاہر سدا پھولوں کی طرح رہیں خط نہ لکھنے کی وجہ تو شاید آپ جان ہی چکے ہیں یقین کریں میں نے آپ کی خاطر والدین سے کافی جنگ کی ہے اور ابھی تک میری جنگ جاری ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے میری بڑی بہن اور بڑا بھائی خالہ کے گھر پہلے ہی شادی شدہ ہیں میرے انکار سے ہمارے گھر کے حالات خراب ہو جائیں گے۔ مجھ پر ظلم ہو رہے ہیں مگر میری ایک ہی ضد ہے میں شادی کروں گی تو صرف طاہر سے ورنہ میں جان دے دوں گی، مجھے کسی رشتے کی پرواہ نہیں میرا خط ملتے ہی پاکستان آ جاؤ۔ باقی باتیں تمہارے آنے پر مکمل طور پر ہوں گی۔ اگر تم نے آنے میں دیر کر دی تو شاید زیادہ ظلم برداشت نہ کر سکوں میں نے کمپنی سے تھوڑے دنوں کی چھٹی لی اور پاکستان آ گیا گھر آتے ہی حالات کا اندازہ کیا حالات میرے حق میں ہرگز نہ تھے میں نے طلعت سے مشورہ کیا کیوں نہ ہم گھر والوں سے چوری شادی کر لیں طلعت کو میرا مشورہ پسند آیا اور وہ رضامند ہو گئی میں نے اپنے دو قریبی رشتہ داروں سے مشورہ کیا تو انہوں نے میری مدد کرنے کا وعدہ کر لیا مگر کہتے ہیں بعض اوقات اپنے بھی دھوکہ دے جاتے ہیں۔ میرے ایک رشتہ دار نے طلعت کے چھوٹے بھائی کو خبر کر دی۔ نکاح کے ایک دن پہلے میں بس شاپ کے ہوٹل میں بیٹھا دوستوں سے ادھر ادھر کی گپیں لگا رہا تھا۔ طلعت کے بھائی نے چند رشتہ داروں کو ساتھ لے کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں اکیلا تھا اور وہ چھ سات آدمی تھے۔ مجھے جب ہوش آیا تو میں ہسپتال کے بستر پر تھا، امی جان اور چند رشتہ دار میرے اردگرد جمع تھے۔

میں کچھ دن ہسپتال میں رہنے کے بعد گھر آ گیا میں چاہتا تو طلعت کے بھائیوں سے بدلہ لے سکتا تھا میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ دل ہی دل میں انہیں معاف کر دیا حالانکہ چند رشتہ دار لڑکوں نے مجھے کہا بھی طاہر ہم ضرور بدلہ لیں گے مگر میں نے تمام سے کہا کہ بدلہ لینے کی ضرورت نہیں اور نہ بدلہ لینا ہے کچھ ہی دنوں بعد میرے ایک دوست کی زبانی پتہ چلا کہ طلعت کی بڑی بہن کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے طلعت کی بہن بچے کی پیدائش کے بعد کوئی چند ہی گھنٹے زندہ رہی تھی یہ جان کر بے حد دکھ ہوا میرے منہ سے طلعت کی بہن کو جنت نصیب کرنے کے الفاظ نکلے، طلعت کی بہن کو فوت ہوئے دو ماہ گزر گئے مگر ملاقات نہ ہوئی۔ پھر میرے ایک دوست نے یہ خبر لا کر دی کہ طلعت اپنی بہن کے خاوند سے شادی کر رہی ہے اس شادی میں طلعت کی خواہش شامل ہے دوست کے منہ سے یہ



خبر سن کر میں حیران رہ گیا طلعت کی خاطر میں نے کیا نہ کیا مگر وہ بے وفا نکلی ایسے تیسے کر کے میں طلعت کو ملا تو وہ مجھے پہلے کی طرح نظر نہ آئی بلکہ اس کی گود میں بچہ تھا۔ وہ بے حد خوش تھی میں تو طلعت کو دیکھتے ہی بڑا حیران ہوا۔ آخر بات کیا ہے طاہر صاحب آپ یہ جاننے کے لئے بڑے بے چین نظر آتے ہیں۔ میں نے اپنی بہن کے خاوند سے شادی کیوں کر رہی ہوں طاہر میں آج بھی آپ سے محبت کرتی ہوں اور کل بھی کرتی تھی اور زندگی کے آخری سانس تک کرتی رہوں گی مگر میں اپنی مرنے والی بہن سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے بچے کی خاطر میں اس کے خاوند سے شادی کر لوں گی پھر محبت جسم کے ملاپ کا نام نہیں محبت تو سدا قربانی مانگتی ہے۔ میں نے باجی سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنا ہے اب کبھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا میں ایک بچے کی ماں ہوں اور اپنا گھر آباد کر لینا میرے حق میں دعا کرنا۔ میں جس مقصد کے لئے محبت کر رہی ہوں سدا اس پر ثابت قدم رہوں وہ اپنی بات مکمل کر کے چلی گئی۔

آج کتنے ہی سال گزر چکے ہیں لیکن میں آج بھی طلعت کی یادوں کو اپنی حیات کا سرمایہ خیال کرتا ہوں کبھی زندگی میں طلعت کے سامنے نہیں گیا اگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ میرے سامنے آ جاتی ہے تو میں اپنا راستہ ہی تبدیل کر لیتا ہوں وقت نے میرے ساتھ بے وفائی کی اور حالات ہی کچھ ایسے کیوں ہو گئے تھے کہ میری محبت طلعت میری زندگی سے چلی گئی مجھے غموں کے حوالے کر گئی میں آج بھی وقت کی وادی میں کھڑا سوچ رہا ہوں۔ مٹتے کیوں نہیں درد کے سائے میری دعا ہے، اللہ تعالیٰ طلعت کو سدا سلامت رکھے، وہ اپنی باجی کے بچے کو ہمیشہ ماں کا پیار دیتا رہے جہاں بھی ہے، سدا شاد آباد رہے۔

آتا ہے حرف ایک ہی چہرہ نظر مجھے
تو رہتا ہے آج بھی دل کے مکان میں

## غزل

جانے کیوں شکست کا عذاب لئے پھرتا ہوں
میں کیا ہوں اور کیا خواب لئے پھرتا ہوں
اس نے ایک بار کیا تھا سوال محبت
میں ہر لمحہ وفا کا جواب لئے پھرتا ہوں
اس نے پوچھا کب سے نہیں سوئے
میں تب سے رتجگوں کا حساب لئے پھرتا ہوں
اس کی خواہش تھی کہ میری آنکھوں میں پانی دیکھے
میں اس وقت سے آنسوؤں کا سیلاب لئے پھرتا ہوں
افسوس کہ پھر بھی وہ میرا نہ ہو سکا
میں جس کی آرزو کی کتاب لئے پھرتا ہوں

☆......ڈاکٹر محمد ایوب بوہڑ۔ جعفر آباد

○

راز الفت چھپا کے دیکھ لیا
دل بہت کچھ جلا کے دیکھ لیا
اور کیا دیکھنے کو باقی ہے دلبر
آپ سے دل لگا کے دیکھ لیا
وہ میرے ہو کے بھی میرے نہ ہوئے
ان کو اپنا بنا کے دیکھ لیا
آج ان کی نظریں کچھ ہم نے
سب کی نظر میں مچا کے دیکھ لیا
جس کی تکمیل غم بی ہو نہ سکی کاوش
عشق کو آزما کے دیکھ لیا

☆......سعید نواز خان کاوش۔ جنڈانوالہ

## قطعہ

وہ جو ہنس ہنس کے بات کرتی ہے
میرے دل کے خیمے میں رات کرتی ہے
میں کیسے ان کے نخرے ناز نہ اٹھاؤں
جان سے زیادہ وہ مجھ سے پیار کرتی ہے
نہ ہو گا مجھ سا کسی کا صنم
مجھ کو خوش اور وہ خود کو بیقرار کرتی ہے

جبرائیل آفریدی

# پیار ہو تو ایسا

.....عبدالرحمٰن جھوٹے لال-ملتان

میں اپنے والدین کا اکلوتا وارث ہوں اس لئے وہ میری کوئی بات بھی نہیں ٹالتے جب میں نے اپنے ابو کو بتایا کہ ہم گھومنے ٹرپ کے ساتھ مری جا رہے ہیں تو انہوں نے مجھے پندرہ ہزار روپے دیئے اور کہا کہ خوب انجوائے کرنا.وہ بہت خوبصورت تھی جیسے دیکھتے ہی میں اپنا دل کھو بیٹھا تھا. اس کی جھیل سی آنکھیں گلابی ہونٹ اور کالے لمبے لمبے بال مجھے بار بار بس اس کی آواز سننے کو دل چاہ رہا تھا..... ایک سچے پیار کی کہانی

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

قارئین کرام! کچھ یوں تعارف کرانا چاہتا ہوں۔ آج میں پھر ایک اور دکھی مگر سچی کہانی کے ساتھ حاضر ہوں۔ میری کہانی آپ کو ان شاء اللہ ضرور پسند آئے گی۔ مجھے آپ کے خطوط اور فونز کا انتظار رہے گا تاکہ میں پھر دوبارہ ایک نئی اور سچی کہانی کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش آؤں اور جواب عرض کو کہانیاں لکھتا رہوں گا۔ آج کی کہانی کا عنوان یہ ہے "پیار ہو تو ایسا" یہ کہانی میرے ایک جگری دوست توفیق کی ہے۔ آیئے اس کی زبانی کہانی سنتے ہیں۔ ویسے تو میں بھی توفیق کے ساتھ تھا مگر میں چاہتا ہوں کہ یہ کہانی توفیق کی زبانی سنیں۔

میں اور عبدالرحمٰن دونوں کالج میں اکٹھے پڑھتے تھے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہمارے ایم اے کے امتحانات مکمل ہونے پر ہمارے کالج کی طرف سے آفر آئی کہ دو دن بعد ٹرپ مری گھومنے جائے گا۔ جن لڑکوں نے ٹرپ میں شامل ہونا ہے وہ اپنے پیسے جمع کروا دیں۔ مجھے تو پہلے ہی مری جانے کا بہت شوق تھا میں پہلے ایک دو بار مری جا چکا ہوں مگر وہاں کے نظارے ہی اتنے خوبصورت ہے کہ بار بار جانے کو دل کرتا ہے۔ میں نے اور میرے دوست عبدالرحمٰن نے پیسے جمع کروائے اور کالج سے گھر آ کر میں اور عبدالرحمٰن جانے کی تیاری کرنے لگے۔ ہم نے کچھ گرم کپڑے اور اپنی ضرورتوں کا سامان پیک کیا۔ قارئین میں آپ کو بتاتا چلوں کہ میں ملتان کا رہائشی ہوں میں ایک اونچے گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں میرے ابو کی ملتان میں تین فیکٹریاں ہیں ہمارا گھر بھی عالیشان ہے۔ دو کاریں ہیں ایک میری اور دوسری میرے ابو کی۔ میں اپنے والدین کا اکلوتا وارث ہوں اس لئے وہ میری کوئی بات بھی نہیں ٹالتے جب میں نے اپنے ابو کو بتایا کہ ہم گھومنے ٹرپ کے ساتھ مری جا رہے ہیں تو انہوں نے مجھے پندرہ ہزار روپے دیئے اور کہا کہ خوب انجوائے کرنا۔

ہماری بس ملتان سے روانہ ہوئی ہمارے سبھی کلاس فیلو ہمارے ساتھ تھے۔ میں اور عبدالرحمٰن اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے ہم دونوں نے کھانے کی کافی ساری اشیاء خریدیں اور بس میں سفر کے ساتھ کھانے کے مزے لے رہے تھے۔ کچھ لڑکے ڈانس کر رہے تھے کچھ گانا گا رہے تھے کچھ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں اور عبدالرحمٰن بھی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ تقریباً تیرہ گھنٹے کے

سفر کے بعد ہم مری پہنچ گئے۔ ہم نے ایک ہوٹل میں کمرے بک کروائے ہم سفر کے تھکے ہوئے تھے اس لئے آرام کی غرض سے ہم کمرے میں جا کر سو گئے اور صبح گھومنے جانے کا پلان کیا۔ جب صبح مجھے عبدالرحمن نے اٹھایا اور اور کہا کہ یار توفیق جلدی اٹھو ابھی ہم نے گھومنے جانا ہے جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں نے جلدی سے غسل کیا اور کمرے سے باہر آ کر دیکھا تو سب لوگ ناشتے کی ٹیبل پر میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں بہت شرمندہ ہوا خیر ہم لوگوں نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور اپنی تمام گرم چیزیں پہن لیں کیونکہ وہاں کافی سردی تھی مگر وہاں ایک دلکش منظر تھا۔ ہری ہری گھاس ہر طرف رنگ برنگے پھول پہاڑوں سے بہتا ہوا پانی ان نظاروں میں اور بھی چار چاند لگا رہا تھا ہم وہاں سے مری پارک میں گئے اور خوب انجوائے کیا۔ میں نے اور عبدالرحمن نے سر سے اجازت لی کہ ہم کچھ دیر کے لئے پہاڑوں کی طرف گھومنے جا رہے ہیں۔ شام ہونے سے پہلے واپس ہوٹل میں آ جائیں گے، آپ ہماری فکر نہ کرنا۔ پہلے تو سر نے انکار کر دیا کہ میں تم دونوں کو ایسے اکیلے نہیں جانے کی اجازت دے سکتا۔ میرے کافی اصرار کے بعد سر نے ہمیں اجازت دی۔ میں اور عبدالرحمن پہاڑوں کی طرف چلتے گئے ہم اپنے ہوٹل سے کافی دور آ گئے تھے کہ اچانک میری نظر ایک لڑکی پر پڑی جو بے حد خوبصورت تھی لیکن وہ کچھ زخمی تھی ہمارے قریب جا کر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ تو بے ہوش پڑی ہے۔ ہم نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تو اس نے اپنی خوبصورت سی آنکھیں کھولیں اور ہماری طرف دیکھ کر یکدم پیچھے کو ہوئی اور کہنے لگی کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں توفیق ہوں اور یہ میرا دوست عبدالرحمن ہے پر تم کون ہو اور اس طرح بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ تو اس نے بتایا کہ میں اپنے کالج کے ٹرپ کے ساتھ یہاں گھومنے آئی تھی مگر ہماری بس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا میں پہاڑ کے اس سائیڈ پر گر گئی اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہیں پتہ نہیں ہماری بس کا کیا ہوا ہو گا۔ وہ یہ کہتے ہی زور زور سے رونے لگی۔ میرے



چپ کروانے پر وہ چپ ہو گئی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئی ہو تو اس نے بتایا کہ میں ملتان کی رہنے والی ہوں۔ میرے ابو ایک انجینئر ہے پر اب میں گھر کیسے جاؤں گی میرے پاس تو پیسے بھی نہیں ہیں۔ میں نے انسانیت کے ناطے اس سے کہا کہ میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں گا میں بھی ملتان کا رہنے والا ہوں اور یہاں کالج کے ٹرپ کے ساتھ آیا ہوں۔ ہمارے ساتھ چلو ہم اپنے سر سے بات کریں گے ہمیں یقین ہے کہ وہ تمہیں ساتھ لے جانے پر ضرور راضی ہو جائیں گے وہ بہت رحم دل انسان ہے۔ قارئین میں آپ کو اس کا نام بتانا بھول گیا اس کا نام عائشہ ہے اور وہ ہمارے ساتھ چل دی۔ ہم تقریباً چار بجے ہوٹل پہنچ گئے اور سر کو ساری صورت حال بتائی تو سر نے ہمیں شاباش دی کہ تم نے ایک لڑکی کی مدد کی ہے اور عائشہ سے کہا کہ جب تک ہم یہاں ہیں آپ ہمارے ساتھ رہنا آپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہو گی اور جب ہم ملتان واپس جائیں گے تو تمہیں بھی ساتھ لے جائیں گے اور پھر توفیق تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آئے گا۔ سر نے عائشہ کو ایک الگ کمرہ لے کر دیا۔

رات کے کھانے کے بعد ہم سب سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ رات بھر نجانے کیوں مجھے نیند نہ آئی ایسا میرے ساتھ پہلی بار ہوا تھا بس مجھے عائشہ کی بہت یاد آ رہی تھی۔ وہ بہت خوبصورت تھی جسے دیکھتے ہی میں اپنا دل کھو بیٹھا تھا۔ اس کی جھیل سی آنکھیں گلابی ہونٹ اور کالے لمبے لمبے بال مجھے بار بار بس اس کی آواز سننے کو دل چاہ رہا تھا میں نے عبدالرحمن کو اٹھایا اور اسے ساری بات بتا دی۔ عبدالرحمن نے کہا کہ اب تمہارا اس کے کمرے میں جانا ٹھیک نہیں ہے کسی نے دیکھ لیا تو اس کی کیا عزت رہ جائے گی۔ جب صبح اس سے ملو گے تو اسے سب کچھ بتا دینا اور اب سو جاؤ اور مجھے بھی بہت گہری نیند آ رہی ہے۔ عبدالرحمن تو سو گیا مگر مجھے ساری رات نیند نہ آئی اور میں صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ نجانے کب میری آنکھ لگ گئی اور میں



خوابوں کی وادیوں میں کھو گیا۔ میری آنکھ صبح آٹھ بجے کھلی جب عبدالرحمن نے مجھے آ کر اٹھایا اور کہا کہ جناب رات کو تو آپ کو نیند نہیں آ رہی تھی اور ابھی تک سو رہے ہو اٹھ جاؤ عائشہ اور کالج کے سب لڑکے تمہارا انتظار کر رہے ہیں، جلدی فریش ہو کے آ جاؤ۔ عائشہ کا نام سنتے ہی میں فوراً اٹھا نہایا نئے کپڑے پہنے اور باہر آ گیا۔ سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے آج پھر مجھے شرمندہ ہونا پڑا کہ میری وجہ سے آج پھر سب لوگوں کو ناشتے میں دیر ہو گئی ہے۔ ہم سب نے مل کر ناشتہ کیا اور پھر سب لوگ سوچنے لگے کہ آج کہاں گھومنے جائیں۔ سب اپنی اپنی فرمائش کر رہے تھے اور میں بس عائشہ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی مجھے دیکھ رہی تھی میں نے سوچا کہ میں اپنی محبت کا اظہار کیسے کروں۔ میں نے عائشہ سے کہا کہ تمہارے کپڑے کافی خراب ہو گئے ہیں تو وہ خاموش ہو گئی اور نظریں جھکا لیں کیونکہ بدلنے کے لئے اس کے پاس کوئی دوسرا ڈریس نہیں تھا اور نہ خریدنے کے لئے پیسے۔ میں نے عائشہ سے کہا کہ میرا وہ مطلب نہیں تھا کیا میں تمہیں کوئی نیا ڈریس لا دوں تو اس نے کہا۔ نہیں یہی ٹھیک ہے میرے اصرار پر وہ میرے ساتھ شاپنگ کے لئے راضی ہو گئی۔ میں نے سر سے اجازت لی کہ میں عائشہ کو کوئی دوسرا ڈریس دلا دوں پہاڑ سے گرنے کی وجہ سے وہ کافی خراب ہو گیا تو سر نے مجھے اجازت دے دی۔ میں عبدالرحمن اور عائشہ ہم تینوں شاپنگ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ایک بڑی سی دکان پر گئے میں نے عائشہ سے کہا کہ جو تمہیں پسند ہے وہ ڈریس لے لو عائشہ نے کہا۔ ٹھیک ہے وہ ڈریس پسند کرنے لگی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس سے کیسے کہوں کہ میں اسے بہت پسند کرتا ہوں میرے دل کی بات عبدالرحمن نے پڑھ لی اور اس نے کہا کہ تم یہاں سے اس کے لئے کوئی گفٹ لے لو اور اس میں ایک خط کے ذریعے اپنے دل کا حال کہہ دو۔ میں نے کہا کہ یہ ٹھیک رہے گا۔ میں نے ایک خوبصورت سی انگوٹھی لی اور اسے پیک کروایا اتنے میں عائشہ آ گئی اور اس نے ایک ڈریس پہنا ہوا تھا جس میں وہ اور بھی

زیادہ حسین لگ رہی تھی کہ میں اس کو دیکھے جا رہا تھا کہ اس نے کہا توفیق یہ ڈریس ٹھیک ہے میں یکدم چونکا اور کہا کہ بہت خوبصورت ہے اس نے کہا۔ ٹھیک ہے میں نے گفٹ لی اور پے منٹ ادا کی ہم واپس ہوٹل آ گئے میں اور عبدالرحمن اپنے کمرے میں چلے گئے عائشہ بھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اب مجھے خط لکھنا تھا میرے دل میں یہ بھی ڈر تھا کہ اگر اس نے میری محبت کو ٹھکرا دیا تو خیر جو ہونا ہے وہ ہو جائے گا میں نے ہمت کر کے ایک پیپر لیا اور اسے خط لکھنا شروع کر دیا۔ خط کی تحریر کچھ یوں تھی۔

مائی ڈیئر عائشہ السلام علیکم! ایک شعر عرض ہے۔

خوشیوں سے ناراض ہے زندگی میری<br>
صرف پیار کی محتاج ہے زندگی میری<br>
ہنس لیتا ہوں لوگوں کو دکھانے کے لئے<br>
ورنہ درد کی کتاب ہے یہ زندگی میری

عائشہ میں آپ سے بہت پیار کرتا ہوں جس دن، جس پل سے آپ کو دیکھا ہے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا نہ رات کو نیند آتی ہے نہ دن کو چین آتا ہے آپ بہت خوبصورت ہو۔ میری زندگی کا بس ایک مقصد ہے تم کو پانا پلیز میرے خط کا جواب پیار سے دینا میں آپ کی محبت کا طلبگار ہوں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔ آپ کا دیوانہ آپ کی محبت کا طلبگار توفیق۔ ایک شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔

انتظار رہتا ہے ہر شام تیرا<br>
راتیں کٹتی ہیں لے کر نام تیرا<br>
کب سے بیٹھے ہیں یہ اس لئے<br>
کب آئے گا پیغام تیرا

فقط آپ کا دیوانہ توفیق

میں نے موقع پا کر وہ گفٹ عائشہ کو دیا پہلے تو اس نے مجھے حیرت سے دیکھا اور پھر گفٹ لے کر کمرے میں چلی گئی اور پھر میں اس کے جواب کا انتظار کرنے لگا کہ وہ مجھے جواب میں ہاں کرے گی یا نہ کرے گی۔ اگر اس نے مجھے جواب نہ دیا تو میں کیا کروں گا۔ میں ابھی یہ سوچ ہی

رہا تھا کہ اتنے میں کمرے کی بیل بجی میں نے دروازہ کھولا تو عائشہ تھی اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور ایک لفافہ مجھے دیا اور واپس چلی گئی۔ میں نے لفافہ کھولا تو اس کی تحریر کچھ یوں تھی۔

مائی ڈیئر جان توفیق السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ میں خیریت سے ہوں اور یقین ہے آپ بھی خیریت سے ہوں گے۔ میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ میں بھی آپ سے بہت محبت کرتی ہوں میں نے جب آپ کو پہلی بار دیکھا تو آپ کو دیکھتی رہ گئی پہلی نظر میں ہی آپ نے میرا دل چرا لیا اور میں آپ کی ہو کر رہ گئی مگر اقرار کرنے سے ڈرتی تھی۔ آج آپ کا خط ملا دل بہت خوش ہوا کہ جیسے میں چاہتی ہوں اتنی ہی شدت سے وہ مجھے چاہتا ہے۔ ایک شعر عرض کرنا چاہتی ہوں وہ جانتا ہے کہ مجھ سے صبر نہیں ہوگا۔

وہ جانتا ہے کہ مجھ سے صبر نہیں ہو گا
میرے درد سے وہ بے خبر نہیں ہو گا
میں اک قدم بھی چلوں تو دل پکارتا ہے
اگر تم ساتھ نہ ہوئے تو سفر نہیں ہو گا

توفیق میں آپ کو بہت چاہتی ہوں پلیز مجھے کبھی چھوڑنا مت نہیں تو میں مر جاؤں گی۔ ایک شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

اڑتی ہوئی چڑیا کا شکار مت کرنا
میں مر جاؤں تو کسی سے پیار مت کرنا

فقط آپ کی دیوانی عائشہ

میں نے وہ خط پڑھا تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ میں عائشہ کے کمرے میں گیا اور عائشہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ میں نے عائشہ سے کہا۔ میں دل و جان سے صرف تمہیں پیار کرتا ہوں اور یہ پیار مرتے دم تک کرتا رہوں گا۔ عائشہ نے کہا۔ میں بھی تم سے بہت پیار کرتی ہوں اور اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ رات ہو گئی تھی باتوں میں وقت کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ میں نے جب ٹائم دیکھا تو رات کے نو بج رہے تھے۔ میں نے عائشہ سے اجازت لی اور کہا۔ اب ہم صبح ملیں گے اب میں جا رہا ہوں۔ عائشہ نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ میں واپس اپنے کمرے میں آ گیا لیکن میرا چین و سکون وہیں رہ گیا۔ مجھے نہ تو نیند آ رہی تھی نہ ہی چین آ رہا تھا۔ میں نے صبح کا پروگرام سوچا کہ کل ہم دونوں گھومنے جائیں گے کیونکہ میں ان دنوں بہت خوبصورت بنانا چاہتا تھا اور یادگار بھی۔

آج میری آنکھ صبح ہی کھل گئی میں حیران تھا کہ میں آج خود ہی صبح اٹھ گیا ہوں۔ خیر میں جلدی جلدی فریش ہوا اور عائشہ کے کمرے میں چلا گیا۔ میں نے عائشہ سے کہا۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ ہم گھومنے چلیں گے۔ عائشہ نے کہا۔ ٹھیک ہے میں تھوڑی دیر میں تیار ہو کر آتی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد جب عائشہ آئی تو وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ دل چاہ رہا تھا کہ بس اسے دیکھتا رہوں۔ ایک پل کے لئے نظریں ہٹانے کا دل نہیں کر رہا تھا۔ میں اسے دیکھتا ہی جا رہا تھا کہ عائشہ میرے قریب آئی اور بولی۔ توفیق کہاں کھو گئے؟ میں یکدم چونکا میں نے کہا۔ کہیں نہیں میں یونہی تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ خدا نے تمہیں کتنا حسین اور معصوم بنایا ہے۔ عائشہ نے کہا۔ اب چلیں کہاں جانا ہے۔ میں نے کہا۔ کہیں گھومتے ہیں۔ پھر ہم دونوں نتھیا گلی گئے وہاں ہم نے خوب انجوائے کیا پھر ایک بڑے ریسٹورنٹ میں دوپہر کا لنچ کیا۔ لنچ کے بعد ہم دونوں ادھر ادھر گھومنے لگے اور وہاں کی خوبصورتی دیکھنے لگے۔ وہاں سے ہم ایوبیہ گئے وہاں بھی ہم نے خوب انجوائے کیا۔ جھولے لئے اور یاد کے لئے کچھ تصویریں بنوائیں۔ شام ہونے والی تھی پھر ہم فیملی شوز گئے وہاں پر ہم نے بھوت بنگلہ دیکھا۔ عائشہ بھوت بنگلے میں گئی وہاں سے ڈر کر کہنے لگی۔ توفیق باہر چلو مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ تو سب جھوٹ کے بھوت ہیں لیکن وہ نہیں مانی اور کہا۔ باہر چلو پھر ہم بار پارک میں گھومنے لگے۔ آئس کریم کھائی اور بہت کچھ دیکھا۔ رات ہونے والی تھی ہم نے واپس ہوٹل جانے کا سوچا پھر ہم وہاں سے واپس ہوٹل میں آ گئے چونکہ ہم نے واپس ملتان جانا تھا اس لئے ہم نے ساری پلاننگ کی



اور پھر سو گئے۔ صبح اٹھے تو سر نے کہا۔ جلدی کرو ہمیں واپس ملتان کے لئے روانہ ہونا ہے۔ سب لوگ جلدی جلدی تیاری کرنے لگے۔ پھر ہم بس میں سوار ہو گئے میں اور عائشہ ساتھ میں ہی بیٹھ گئے۔ عائشہ نے کہا۔ توفیق ہم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے۔ میں نے کہا۔ پاگل ہم ایک ہی شہر میں رہتے ہیں جب دل چاہے کال لیں گے اور میں نے پھر اپنے موبائل کا نمبر دیا اور کہا کہ جس دن ہماری ملاقات نہیں ہو گی ہم فون پر رابطہ کر لیں گے۔ عائشہ نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ ادھر عائشہ کے ماں باپ بہت پریشان تھے کہ عائشہ کہاں اور کس حال میں ہو گی۔ عائشہ کی ماں تو رو رو کر بہت ہی زیادہ کمزور اور بیمار ہو گئی تھی۔ انہیں کیا پتہ کہ عائشہ خیریت کے ساتھ ہے وہ تو بس اس غم میں سوکھے جا رہے تھے کہ عائشہ زندہ بھی ہے یا مر گئی۔ جب ہم ملتان پہنچے میں نے عائشہ سے اس کے گھر کا پتہ پوچھا اور اسے چھوڑنے کے لئے اس کے گھر چلا گیا۔ عائشہ کے ماں باپ عائشہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے انہوں نے عائشہ سے پوچھا۔ تم اتنے دن کہاں تھی۔ عائشہ نے سب کچھ بتا دیا۔ میں نے اس کی مدد کی ہے۔ عائشہ کے والد نے کہا۔ بیٹا ہم تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔ میں نے کہا۔ انکل یہ احسان کی کیا بات ہے یہ تو میرا فرض تھا۔ عائشہ کے والدین نے میری خوب خاطر تواضع کی پھر میں عائشہ اور ان کے گھر والوں سے اجازت لے کر واپس گھر آ گیا۔ جب میں گھر آیا تو عبدالرحمٰن بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا اور وہ مجھ سے کافی حد تک ناراض بھی تھا۔ میں نے عبدالرحمٰن کو دیکھا اور کہا۔ یار تم یہاں۔ تو عبدالرحمٰن نے کہا۔ تم تو ہمیں بھول گئے تھے وہاں تمہیں عائشہ جو مل گئی تھی ہمیں تو بھولنا ہی تھا۔ میں نے کہا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس نے کافی گلے شکوے کئے پھر ہم دونوں نے شام کا ڈنر کیا اور میں نے عبدالرحمٰن کو اپنے پیار کے بارے میں سب کچھ بتا دیا پھر عبدالرحمٰن نے مجھ سے اجازت لی اور واپس گھر چلا گیا۔ میں بھی آرام کی غرض سے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ اتنے میں میرے موبائل پر ایک نئے نمبر کا میسج آیا جس میں لکھا ہوا تھا۔

احساس آرزو کو دل سے مٹا نہ سکو گے
اگر بھولنا بھی چاہو تو ہمیں بھلا نہ سکو گے
یہ چراغ دوستی دل سے جلایا ہے ہم نے
جل جاؤ گے مگر بجھا نہ سکو گے

میں نے میسج پڑھا اور فوراً اس نمبر پر فون کیا تو فون عائشہ نے اٹھایا۔ عائشہ نے کہا۔ توفیق کیسے ہو؟ میں نے کہا۔ ٹھیک ہوں تم سناؤ تم کیسی ہو۔ عائشہ نے کہا۔ کیا بتاؤں تمہاری بہت یاد آ رہی ہے۔ میں نے کہا۔ یاد تو مجھے بھی بہت آ رہی ہے۔ عائشہ نے کہا۔ توفیق ہم کل ملاقات کریں گے اور اس نے جگہ بتا دی۔ اس کے بعد ہم نے کچھ دیر اور باتیں کی اور پھر فون بند کر دیا اور میں سونے کے لئے لیٹ گیا پھر مجھے نیند نہیں آ رہی تھی عائشہ کی باتیں یاد آ رہی تھیں اور پھر پتہ نہیں نیند کی دیوی مجھ پر کب مہربان ہو گئی اور میں سو گیا۔ صبح امی نے آ کر مجھے اٹھایا اور کہا۔ توفیق بیٹے اٹھ جاؤ ناشتہ تیار ہے۔ میں جلدی سے اٹھا اور فریش ہوا ناشتہ کیا اور امی سے اجازت لی کہ میرا ایک دوست مجھ سے ملنے آ رہا ہے میں ان سے ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔ امی نے کہا۔ ٹھیک ہے پر جلدی گھر آ جانا۔ میں نے کہا۔ ٹھیک ہے آ جاؤں گا۔ میں نے اپنی گاڑی نکالی اور عائشہ سے ملنے کے لئے وہاں پہنچ گیا جہاں عائشہ میرا انتظار کر رہی تھی۔

آج اس نے بلیک ڈریس پہنا ہوا تھا جس سے وہ آج قیامت ڈھا رہی تھی اور بہت ہی سندر دکھائی دے رہی تھی۔ عائشہ نے کہا۔ پھر ہم نے ایک دوسرے سے جدا نہ ہونے کی قسمیں کھائیں اور بہت سی باتیں کیں پھر ہم وہاں سے ایک ہوٹل میں گئے اور کھانا کھایا اور پھر عائشہ کو اس کے گھر ڈراپ کر دیا۔ تقریباً تین بجے کے قریب عائشہ کا فون آیا اور عائشہ نے مجھے ایسی خبر سنائی کہ میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ عائشہ نے کہا۔ توفیق جب تم مجھے گھر چھوڑ کر گئے تھے تو ہمارے گھر میرے ماموں ممانی اور ان کا ایک بیٹا ساتھ آیا ہوا تھا۔

میں نے جا کر ماموں اور ممانی کو سلام کیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کچھ ہی دیر بعد مجھے معلوم ہوا کہ ماموں نے مجھے اپنے بیٹے کے لئے مانگ لیا ہے جس کا نام محبوب ہے اور امی ابو نے بھی ہاں کردی ہے۔ وہ کچھ ہی دن بعد ہماری شادی کی تاریخ پکی کر دیں گے۔ میں نے امی سے کہا کہ آپ نے ہماری زندگی کا فیصلہ ہم سے بغیر پوچھے کر دیا ہے۔ میں محبوب سے شادی نہیں کرنا چاہتی ہوں بلکہ میں توفیق کو پسند کرتی ہوں اور اس سے ہی شادی کروں گی۔ پھر امی نے کہا۔ اب تمہاری بات پکی ہوگئی۔ پلیز توفیق کچھ کرو ورنہ میں مر جاؤں گی۔ وہ اتنا کہہ کر رونے لگی میں نے حوصلہ دیا۔ عائشہ ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا ہمارا پیار اتنا کچا نہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے دور ہو جائیں گے۔ تم فکر نہ کرو میں اپنے امی ابو سے بات کر کے صبح تمہارے رشتے کے لئے انہیں بھیجوں گا اور وہ تمہارے امی ابو سے آ کر بات کریں گے۔ پریشان نہ ہونا ہم ضرور ایک ہوں گے۔ ہم نے سچا پیار کیا ہے ہم ضرور ایک ہوں گے۔ عائشہ نے کہا۔ ٹھیک ہے تم کل ضرور اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیجنا میں انتظار کروں گی۔ پھر ہم نے فون بند کر دیا۔ میں نے جا کر امی کو سب کچھ بتا دیا اور کہا۔ میں عائشہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں اگر میری شادی عائشہ نہ ہوئی تو میں مر جاؤں گا۔ امی نے کہا۔ بیٹا ایسے نہیں کہتے تم ہمارے اکلوتے بیٹے ہو ہم صبح ضرور عائشہ کے گھر جائیں گے اور تمہارے رشتے کی بات کریں گے۔ امی نے ابو سے بات کی تو ابو نے کہا۔ ہماری خوشی ہمارے بیٹے سے ہے ہم کل ضرور جائیں گے۔ میں نے فوراً عائشہ کو فون کیا اور کہا۔ جان آپ بالکل پریشان نہ ہونا امی ابو صبح ضرور تمہارے گھر آئیں گے۔ عائشہ نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ پھر امی نے کہا۔ توفیق بیٹا چلو ڈنر کرتے ہیں جلدی سونا ہے تا کہ صبح ہم جلدی سے عائشہ کے گھر جا کر تمہاری شادی کی بات کریں۔ میں نے جلدی جلدی کھانا کھایا اور پھر سونے کے لئے کمرے میں چلا گیا تا کہ صبح جلدی اٹھ کر عائشہ کے گھر جاؤں۔ یہ سوچتے ہوئے سو گیا کہ جب عائشہ دلہن بن کر میرے سامنے آئے گی تو وہ کتنی خوبصورت لگے گی اور پھر میں سو گیا۔ صبح جب آنکھ کھلی تو امی نے کہا۔ توفیق بیٹا اٹھو عائشہ کے گھر جانا ہے۔ میں خوشی خوشی اٹھا اور تیار ہو گیا۔ ناشتہ کیا میں نے امی سے کہا۔ آپ لوگ جائیں میں آپ کے ساتھ پھر کسی دن چلوں گا۔ میں آپ کا گھر پر ہی انتظار کروں گا۔ بس آپ عائشہ کو اس کے گھر والوں سے ضرور مانگ لینا۔ امی نے کہا۔ تم پریشان نہ ہو پھر امی ابو عائشہ کے گھر چلے گئے میں نے عائشہ کو فون کیا اور کہا۔ کچھ ہی دیر بعد امی ابو تمہارے گھر پہنچ جائیں گے۔ عائشہ بہت خوش ہوئی اور کہا۔ توفیق میں آج بہت خوش ہوں پھر میں نے فون بند کر دیا اور بے چین تھا کہ کب امی ابو واپس آئیں گے اور خوشخبری سنائیں گے۔ امی ابو عائشہ کے والدین سے ملے اور کہا کہ ہم آپ کی بیٹی عائشہ کا رشتہ لینے آئے ہیں کیونکہ ہمارا بیٹا توفیق آپ کی بیٹی کو بہت پسند کرتا ہے۔ وہ ہمارا اکلوتا بیٹا ہے پلیز مہربانی کر کے عائشہ کو ہماری بہو بنا دیں۔ جس پر عائشہ کے والدین نے کہا کہ کل ہی اس کے ماموں کے بیٹے کے ساتھ رشتہ طے ہوا ہے اگر آپ پہلے آ جاتے تو ہم کبھی بھی آپ کو انکار نہیں کرتے مگر اب ہم مجبور ہیں۔ میرے والدین مایوس ہو کر واپس آ گئے اور آ کر کہا۔ بیٹا کل ہی اس کا رشتہ اس کے ماموں کے بیٹے سے طے ہوا ہے اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اتنے میں فون کی بیل بجی میں نے فون ریسیو کیا تو عائشہ نے کہا۔ توفیق اب ہم کیا کریں گے اور وہ رو بھی رہی تھی میں نے عائشہ کو اپنی قسم دے کر چپ کروایا تو عائشہ نے کہا۔ توفیق ہم بھاگ کر شادی کر لیں گے۔ میں نے کہا۔ عائشہ تم پاگل تو نہیں ہو رہی ہو ایسا کام کرنے سے تمہارے ماں باپ کی کیا عزت رہے گی مگر اس نے کہا کہ اگر تم آدھے گھنٹے میں میرے پاس نہ آئے تو میں زہر کھا لوں گی اور پھر فون بند کر دیا۔ میں نے سوچا کہ عائشہ سے مل کر اسے سمجھا دوں گا کہ ہم ہمت سے کام لیں گے ہم بھاگ کر نہیں بلکہ سب گھر والوں کے ساتھ مل کر شادی کریں گے۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میرے ذہن میں



خیال آیا کہ کہیں وہ سچ میں زہر نہ کھا لے میں نے فوراً اپنی گاڑی نکالی اور عائشہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

راستے میں ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے دس منٹ لیٹ ہو گیا جب میں عائشہ کے گھر پہنچا تو پتہ چلا کہ عائشہ نے زہر کھا لیا ہے اور اس کے امی ابو اسے لے کر ہسپتال گئے ہیں۔ میں نے کہا۔ عائشہ یہ تم نے کیا کر لیا میں بھی جلدی سے ہسپتال کی طرف روانہ ہوا۔ ہسپتال پہنچا دیکھا کہ عائشہ آئی سی یو میں ایڈمٹ ہے اور عائشہ کی امی رو رہی تھی۔ میں عائشہ کی امی کے پاس گیا اور کہا کہ پلیز آنٹی روئیں مت میری عائشہ کو کچھ نہیں ہو گا۔ میں نے خدا سے دعا مانگی کہ اے اللہ میری عائشہ کو صحت عطا فرما۔ اتنے میں ایک ڈاکٹر آیا اور اس نے بتایا کہ عائشہ اب خطرے سے باہر ہے۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ڈاکٹر نے کہا۔ اب اسے کسی قسم کا کوئی صدمہ نہیں دینا وہ برداشت نہیں کر پائے گی۔ عائشہ کی امی نے عائشہ کے ابو سے بات کی اور کہا کہ عائشہ کی شادی توفیق سے کرا دیں ہمیں اپنی بیٹی کی خوشی چاہئے۔ عائشہ کے والد نے کہا کہ ٹھیک ہے عائشہ کے والد نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا۔ توفیق بیٹا آج سے ہماری عائشہ آپ کی ہوئی اس کا پورا خیال رکھنا۔ میں نے کہا۔ انکل آپ بے فکر رہیں میں عائشہ کو بہت خوش رکھوں گا تو عائشہ کے والد نے کہا۔ اپنے والدین کو کہنا کہ آ کر شادی کی تاریخ پکی کر لیں ہم جلد از جلد شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ ٹھیک ہے انکل میں نے یہ خوشخبری عائشہ کو سنائی تو خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں نے گھر جا کر امی ابو کو بتایا کہ عائشہ کے والدین شادی کے لئے راضی ہو گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کو صبح اپنے گھر بلایا ہے تو امی نے کہا۔ ٹھیک ہے ہم صبح ضرور جائیں گے۔ اس طرح ہماری شادی کی تاریخ پکی ہو گئی ہماری شادی کی ساری ڈیکوریشن عبدالرحمن نے کی اور یوں ہماری شادی ہو گئی اور عائشہ ہمارے گھر دلہن بن کر آئی۔ وہ دلہن کے روپ میں بہت ہی زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ دوستو یہ ہے میری اور عائشہ کی کہانی۔ پیار ہو تو ایسا ہمارے پیار کو منزل مل گئی خدا ہر پیار کرنے والے کو ملا دے۔

قارئین مجھے یقین ہے کہ آپ کو میرے دوست توفیق کی کہانی پسند آئی ہو گی پلیز اپنے خطوط سے ہمیں آگاہ کریں تا کہ میں اور مزید لوگوں کی کہانی لکھ سکوں۔ آپ سے اجازت چاہوں گا۔

■□■

## غزل

آنکھ برسی ہے ترے نام پہ ساون کی طرح
جسم سلگا ہے تری یاد میں ایندھن کی طرح
لوریاں دی ہیں کسی قرب کی خواہش نے مجھے
کچھ جوانی کے دن بھی گزرے ہیں بچپن کی طرح
اس بلندی سے تو نے مجھے نوازا کیوں تھا
گر کے میں ٹوٹ گیا کانچ کے برتن کی طرح
مجھ سے ملتے ہوئے یہ بات بھی سوچی ہوتی
میں ترے دل میں سما سکتا ہوں دھڑکن کی طرح
منتظر ہے کسی مخصوص سی آہٹ کی طرح
زندگی بیٹھی ہے دہلیز پہ برہن کی طرح
نہ کوئی رو اجلی، نہ شبستاں میں جلا
ٹمٹماتا ہوں چراغ سرحد فن کی طرح
☆..... محمد عمران بٹ۔ ڈھوک ڈل

## غزل

کوئی وقت پرانا یاد آیا پھر دور سہانا یاد آیا
اور چلک سی ان دیواروں پہ کچھ لکھ کر جانا یاد آیا
تیرا ملنا نیم کی چھاؤں میں اور سر رکھ دینا کندھے پر
میرا یہ کہنا کوئی دیکھ نہ لے تیرا وہ گھبرانا یاد آیا
ایسا بھی تو اکثر ہوتا تھا میں تجھ کو چھوڑنے جاتا تھا
بارش کی بھیگی راتوں میں تیرا ہاتھ ہلانا یاد آیا
وہ وقت گیا بیتے لمحے اب ہر جانب تنہائی ہے
بس ایک ہی منظر آنکھوں میں تیرا چھوڑ کے جانا یاد آیا
☆..... ڈاکٹر محمد ایوب بوہڑ۔ جعفر آباد

# دولت بے وفا ہوتی ہے

آفتاب احمد عباسی۔ سعودی عرب

دل میں ایک جذبہ پیدا ہو گیا اور اس نے قسم کھا لی زندگی بھر احمد کا انتظار کرے گی وقت دونوں کا اپنی رفتار سے گزرتا رہا۔ احمد نے شادی کی ایک لڑکی سے احمد کے برے دن آنے لگے۔ احمد کے اوپر اتنے برے دن آگئے کہ بیوی نے بھی طلاق لے لی.....
ایک دکھ بھری کہانی

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

میں اب آتا ہوں کہانی کی طرف جو کہانی ایک نوجوان کی ہے جس کا نام احمد ہے۔ احمد کے پاس اتنی زیادہ دولت تھی کہ وہ دولت کی وجہ سے اپنوں کو بھی بھول تک گیا تھا بس اس کو وہی لوگ نظر آتے جن کے پاس اس کی طرح دولت ہوتی وہی اس کے دوست تھے۔ باقی غریب لوگوں سے سخت احمد نفرت کرتا تھا چاہے وہ اس کے اپنے رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں۔ احمد رشتے دار ایک لڑکی بھی جو احمد سے پیار کرتی تھی مگر احمد کی دولت کی وجہ سے نہیں وہ لڑکی احمد کی دیوانی تھی وہ احمد کے پیار میں پاگل ہو چکی تھی۔ اس لڑکی کا نام نورین تھا۔ ایک دن نورین نے احمد کو بتایا احمد میں آپ سے کوئی بات کرنا چاہتی ہوں میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں نورین غریب ضرور تھی مگر رب نے اس کو چاند سے بھی زیادہ خوبصورتی دی ہوئی تھی۔ جب چاند جوان ہوتا ہے تو اس کی چاند چمک سے زمین روشن ہو جاتی ہے رات کو اس طرح جب نورین پر نظر پڑتی تو آنکھوں پر ایک چمک پڑتی نورین کے چہرے کی۔ اتنا رب نے نورین کو خوبصورت بنایا تھا۔ احمد نے نورین کو کہا۔ نورین کیا بات ہے تو نورین نے کہا۔ احمد میں آپ سے پیار کرتی ہوں اور آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ یہ بات سن کر احمد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ نورین جب آپ نے کہا کہ میں آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں تو مجھے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے آپ میرے گھر میں نوکری کرنا چاہتی ہو۔ آپ ملازمت کرنا چاہتی ہو اور آپ نے شادی کی بات کر دی۔ نورین اگر کوئی پیسوں کی ضرورت ہے تو بات کرو اور دوسری بات میں تو آپ کو اپنے گھر کی نوکر بھی نہیں رکھنا چاہتا ہوں کیوں کہ غریب لوگوں سے میں نفرت کرتا ہوں یہ بات سن کر نورین رونے لگی تو احمد مسکرانے لگا اور احمد نے نورین کو کہا۔ میرے گھر میں ایک نوکر ہے۔ اگر آپ اس سے شادی کرنا چاہتی ہو تو میں اس سے بات کروں مگر اس کی عمر پینتالیس سال ہے مگر نورین آپ کے لئے یہ بات بھی بڑی ہے کہ آپ کی شادی میرے نوکر سے ہو۔ نورین یہ بات سن کر بولی۔ احمد میں غریب ہوں تو کیا پلیز مجھ سے شادی کر لو میں آپ سے پیار کرتی ہوں اور دوسری بات احمد سن میری عمر سترہ سال ہے اور اگر آپ سے شادی نہ ہوئی تو زندگی بھر کسی اور سے شادی نہیں کروں گی۔ احمد سترہ سال کے بعد کی جو زندگی باقی ہے میں آج وہ آپ کے نام کرتی ہوں میں زندگی بھر تمہارا انتظار کروں گی آئی لو یو احمد۔

نورین یہ بات کرنے کے بعد روتی رہی اور احمد اپنی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ نورین نے روتے روتے رب سے دعا کی یا رب اگر دو پیار کرنے والوں

میں دیوار دولت ہے تو پھر غریب کے دل میں پیار ڈال کر کیوں ایسے کرتے ہو یارب ایسا کیوں کیا یارب میرے ساتھ یارب جواب دو روتے روتے نورین کو نیند آ جاتی ہے اور نورین کو ایک خواب آتا ہے کہ نورین ایک دن یہ دولت تمہارے پاس ہو گی اور احمد تمہارے پاس آئے گا جس طرح آج تم اس کے پاس گئی ہو۔ نورین بس انتظار کرو۔

وقت رفتار سے گزر رہا تھا نورین نے تو پہلے بھی احمد کو بول دیا تھا کہ میں تمہارا انتظار کروں گی کیوں کہ نورین احمد سے پیار کرتی تھی مگر خواب آنے کے بعد نورین کے دل میں ایک جذبہ پیدا ہو گیا اور اس نے قسم کھالی زندگی بھر احمد کا انتظار کرے گی وقت دونوں کا اپنی رفتار سے گزرتا رہا۔ احمد نے شادی کی ایک لڑکی سے احمد کے برے دن آنے لگے۔ احمد کے اوپر اتنے برے دن آ گئے کہ بیوی نے بھی طلاق لے لی۔ احمد کی دولت کا پتہ ہی نہیں چلا احمد کو کہ دولت کبھی تھی بھی یا نہیں۔ احمد کے دوست احمد سے دور ہونے لگے۔ احمد کی شادی کو دس سال گزر گئے تھے جب احمد کی بیوی نے احمد سے طلاق لی مگر دونوں کو رب نے کوئی بچہ بھی نہیں دیا۔ نورین نے ابھی تک شادی نہیں کی ہوئی تھی کیوں کہ نورین نے زندگی بھر احمد کی انتظار میں گزار دینے کی قسم لی ہوئی تھی مگر رب نے بھی سچے پیار کا ساتھ دینا تھا۔

وقت رفتار سے گزر رہا تھا کہ ایک دن احمد نے جن آدمیوں کے پیسے دینے تھے ان لوگوں نے تھانے میں رپورٹ درج کروائی۔ احمد نے ان لوگوں کا چار لاکھ روپیہ دینا تھا یہ بات آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں احمد اور نورین دونوں راولپنڈی کے رہنے والے تھے جب پولیس احمد کو لے جانے لگی تو نورین نے جا کر احمد کے گھر والوں کو کہا کیا بات ہے احمد نے کتنے پیسے ان لوگوں کے دینے ہیں کیوں کہ احمد اور نورین آپس میں رشتے دار بھی تھے تو احمد کے گھر والوں نے بتایا بیٹا پیسے زیادہ ہیں چار لاکھ روپیہ ہے۔ یہ بات سن کر نورین نے کہا۔ میں چار لاکھ روپیہ دوں گی اور احمد کو اس وقت چھوڑ دو اور کل آ کر ہمارے گھر سے چار لاکھ روپیہ لے جانا۔ پولیس والوں نے کہا۔ اگر کل احمد ہم کو نہ ملا اور چار لاکھ روپیہ آپ کو دینا ہو گا تو نورین نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ آپ ابھی اس وقت میرے سے تین بینک کے چیک لے جاؤ اور کل بینک سے پیسے لے لینا مگر ان لوگوں نے کہا۔ نہیں ہم کل آپ کے گھر سے چار لاکھ روپیہ ہی لے کر جائیں گے۔ یہ بات بول کر وہ لوگ تو چلے گئے احمد کو چھوڑ گئے اور نورین اپنے گھر جب جانے لگی تو احمد کے ابو اور امی نے نورین کو کہا۔ بیٹا شکریہ نورین نے کہا کوئی بات نہیں ہے میں آپ بتا دینا چاہتا ہوں نورین کے پاس کس طرح دولت آئی نورین کے تین بھائی امریکہ میں تھے اور تینوں بھائی امریکہ سے نورین کو پیسے روانہ کیا کرتے کیوں کہ گھر پر نورین اور اس کی امی اور ایک چھوٹا بھائی ہوتے تھے نورین کے ایک بھائی کو دوست امریکہ لے کر گیا تھا اور پھر اس نے دوسرے دو بھائیوں کو امریکہ لے گیا اور تین چار سال کے اندر نورین کے گھر والوں کی قسمت بدل گئی کیوں کہ دینے والی وہ ذات ہے جب چاہے دے اس کی مرضی ہے اور اس کے بعد پھر یہ ہوا جب دوسرے دن وہ لوگ چار لاکھ روپیہ نورین سے لے کر چلے گئے تو احمد نے نورین سے جا کر معافی مانگی اور نورین کا شکریہ بھی ادا کیا مگر ایک بات یہ ضرور تھی کہ جو نورین نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی اس کی وجہ ابھی تک کسی کو معلوم نہیں تھی پس نورین نے اپنے گھر والوں کو بتایا تھا کہ میں زندگی بھر شادی نہیں کرنا چاہتی ہوں مگر احمد نے نورین کو کہا۔ پلیز نورین مجھے معاف کرنا اور خدا کے لئے انکار نہ کرنا میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں تو نورین نے کہا۔ احمد کیا بات ہے۔ تو احمد نے کہا۔ نورین میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو جواب میں نورین نے کہا۔ احمد میں نے آپ سے پیار کیا تھا اور آج بھی آپ سے پیار کرتی ہوں۔ میں نے آپ کی دولت سے پیار نہیں کیا کیوں کہ دولت آج ایک کے پاس اور کل دوسرے کے پاس اور جو لوگ دولت سے زیادہ پیار کرتے ہیں دولت ایک دن ان سے بے وفائی کر جاتی ہے اور پھر وہی ساتھ دیتے ہیں جو اپنے ہوتے ہیں اس لئے احمد میں کل بھی تیری تھی اور آج بھی تیری ہوں بس جا کر اپنے گھر والوں کو میرے رشتے کے لئے ہمارے گھر بھیجو اور میں آپ سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔ احمد نے اپنے گھر بات کی اور احمد کے گھر والوں نے نورین کے گھر والوں سے بات کی اور پھر دونوں کی شادی ہو گئی آج شادی کو دو سال ہوئے ہیں اور رب نے ان کو ایک بیٹا بھی دیا اور دونوں خوش ہیں مگر احمد دنیا والوں کو بتانا چاہتا ہے خدا کے لئے میری طرح کبھی دولت سے پیار نہ کرنا اور غریب لوگوں سے نفرت نہ کرنا کیوں کہ اس بات سے اللہ پاک ناراض ہوتا ہے اور نورین دنیا والوں کو بتانا چاہتی ہے وفا کرو اور سچا پیار کرنے والوں کا رب بھی ساتھ دیتا ہے۔ پلیز پیار کرو نورین کی طرح نورین تیرے صبر کو سلام تیرے سچے پیار کو سلام۔

❊□❊

## جواہر پارے

★ بڑی عمر کی کیا اہمیت، باعث مسرت تو یہ ہے کہ انسان کم عمری میں بڑے بڑے کام انجام دے۔

★ یوں تو تقریباً ہر بیوی کے دل میں اپنے شوہر کے لئے محبت کا جذبہ موجزن ہوتا ہے لیکن جب کوئی شوہر اپنی بیوی کی سلیقہ شعاری، رکھ رکھاؤ اور گھریلو مصروفیات کی تعریف کر دیتا ہے تو بیوی کا جذبہ محبت عشق میں بدل جاتا ہے۔

★ مجھے دنیا کی دو چیزوں سے سخت نفرت ہے۔ ایک تو کسی جاہل سے دشمنی کرنا اور دوسرا کسی ان پڑھ سے بحث مباحثہ کرنا۔

★ کسی سے فضول بحث کرنے کی بجائے بہتر یہ ہے کہ دوسروں کے معقول دلائل کو غور سے سنا جائے۔

★ مرد اور عورت ایک دوسرے کے بغیر بے معنی ہیں لیکن جب یہ دونوں باہم ہو جاتے ہیں تو دنیا کے تمام فتنے جاگ اٹھتے ہیں۔

★ گناہ کی سرزدگی اتنی اہمیت نہیں رکھتی جتنی کہ گناہ کی باتوں کو کارناموں کی طرح حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بیان کرنا۔

★ دعا مانگنے والوں نے کبھی خدا کو نہیں بدلا بلکہ خود خدا نے دعا مانگنے والوں کو بدل دیا۔

☆......ڈاکٹر زاہد جاوید-وہاڑی

## غزل

ٹوٹے ہوئے لفظوں میں روانی نہیں ملتی
لمحوں میں تو صدیوں کی کہانی نہیں ملتی
دل جل گیا اب اس میں دھواں تک نہیں اٹھا
اس راکھ سے تصویر پرانی نہیں ملتی
اظہار پہ تالے ہیں تو تالے ہی سمجھنا
ہر لکھی ہوئی بات زبانی نہیں ملتی
جو مانگو مقدر سے ہمیں وہ نہیں ملتا
اس دور میں راجہ کو بھی رانی نہیں ملتی
باقی نہیں خاروں میں بھی پہلی سی چبھن اب
اور پھولوں پہ پہلی سی جوانی نہیں ملتی
سوچا تھا کسی شام سہانی کو ملیں گے
اور شام ہمیں کوئی سہانی نہیں ملتی
(فاخرہ بتول)
محمد افضل جواد-کالا باغ

## غزل

دیتا رہا فریب کوئی سادگی کے ساتھ
اتنا بڑا مذاق میری زندگی کے ساتھ
شاید ملی سزا اس جرم کی مجھے
کیا تھا پیار اک اجنبی کے ساتھ
وہ زہر بھی دیتے رہے دوا کی طرح
اتنا برا سلوک میری سادگی کے ساتھ
اپنا سمجھ کر جس کے لئے اجڑ گئے ہم
کل شام جا رہا تھا کسی اجنبی کے ساتھ
☆......مس صبا-کلر سیداں

# واہ تیری دوستی

راجہ غلام مرتضیٰ- باغ، آزاد کشمیر

کسی سے چھینی گئی خوشیاں زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتیں۔ انسان کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے اور وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ بقول "اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت"۔ رضا کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ وہ اس بات سے بے خبر اپنی دھن میں مست جا رہا تھا کہ تقدیر اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے جا رہی ہے ..... ایک درد بھری کہانی

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

پیارے قارئین! زندگی کے سفر میں بعض اوقات ایسے اپنے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ اگر آدمی چاہے بھی تو ان کو بھلا نہیں سکتا۔ یہ ضروری نہیں کہ خونی رشتہ ہی مشکل میں کام آئے۔ بعض اوقات منہ بولے رشتے حقیقی اور خونی رشتوں پر بھی سبقت لے جاتے ہیں کیونکہ ان کو اپنا خونِ جگر دے کر پروان چڑھانا پڑتا ہے اور کبھی کبھی یہی منہ بولے رشتے حقیقی رشتوں پر بازی لے جاتے ہیں اور زمانے کے لئے اک مثال بن جاتے ہیں لیکن کبھی کبھی انہی رشتوں کی آڑ میں ایسے ایسے گھناؤنے کھیل کھیلے جاتے ہیں کہ انسانیت بھی نادم ہو جاتی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے مگر جب کبھی وہ اپنے اس مقام کی بلندی سے گرتا ہے تو زمین و آسمان لرز اٹھتے ہیں۔ آیئے میں آپ کو ایک ایسے دل جلے کی داستان سناتا ہوں جو اپنے دوست پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتا ہے مگر اس کا دوست آستین کا سانپ نکلا۔

ضیاء اور رضا دو دوست تھے، دونوں ایک ہی گاؤں میں رہتے تھے۔ ضیاء کے والدین تھوڑے غریب تھے جبکہ رضا ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ دونوں اکٹھے سکول جاتے اور واپسی پر بھی اکٹھے واپس آتے۔ کھانا کھانے کے بعد اکٹھے بیٹھ کر ہوم ورک کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا اور دونوں کی دوستی کا درخت وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتا گیا۔ جب وہ دسویں میں پہنچے تو وہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے مگر دونوں کی دوستی اسی طرح قائم تھی۔ ضیاء کم گو تھا اور رضا کافی ہنس مکھ لڑکا تھا۔ دوسروں کے ساتھ مذاق کرنا اور لوگوں کو ہنسانا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ ایک دن جب ضیاء اور رضا دونوں سکول جا رہے تھے تو راستے میں ان کو چند لڑکیاں نظر آئیں جو سکول یونیفارم میں تھیں، رضا نے لڑکیوں کو دیکھ کر ہنسنا شروع کر دیا۔ ضیاء نے کہا۔ ارے رضا تم لڑکیوں کو دیکھ کر ہنس کیوں رہے ہو کیا تم نے اس سے پہلے لڑکیاں نہیں دیکھیں جو آج دیکھ کر تم ہنس رہے ہو؟ رضا نے کہا۔ دیکھو یار میں تو لڑکیوں کو دیکھ کر اس لئے ہنس رہا تھا کہ بے چاری کتنی سادی اور بھولی ہوتی ہیں۔ دو بول محبت کے بول دو تو یہ اپنا سب کچھ لٹانے پر تیار ہو جاتی ہیں۔ تم دیکھتے جاؤ کہ میں کیا کرتا ہوں۔ ضیاء نے کہا کہ ارے کیا ہو گیا ہے تم کو یہ لڑکیاں بھی تو ہماری بہنوں کی طرح ہیں اگر کوئی ہماری بہنوں کی طرف غلط نظر سے دیکھے تو ہمیں کیا محسوس ہو

گا۔ رضا نے کہا۔ پلیز تم اپنا یہ لیکچر بند کرو اور چلو سکول سے دیر ہو رہی ہے۔ اس طرح وہ دونوں سکول چلے گئے۔

ایک دن ضیاء اکیلا ہی سکول جا رہا تھا کہ راستے میں پھر اسے وہی لڑکیاں نظر آئیں وہ خاموشی سے جا رہا تھا کہ پیچھے سے ایک لڑکی نے آواز دی کہ ضیاء رکو میری بات سننا ذرا۔ ضیاء رک گیا۔ جب وہ لڑکیاں قریب آئیں تو ضیاء سے کہنے لگیں۔ آج تمہارا دوست تمہارے ساتھ نہیں ہے تو ضیاء نے کہا کہ آج وہ سکول نہیں آیا اور آپ اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہیں؟ ایک لڑکی بولی۔ دیکھو میری بات غور سے سننا آج چونکہ تمہارا دوست تمہارے ساتھ نہیں ہے تو اس لئے میں تم سے کھلے الفاظ میں بات کروں گی۔ بات دراصل یوں ہے کہ ضیاء تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو جی چاہتا ہے کہ ہر وقت آپ کو دیکھتی رہوں۔ کئی بار جی چاہا کہ تم سے اظہار کروں مگر تمہارے دوست کی وجہ سے تم سے بات نہ ہو سکی۔ اصل میں ضیاء میں تم سے پیار کرنے لگی ہوں۔ پلیز میری بات کو مذاق نہ سمجھنا۔ ضیاء نے کہا۔ میں تو آپ کا نام تک نہیں جانتا اور بقول آپ کے آپ مجھ سے پیار کرتی ہیں، میں یہ سب کیسے مان لوں اور نہ ہی میں ان باتوں کو مانتا ہوں۔ پیار تو وہ لوگ کرتے ہیں جن کے پاس دولت ہو، عزت ہو، معاشرے میں ان کا کوئی مقام ہو اور میں تو ایک غریب والدین کا ایک واحد سہارا ہوں جو مجھے سکول تعلیم دلوانے کے لئے بھیجتے ہیں نہ کہ عشق کے چکروں میں پڑ کر زندگی برباد کرنے کو۔ اس لئے میں تم سے صاف صاف کہتا ہوں کہ نہ تو میں تم سے پیار کرتا ہوں اور نہ ہی میں ان پیار کے چکروں میں پڑ کر اپنے والدین کی عزت کو داؤ پر لگا سکتا ہوں۔ میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی بات ماننے کو تیار نہیں ہوں۔ ضیاء وہاں سے سیدھا سکول چلا گیا۔ ادھر اقراء کو اپنی سہیلیوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔ لڑکیاں اقراء سے کہنے لگیں۔ ارے اقراء تم کو ضیاء میں کیا نظر آ گیا ہے جو اس پر مر مٹی ہو، کیوں اس کے پیچھے بھاگ رہی ہو جو تم سے پیار نہیں کرتا اور اس کے پاس سے ہی کیا کہ وہ تم سے پیار کرے۔ اقراء اپنی سہیلیوں سے کہنے لگی۔ آپ کو کیا پتہ ہے کہ یہ پیار کیا ہوتا ہے۔ محبت یہ نہیں دیکھتی کہ کوئی امیر ہے یا غریب، محبت رنگ و نسل یا خاندان نہیں دیکھتی، یہ تو کبھی بھی کسی سے بھی ہو سکتی ہے یہ تو اندھی ہوتی ہے۔ تم دیکھنا کہ ایک وقت ایسا بھی ہو گا کہ جب ضیاء مجھ سے محبت کرنا شروع کر دے گا۔

اسی طرح چند دن گزر گئے ضیاء کو وہ لڑکیاں نظر نہ آئیں۔ ایک دن ضیاء اور رضا دونوں بازار جا رہے تھے کہ راستے میں اُن کو اقراء نظر آ گئی، اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی، اقراء ان چند دنوں میں کافی کمزور ہو گئی تھی۔ جب اقراء نے ضیاء کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ تیزی سے آگے نکل گئی۔ گھر آ کر ضیاء نے سوچا کہ اقراء کی آنکھوں میں آنسو کہیں میری وجہ سے تو نہیں ہیں، کیا ان آنسوؤں کا سبب میں تو نہیں ہوں اگر ایسا ہے تو مجھے اس سے سوری کرنی چاہئے۔ پھر ضیاء کے ذہن میں خیال آیا کہ ارے ضیاء یہ تو کن سوچوں میں پڑ گیا ہے کہیں تو بھی تو اقراء سے پیار تو نہیں کرنے لگا۔ نہیں نہیں میں پیار نہیں کر سکتا، میں نے والدین کی عزت پر حرف نہیں آنے دینا، میں والدین کی عزت کو ضائع نہیں کروں گا۔ ارے ضیاء، تو مرد ہو کر کمزور ہو رہے ہو اور اُدھر اک لڑکی محبت میں پہل کر کے تم سے محبت کی بھیک مانگ رہی ہے، کیوں اس کو تڑپا رہے ہو، جاؤ جا کر اس کا ہاتھ تھام لو۔ ساری رات ضیاء انہی سوچوں میں الجھا رہا۔ کبھی سوچتا کہ وہ اقراء سے محبت کا اظہار کر دے اور کبھی سوچتا کہ نہیں ابھی وہ ان راستوں پر نہیں چل سکتا کیونکہ اس نے ایک بڑا آدمی بن کر والدین کے خواب پورے کرنے ہیں۔ اس طرح رات گزر گئی۔ صبح جب وہ سکول کے لئے نکلا تو راستے میں ضیاء سے رضا نے پوچھا۔ ارے یار یہ آج تیری آنکھیں اتنی سرخ کیوں ہیں؟ ضیاء نے کہا۔ کچھ نہیں یار بس رات کو تھوڑا بخار تھا اور میں سو نہ سکا جس کی وجہ سے میری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ رضا نے جب غور سے اس کی



آنکھوں کی طرف دیکھا تو اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا کیونکہ ضیاء کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ رضا نے کہا۔ ضیاء میرے دوست اصل بات بتاؤ کہ تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے، تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو اور تمہاری آنکھوں کی یہ نمی تمہاری چوری کو صاف ظاہر کر رہی ہے۔ ضیاء نے باتوں باتوں میں رضا کو ٹال دیا اور اس طرح وہ باتیں کرتے ہوئے سکول پہنچ گئے۔

اس طرح دن گزرتے رہے، ضیاء کے دل میں آہستہ آہستہ اقراء کے لئے محبت کی کونپلیں پھوٹتی رہیں اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ضیاء کے دل میں اقراء کی محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ابھر آیا۔ ضیاء نے اقراء کے نام ایک لیٹر لکھا جس کی تحریر کچھ یوں تھی۔

ڈیئر اقراء السلام علیکم! بعد سلام عرض یوں ہے کہ میں نے کافی کوشش کی کہ میں ان پیار کے چکروں میں نہ ہی پڑوں تو بہتر ہے مگر دل نہ مانا، یہ پاگل دل تم سے پیار کرنے کے لئے مچلنے لگا۔ کئی بار میں نے اس دل کو روکا کہ نادان دل سنبھل جا ابھی تیرے پڑھنے کے دن ہیں، پہلے محنت کر اور کچھ بن کے دکھا اس کے بعد پیار کی راہوں میں چلنا مگر دل نے میری ایک نہ مانی یہ پاگل دل تمہاری محبت کے آگے ہار گیا، تمہاری محبت جیت گئی ہے اس لئے آج میں بھی تم سے اس خط کے ذریعے اظہار کرتا ہوں کہ میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔ اقراء مجھے ان پیار کی راہوں پہ چلنا تم نے سکھایا ہے اور منزل تک میرا ساتھ دینا۔ ایسا نہ ہو کہ تم ان پیار کی راہوں میں مجھے تنہا چھوڑ دو اور تیرا یہ دیوانہ دنیا کی بھیڑ میں کہیں گم ہو جائے۔ اجازت چاہتا ہوں۔ صرف اور صرف آپ کا ضیاء

جب اقراء نے ضیاء کا یہ خط پڑھا تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کو اس کی محبت مل گئی ہے۔ اس طرح ضیاء اور اقراء ایک دوسرے کی محبت پا کر بہت خوش تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ خوشی خوشی زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ جب اقراء کی سہیلیوں کو پتہ چلا کہ ضیاء بھی اقراء سے محبت کرنے لگا ہے تو ان کو بھی خوشی ہوئی۔ انہوں نے اقراء کو مبارکباد دی کہ اسے اس کی محبت مل گئی ہے۔ اس طرح زندگی کی گاڑی اپنے سفر پر رواں دواں رہی۔ ادھر ضیاء اور رضا کی دوستی بھی پورے گاؤں میں مشہور تھی لوگ کہتے کہ دوست ہوں تو ان جیسے۔ لوگ ان کو دوست کم اور بھائی زیادہ سمجھتے تھے۔ اقراء کی محبت پا کر ضیاء بہت خوش تھا۔ وہ سوچتا کہ مجھ سے زیادہ خوش قسمت کون ہو سکتا ہے جس کو اقراء جیسی محبت کرنے والی ملی ہے۔ اس طرح ان کے میٹرک کے امتحان نزدیک آ گئے۔ سب نے مل کر خوب محنت کی اور امتحان دے دیا۔ جب رزلٹ آیا تو سب اچھے نمبروں سے پاس ہو گئے۔ ضیاء اور رضا نے آگے کالج میں ایڈمیشن لے لیا ادھر اقراء نے بھی کالج میں داخلہ لے لیا۔ اس طرح ضیاء اور اقراء روزانہ کالج آتے جاتے ایک دوسرے کو دیکھ کر آنکھوں کی پیاس بجھا لیتے اقراء اور ضیاء کی محبت کے بارے میں کسی کو کوئی خبر نہ تھی سوائے اقراء کی سہیلیوں کے۔ یہاں تک کہ رضا ضیاء کا بہترین دوست تھا مگر ضیاء نے اسے بھی اپنی محبت سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ رضا کا تو یہ مشغلہ تھا کہ وہ کالج آتے جاتے کبھی کسی لڑکی کو چھیڑتا اور کبھی کسی کو۔ ضیاء اسے سمجھا سمجھا کر تنگ آ چکا تھا مگر اس کے دماغ پر کسی بات کا اثر ہی نہ ہوتا۔ وہ کہتا کہ دیکھو ضیاء جوانی عمر ہی ایسی ہے کہ بس انجوائے کرو اور لڑکیاں تو ہوتی ہی ایسی ہیں کہ ان کے ساتھ خوب مذاق کرو مزے اڑاؤ۔ ضیاء اسے سمجھاتا کہ رضا تمہاری یہ سوچ غلط ہے کہ لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ کیا جائے ان کے جذبات کے ساتھ کھیلا جائے۔ کیا وہ انسان نہیں ہیں، کیا ان کے سینے میں دل نہیں ہے اگر یہی کوئی تمہارے ساتھ کرے تمہارے جذبات کے ساتھ کھیلا جائے تو تم کیا محسوس کرو گے۔ رضا ایک دن تم بہت پچھتاؤ گے مگر اس وقت کچھ نہیں ہو گا۔ میری بات مان لو اور ان چکروں میں نہ ہی پڑو تو بہتر ہو گا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کوئی ایسا کام کرو جس کی وجہ سے تمہاری عزت پر حرف آئے اور ہماری دوستی بھی بدنام ہو۔ رضا کہنے لگا۔ دیکھو یار میں اس وقت تمہارا یہ فضول لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں اور نہ ہی تم

مجھے میرے کام سے روک سکتے ہو جو میرے جی میں آئے گا وہ میں کروں گا۔ اگر تم میرے دوست ہو تو دوست بن کر رہو اور میرے باپ بننے کی کوشش نہ ہی کرو تو بہتر ہو گا۔ تنگ آ کر ضیاء نے اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیا کہ اس کو ٹھوکر لگے گی تو یہ خود ہی سنبھل جائے گا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ ضیاء کسی کام کی وجہ سے کالج نہ جا سکا، رضا اس دن اکیلا ہی کالج کی طرف چل پڑا۔ راستے میں جب رضا کو اقراء اور اس کی سہیلیاں نظر آئیں تو اس کے ذہن میں خیال آیا کہ آج تو ضیاء بھی میرے ساتھ نہیں ہے کیوں نہ آج جی بھر کر لڑکیوں کے ساتھ مذاق کیا جائے۔ اسی سوچ کے تحت جب وہ لڑکیوں کے قریب گیا تو پتہ نہیں کہ اس کے ذہن میں کیا خیال آیا کہ وہ سیدھا وہاں سے گزر گیا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد جب اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کی نظر اقراء پر پڑی جو اپنے گروپ میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ خدا نے اسے کتنی فرصت میں بنایا ہو گا اور یہ کتنی خوبصورت ہے اگر اس جیسی لڑکی میری زندگی میں آ جائے تو کتنا ہی اچھا ہو گا۔ آج اس کے دل میں حقیقی معنوں میں کسی کی محبت جاگی تھی مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ تو کسی کی زندگی ہے اور کوئی اس کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ گھر آ کر وہ سوچنے لگا کہ اقراء سے کس طرح اظہار کرے۔ سوچ سوچ کر جب اس کے ذہن میں کوئی ترکیب نہ آئی تو وہ سو گیا۔ دوسرے دن جب وہ کالج کے لئے نکلا تو راستے میں اس نے ضیاء سے پوچھا کہ یار مجھے ایک بات تو بتا کہ یہ محبت کیا ہوتی ہے اور کیوں ہوتی ہے؟ ضیاء نے جب رضا کے منہ سے محبت کی بات سنی تو وہ کافی حیران ہوا کہ رضا تو صرف لڑکیوں کے ساتھ وقت گزاری کرتا تھا مگر آج یہ محبت کی باتیں کیوں کرنے لگا۔ ضیاء نے کہا۔ رضا خیریت تو ہے آج میں پہلی مرتبہ تمہارے منہ سے ایسی باتیں سن رہا ہوں، مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ تم ہی ہو۔ رضا نے کہا۔ ہاں میرے یار مجھے خود یہ سمجھ نہیں آئی میرے ساتھ یہ اچانک کیا ہو گیا ہے۔ میں کیوں خود کو بے بس سمجھنے لگا ہوں۔ شاید پہلی مرتبہ مجھے محبت کی سمجھ آئی ہے کہ یہ محبت کیا ہوتی ہے۔ ضیاء، کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں ناں وہ لوگ جن کو ان کے چاہنے والے مل جاتے ہیں۔ ضیاء نے کہا۔ ارے وہ کون خوش نصیب ہے جس نے میرے یار کی سوچ ہی بدل ڈالی، مجھے بتاؤ تو سہی اس کا شکریہ ادا کرنے جاؤں گا۔ رضا نے کہا۔ ضیاء تم فکر مت کرو وقت آنے پر سب کچھ بتا دوں گا۔ اچھا یار چھوڑ تو یہ تو بتا کہ کیا تجھے بھی کوئی لڑکی پسند آئی کہ ابھی نہیں۔ ضیاء نے کہا۔ یار مجھے اقراء بہت اچھی لگتی ہے، سوچ رہا ہوں اس کو خط لکھوں۔ اس طرح وہ باتوں باتوں میں کالج پہنچ گئے۔ اس طرح چند دن گزر گئے۔ رضا خاموش خاموش رہنے لگا۔ ضیاء سے اس کی خاموشی دیکھی نہ جاتی۔ سب حیران تھے کہ رضا جو ہمیشہ ہنستا رہتا تھا اور دوسروں کو ہنسانا اس کا مشغلہ تھا اچانک اسے کیا ہو گیا ہے وہ اتنا چپ چپ کیوں رہنے لگا ہے۔ ایک دن ضیاء نے اس سے کہا۔ رضا آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے کیوں اتنے چپ چپ اور اداس رہتے ہو، آخر کیا وجہ ہے جس کی وجہ سے تم اتنے پریشان ہو؟ مجھے بتاؤ تو سہی کہ آخر تمہاری پریشانی کا کوئی تو حل ہو گا۔ مجھ سے تمہاری یہ پریشانی دیکھی نہیں جاتی۔ رضا نے کہا۔ ضیاء اس بات کو چھوڑ دو کہ میں کیوں پریشان ہوں، یہ پریشانی تو شاید اب میرا مقدر ہے اور شاید اب تو ساری زندگی ہی پریشانی میں گزر جائے۔ ضیاء اس سے پوچھ پوچھ کر تنگ آ جاتا مگر رضا اسے کچھ بتانے کے لئے کبھی بھی تیار نہ ہوتا۔ وہ اسے بتاتا بھی کیا کہ وہ اس لڑکی سے پیار کر بیٹھا ہے جو ضیاء کو پسند ہے۔ مگر وہ کیا کرتا اس کے دل میں بھی اقراء کی محبت نے اپنی جڑیں مضبوط کر رکھی تھیں۔ رضا نے سوچا کہ اگر میں اقراء سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہوں تو ضیاء برا محسوس کرے گا کیونکہ ضیاء بھی اسے خط لکھنا چاہتا تھا۔ اگر ضیاء نے برا محسوس کیا تو مجھے ایک اچھے دوست سے محروم ہونا پڑے گا اور اگر اقراء سے محبت کا اظہار نہ کروں تو مجھے محبت سے دستبردار ہونا پڑتا ہے جو کہ



میرے بس میں نہیں۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ کیوں نہ میں اقراء کے نام ایک خط لکھوں جس میں اپنی محبت کا اظہار کر دوں، ضیاء کو جب معلوم ہو گا تو دیکھا جائے گا۔ پھر اس نے سوچا کہ ضیاء کو وہ صرف اچھی لگتی ہے وہ کون سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

دوسرے دن اس نے ضیاء سے کہا کہ ضیاء کیا تم میرا ایک کام کرو گے؟ ضیاء نے کہا۔ ارے یار تم حکم تو کرو اگر میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں تو اس سے بڑھ کر میرے لئے خوشی کی اور کیا بات ہو گی۔ رضا کہنے لگا۔ پہلے سوچ لو ایسا نہ ہو کہ تم بعد میں انکار کر دو۔ ضیاء نے کہا۔ یار تو حکم تو کر میں تیرے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ رضا نے کہا۔ میں اقراء سے محبت کرنے لگا ہوں اور میں نے ایک خط اس کے نام لکھا ہے تم میرا خط کسی طرح اس تک پہنچا دو۔ جب ضیاء نے یہ بات سنی تو اس کو زمین گھومتی ہوئی نظر آنے لگی۔ اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسا اس کے قدموں تلے سے کسی نے زمین کھینچ لی ہو۔ ضیاء کو خاموش دیکھ کر رضا نے کہا۔ ضیاء تم کو دوستی کی قسم تم میرا یہ کام کر دو میں زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔ ضیاء سوچنے لگا کہ میں کیا کروں ایک طرف تو میری محبت ہے اور دوسری طرف جان سے عزیز دوست۔ اگر دوست کی بات نہیں مانتا تو دوستی سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں لیکن اگر دوست کی بات مان لوں تو دوسری طرف اپنی زندگی اپنی جان اقراء کی محبت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ اے اللہ تو ہی مجھے کوئی راستہ دکھا کہ میں کروں تو کیا کروں؟ ضیاء رو رو کر اللہ سے دعا مانگنے لگا۔ اے اللہ مجھے اس امتحان میں کامیاب کرنا۔ ایک طرف تو میری محبت ہے اگر میں محبت کی خاطر دوست کو ٹھکرا دوں تو خود غرض کہلاؤں گا اور اگر دوست کی بات مان لوں تو اقراء کی نظروں میں بے وفا ہو جاؤں گا۔ اے میرے اللہ تو ہی بتا کہ میں کیا کروں۔ رضا تو خط دے کر چلا گیا تھا مگر ضیاء کو مشکل میں ڈال گیا تھا۔ اس طرح سات دن گزر گئے رضا کا خط ضیاء کے پاس ہی تھا۔ کبھی وہ سوچتا کہ خط دوں اور کبھی سوچتا کہ نہ دوں۔

آخر اس نے ایک ایسا فیصلہ کیا کہ سب حیران گئے، اس نے اپنی محبت کی قربانی کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے سوچا کہ رضا میرے بچپن کا دوست ہے، میں دوست کی آنکھوں میں نمی نہیں دیکھ سکتا۔ دوستی پر لوگ اپنی جان تک دے دیتے ہیں کیا ہوا اگر میں اپنی محبت کو اپنے دوست پر قربان کر دوں۔ وہ اقراء سے ملا اور اس سے کہنے لگا اقراء اگر کبھی ہم دونوں کو محبت کی قربانی دینی پڑی تو تم کرو گی؟ اقراء نے کہا۔ دیکھو ضیاء محبت کی تو کوئی قیمت نہیں ہوتی کیونکہ یہ تو خدا کی طرف سے عطا کئے ہوئے وہ جذبات ہوتے ہیں جو بے مول ہوتے ہیں لیکن جب محبت قربانی مانگتی ہے تو قربانی دینی ہی پڑتی ہے۔ ضیاء نے کہا۔ اقراء اگر کبھی محبت کی ان راہوں میں میں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں تو تم کیا کرو گی۔ اقراء نے کہا۔ ضیاء صاف صاف بات کرو کہ مسئلہ کیا ہے، یہ تم پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو؟ ضیاء نے کہا۔ اقراء ہماری محبت اب ہم سے قربانی مانگتی ہے، میں تمہارے ساتھ محبتوں کے اس سفر میں آگے نہیں چل سکتا۔ اقراء تم مجھے بھول جاؤ اور جو تمہارا منتظر ہے اس کا ہاتھ تھام لو۔ اقراء نے کہا۔ ضیاء یہ کیا کہہ رہے ہو کس کی بات کر رہے ہو، ایسا کون ہے کہ جو میرا منتظر ہے؟ ضیاء نے کہا۔ اقراء میرا دوست تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ پلیز اقراء تم اس کو اپنا لو۔ اقراء نے کہا۔ ضیاء میں تو تم سے محبت کرتی ہوں اور تمہارے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی اور تم کہتے ہو کہ میں تمہارے دوست کو اپنا لوں، ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ میں مر تو سکتی ہوں مگر تمہارے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ ضیاء نے کہا۔ اقراء اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو میں تم کو اپنی محبت کی قسم دیتا ہوں کہ تم میری خاطر رضا کو اپنا لو ورنہ وہ مر جائے گا۔ میں اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ اس نے مجھے خط دیا تھا کہ میں تم تک پہنچا دوں تو یہ لو اسے پڑھ کر تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا کہ وہ تمہیں کتنا چاہتا ہے۔ اقراء نے کہا۔ ضیاء مجھے افسوس ہے کہ تم اتنے کمزور ہو گے، پیار کے دعوے کر کے میرے ساتھ وقت گزاری کرتے رہے

اور میں بھی کتنی نادان ہوں کہ تمہاری باتوں پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتی رہی۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تم اتنے کمزور ہو گے تو میں کبھی بھی تمہارے ساتھ پیار کی ان راہوں پر نہ چلتی۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ تم مجھ سے محبت نہیں صرف ٹائم پاس کر رہے ہو۔ ضیاء نے کہا۔ اقراء میں دوستی کے ہاتھوں مجبور ہوں اور یہ میری مجبوری ہے کہ میں دوست کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ میری خاطر تم اسے قبول کر لو۔ اقراء کہنے لگی کہ ضیاء تمہیں تو پانی میں ڈوب کر مر جانا چاہئے تھا کہ اپنی محبت کو دوسروں کے خط لا کر دیتے ہو۔ ضیاء نے کہا۔ اقراء تم ٹھیک کہتی ہو مجھے تو مر جانا چاہئے تھا مگر کیا کروں شاید خدا کو میری موت ابھی منظور نہیں ہے، نجانے وہ مجھ سے اور کون سے امتحان لینا چاہتا ہے۔ تم دعا کرنا کہ میں اس امتحان میں کامیاب ہو جاؤں اور ہاں رضا کو اس بات کا علم نہیں ہونا چاہئے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں یا کبھی تم سے محبت کرتا تھا۔ میری تم سے یہ آخری گذارش ہے کہ رضا کو میری خاطر قبول کر لو اور اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔

اُدھر رضا اس انتظار میں تھا کہ کب اقراء کی طرف سے کوئی پیغام ملے گا اور میرے بے چین دل کو قرار آئے گا۔ اسی طرح دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں گزرتے گئے۔ آخر ضیاء نے اقراء کو رضا سے دوستی کرنے پر تیار کر ہی لیا اور اپنے آپ کو غموں کے حوالے کر دیا۔ دوسری طرف رضا اقراء سے دوستی ہونے پر بہت خوش ہوا۔ اس نے ضیاء سے کہا۔ ضیاء میں تمہارا کس طرح شکریہ ادا کروں کہ تم نے اقراء سے دوستی کرنے پر میرا بڑا ساتھ دیا۔ ضیاء نے کہا۔ یہ تو قدرت کے کھیل ہیں کہ کسی کو محبت مل جاتی ہے اور کوئی اس کھیل میں بازی ہار جاتا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ آپ دونوں کو محبت کے اس سفر میں کامیاب کرے اور منزل پر پہنچائے۔ ضیاء نے خود ہی اپنی محبت اپنے دوست پر قربان کر کے خود کو غموں کے حوالے کر دیا تھا۔ لوگ تو محبت کی خاطر سب کچھ چھوڑنے کو تیار ہوتے ہیں مگر ضیاء نے دوستی کی خاطر اپنی محبت قربان کر دی تاکہ دوستی کے اس مقدس رشتے پر حرف نہ آئے اور دوستی کا بھرم قائم رہے۔

ایک دن رضا نے اقراء سے پوچھا۔ اقراء یہ تو بتاؤ کہ تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو تو اقراء نے کہا۔ رضا تم نہیں جانتے کہ میں تمہارے ساتھ چلتے ہوئے کتنی مشکلات کا سامنا کر رہی ہوں۔ رضا نے کہا۔ کیا مطلب؟ اقراء کہنے لگی۔ رضا کبھی تو مطلب سمجھ لیا کرو جانو۔ اس طرح رضا اسے پیار کی ایک ادا سمجھ کر خاموش ہو جاتا۔ وقت کا کام ہے گزرنا سو گزرتا گیا۔ ضیاء اس دوران اتنا کمزور ہو گیا کہ وہ پہچانا ہی نہ جاتا۔ ہر وقت وہ اقراء کی یاد میں کھویا رہتا وہ جتنا اسے بھولنے کی کوشش کرتا وہ اتنی ہی شدت سے یاد آتی۔ ادھر رضا اقراء سے محبت کرنے کے بعد ضیاء سے دور ہوتا گیا۔ اگر کبھی ضیاء اس بات کا اظہار کرتا تو رضا کہتا کہ یار میں تو ہر وقت اقراء کی سوچوں میں ہی گم رہتا ہوں اس کے سوا تو مجھے کوئی بھی یاد نہیں رہتا۔ ایک دن اچانک ہی اقراء اور ضیاء بازار میں مل گئے۔ اقراء کہنے لگی۔ ضیاء میں بہت زیادہ اپ سیٹ رہتی ہوں، تم نہیں جانتے کہ میں نے اپنے آپ کو رضا کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے میں کتنی مشکلات کا سامنا کیا ہے۔ ہوں تو میں رضا کے ساتھ ہوں مگر سوچیں تمہاری ہی ہوتی ہیں۔ میں رضا کے ساتھ دھوکہ کر رہی ہوں۔ میرا دل ہر وقت تمہارے بارے میں ہی سوچتا ہے۔ دن تو رضا کے ساتھ گزار کر آ جاتی ہوں مگر گھر آتے ہی رضا کہیں دور چھپ جاتا ہے اور تم میرے سامنے آ جاتے ہو۔ ضیاء مجھے بتاؤ کہ میرا قصور کیا ہے، کیوں مجھے اور اپنے آپ کو اذیت دے رہے ہو؟ ضیاء نے کہا۔ اقراء اگر ہم نے محبت میں قربانی دی ہے تو اسے قبول بھی کرنا ہو گا۔ تم اپنے دل میں رضا کے لئے محبت پیدا کرو، وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا اور میرے پاس تجھے دینے کے لئے ہے ہی کیا۔ رضا کے ساتھ تم بہت خوش زندگی گزار سکو گی۔ اتنے میں رضا بھی کہیں سے وہاں آ جاتا ہے وہ جب اقراء اور ضیاء کو یوں اکٹھے دیکھتا ہے تو اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ کہیں یہ دونوں ہی مجھ سے کوئی چال نہ چل رہے ہوں۔ وہ اسی سوچ کے تحت ان کے پاس جاتا ہے اور ضیاء سے کہتا ہے۔ ضیاء مجھے افسوس ہے کہ تم میرے ہی دوست ہو کر میری محبت کو مجھ سے دور کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہی تیری دوستی ہے؟ ضیاء کہتا ہے کہ رضا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے میں بھلا تیری محبت کو تم سے دور کیوں کروں گا۔ رضا نے کہا۔ ضیاء مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی اور نہ ہی میں اتنا بچہ ہوں کہ سمجھ نہ سکوں۔ تم دونوں اس وقت اکٹھے کیا کر رہے تھے۔ بلاوجہ تو کوئی ملاقاتیں نہیں کرتا، آخر کوئی تو وجہ ہو گی جس کے تحت تم نے اقراء کو یہاں بلایا ہو گا۔ مجھے افسوس ہے ضیاء کہ تم میرے ساتھ دھوکہ کر رہے ہو۔ تم میرے دوست نہیں بلکہ دشمن ہو۔ آئندہ مجھ سے ملنے کی کوشش نہ ہی کرنا تو بہتر ہو گا۔ یہ کہتے ہی وہ اقراء کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے گیا اور ضیاء وہاں ہی سوچوں میں گم یہ سوچتا رہ گیا کہ رضا کو آج کیا ہو گیا ہے۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کیا قربانی کے بدلے صرف بے وفائی ہی ملتی ہے۔ میں نے جس کی خاطر اپنی محبت قربان کر دی آج اسی نے مجھے یہ کہہ کر بدنام کر دیا کہ تم میری محبت کو مجھ سے دور کرنا چاہتے ہو۔ رضا تمہیں کیا پتہ کہ میں نے کس طرح اپنے دل پر پتھر رکھ کر اپنی محبت تمہارے حوالے کی اور آج تم ہی مجھے زخم جدائی دے گئے ہو۔

اس واقعہ کے بعد رضا نے بالکل ہی ضیاء ملنا جلنا ختم کر دیا۔ اگر کبھی دونوں کا سامان ہو بھی جاتا تو رضا ضیاء سے کوئی بھی بات نہ کرتا اور اقراء سے بھی کہتا کہ آئندہ تم بھی ضیاء سے ملنا کم کر دو اور نہ ہی اس کے سامنے کوئی ایسی بات کرنا جس سے ہماری محبت کو خطرہ ہو۔ اقراء بے چاری کیا کرتی وہ تو ضیاء کی دی ہوئی قسم کے آگے مجبور تھی اس لئے خاموشی سے اپنے آپ کو دکھوں کے حوالے کر دیا۔ ضیاء اس عرصے میں یہ سوچ سوچ کر بالکل ہی کمزور ہو گیا کہ میرا قصور کیا ہے، کیا میں نے یہ غلطی کی کہ اپنی محبت اپنے دوست پر قربان کر دی اور اس نے میری قربانی کا یہ صلہ دیا ہے۔ اتنی تکلیف تو اسے اپنی محبت کے کھو جانے پر بھی نہ ہوئی تھی جتنی دوست کے روٹھ جانے پر ہوئی ہے۔ ضیاء اس عرصے میں انتہائی کمزور ہو گیا تھا۔ اس کے گھر والے اس ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد کہا۔ اسے کوئی صدمہ پہنچا ہے جس کی وجہ سے یہ کمزور ہو رہا ہے، اسے خوش رکھنے کی کوشش کریں ان شاء اللہ یہ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ ضیاء کے گھر والے اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے کہ آخر تمہیں پریشانی کیا ہے جس کی وجہ سے تم اتنے کمزور ہو گئے ہو۔ ہمیں بتاؤ ہم تمہاری پرابلم کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ مگر ضیاء نے کسی کو کچھ نہ بتایا۔ وہ بتاتا بھی کیا کہ اس کے عزیز دوست نے اس کی محبت چھین کر اسے چھوڑ دیا ہے۔

قارئین خدا کی قدرت دیکھو۔ کسی سے چھینی گئی خوشیاں زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتیں۔ انسان کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے اور وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ بقول "اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"۔ رضا کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ وہ اس بات سے بے خبر اپنی دھن میں مست جا رہا تھا کہ تقدیر اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے جا رہی ہے۔ جب رضا نے اپنے والدین کو اقراء کے رشتے کے لئے بھیجنا چاہا تو رضا کے والدین نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ غریب لوگ ہیں ہم وہاں تمہارا رشتہ نہیں کر سکتے۔ رضا نے بڑی مشکل سے اپنے والدین کو اقراء کے رشتے کے لئے راضی کیا۔ جب رضا کے والدین اقراء کے والدین سے ملے تو انہوں نے رشتے کی بات کی مگر اقراء کے والدین نے یہ کہہ کر رشتے سے انکار کر دیا کہ ہم خاندان سے باہر رشتہ نہیں کر سکتے۔ برائے مہربانی آئندہ آپ اس لئے زحمت نہ کریں۔ رضا کے والدین وہاں سے مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ جب رضا کو معلوم ہوا کہ انہوں نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا ہے تو اسے بہت دکھ ہوا۔ وہ اقراء سے ملا اور اس سے کہا کہ اقراء تمہارے والدین نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا ہے اور تم نے ان سے کوئی بات نہ کی اور نہ ہی ان کو یہ بتایا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں۔ اقراء نے جواب دیا کہ رضا میں ماں باپ کے

کے بول نہیں سکتی وہ میرے بارے میں جو بھی سوچیں وہ درست ہو گا کیونکہ وہ میرے بڑے ہیں۔ رضا کہا۔ اقراء ہم دونوں ایک دوسرے سے پیار کرتے کیا تم چاہتی ہو کہ ہم دونوں اس سفر میں جدا ہو یں۔ اقراء نے کہا۔ رضا یہ تو مقدر کے کھیل ہیں ت میں جس کے ساتھ ملاپ لکھا ہو گا وہ مل جائے ہم خاندان کے ساتھ بغاوت تو نہیں کر سکتے۔ رضا ں سے مایوس ہو کر واپس آ گیا۔

ایک دن سب دوست ایک جگہ بیٹھے آپس میں گپیں کر رہے تھے کہ ایک لڑکے نے کہا۔ یار آج کل ضیاء نظر نہیں آ رہا کدھر ہے وہ آج کل؟ دوسرے نے کہا۔ یار جب سے اس کے ساتھ اقراء نے بے وفائی کی ہے تو وہ بالکل ہی کہیں غائب ہو گیا ہے۔ ویسے اقراء نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا کسی کا دل توڑ کر وہ خود کسی کے ساتھ پیار کی پینگیں بڑھا رہی ہے۔ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے۔ جب رضا نے یہ بات سنی تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے اس کا دل باہر آ گیا ہو۔ وہ وہاں سے سیدھا اقراء سے ملنے گیا اور جا کر اس سے پوچھا۔ میں یہ کیا سن رہا ہوں اقراء، کیا تم ضیاء سے محبت کرتی تھی اور ضیاء بھی تم سے محبت کرتا تھا۔ اقراء نے کہا۔ رضا تمہیں یہ کس نے کہا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے؟ رضا نے کہا۔ یہ میرے سوال کا جواب ہے جو میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دو۔ اقراء نے روتے ہوئے کہا۔ رضا اگر میں ہاں کہہ دوں تو تم کیا کہو گے۔ رضا نے کہا کہ پھر میں یہ پوچھوں گا کہ تم نے اس کا دل کیوں توڑا ہے۔ اقراء نے کہا۔ رضا اگر تمہیں پتہ چل ہی گیا ہے تو پھر سنو۔ میں اور ضیاء ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے مگر جب تم نے ضیاء سے اپنی محبت کا ذکر کیا کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو اسے یہ سن کر خوشی بھی ہوئی اور دکھ بھی۔ دکھ اس بات کا ہوا کہ تم اس لڑکی سے محبت کرتے ہو جو خود اس کی زندگی ہے اور خوشی اس بات کی ہوئی کہ اس کے دوست کے دل میں بھی کسی کی سچی چاہت پیدا ہوئی ہے اور یہی چاہت آدمی کو برائی سے بچاتی ہے۔ اس نے بہت سوچا کہ وہ کیا کرے، اپنے دوست کو چھوڑ دے یا اپنی محبت کو۔ رضا! ضیاء تم کو بہت چاہتا ہے وہ تمہیں اپنے سگے بھائی کی طرح چاہتا ہے مگر تم نے اس کا خیال نہ کیا۔ اپنی دوستی کی قسم دے کر اس سے اس کی ساری خوشیاں چھین لیں اور اس نے بھی ایک عظیم انسان کی طرح اپنی محبت اپنے دوست پر قربان کر دی تاکہ دوستی کے مقدس رشتے پر کوئی آنچ نہ آئے اور دوستی کا بھرم قائم رہے اور تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ اپنے دوست سے تم اس کی زندگی چھین رہے ہو۔ مجھے تو ضیاء نے اپنی قسم دے کر مجبور کیا تھا مگر سن لو کہ میں تم سے محبت نہیں بلکہ دھوکہ کر رہی تھی کیونکہ میں ضیاء کی قسم کے آگے مجبور تھی۔ اس دن بھی تم نے ضیاء پر بے بنیاد الزام لگا کر اس کے دل کو زخمی کیا کہ وہ تم سے تمہاری محبت چھین رہا ہے۔ حالانکہ اس نے یہی کہا تھا کہ اگر ہم نے قربانی دی ہے تو اس کا اجر ضرور ملے گا۔ رضا تم نے مجھ سے بھی اور اپنے دوست سے بھی خوشیاں چھین لی ہیں۔ تم ہماری خوشیوں کے قاتل ہو: I hate you Raza I hate you۔ رضا نے کہا۔ اقراء خدا کے لئے بس کرو ورنہ میں مر جاؤں گا اور تم نے صحیح کہا ہے میں ہوں ہی نفرت کے قابل کیونکہ میں تمہاری اور اپنے دوست کی خوشیوں کا قاتل ہوں۔ اقراء خدا کے لئے مجھے معاف کر دینا اور جاؤ ضیاء کی طرف لوٹ جاؤ، وہ تمہارے بغیر ادھورا ہے۔ وہاں سے رضا سیدھا گھر آیا اور کمرہ بند کر کے اندر گھس گیا اور اس نے یہ سوچتے ہوئے رات گزاری کہ میں کیسا انسان ہوں جس نے اپنے ہی دوست سے اس کی خوشیاں چھین لیں۔ لوگ تو دوست پر اپنی زندگی قربان کر دیتے ہیں اور میں کیسا دوست ہوں کہ اپنے دوست سے اس کی زندگی چھین لی۔ واہ ضیاء تم کتنے عظیم ہو کہ میری خاطر سب کچھ قربان کر دیا مگر اف تک نہ کی۔ واہ ضیاء تیری دوستی کو سلام۔ رضا سوچنے لگا کہ میں ضیاء کا سامنا کیسے کروں میں تو اس کی خوشیوں کا قاتل ہوں۔ پھر سوچا کہ وہ ایک تو عظیم انسان ہے وہ مجھے ضرور معاف کر دے گا۔ میں اس سے معافی مانگ کر کہیں دور چلا جاؤں گا جہاں مجھے کوئی بھی نہ دیکھ سکے گا۔



دوسرے دن وہ اسی سوچ کے تحت ضیاء کے گھر گیا۔ جب ضیاء کی امی نے اس کو دیکھا تو پوچھنے لگیں کہ بیٹا اس مرتبہ تم کافی عرصے کے بعد آئے ہو، تمہاری صحت تو ٹھیک تھی؟ تو رضا نے کہا۔ آنٹی بس خیر ہی تھی دراصل ٹائم نہیں ملا۔ آپ یہ بتائیں کہ ضیاء کہاں ہے۔ آنٹی نے کہا۔ اُسے تو آج کراچی گئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔ رضا نے کہا۔ آنٹی ضیاء کراچی کیوں گیا ہے؟ انہوں نے کہا۔ بیٹا پتہ نہیں اسے کیا ہو گیا تھا ہر وقت اداس اداس رہتا تھا۔ ہم نے لاکھ اس سے پریشانی کی وجہ پوچھی مگر اس نے کچھ نہیں بتایا۔ ہم نے اسے ڈاکٹر کو دکھایا تو ڈاکٹر نے کہا کہ اسے کوئی صدمہ ہے جس کی وجہ سے یہ کمزور ہو رہا ہے، اسے خوش رکھنے کی کوشش کریں ان شاء اللہ یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ بیٹا ہم نے اسے کراچی بھیج دیا ہے تاکہ وہاں وہ گھومے پھرے گا تو اس کا ذہن فریش ہو جائے گا۔ بیٹا تم بیٹھو میں تمہارے لئے چائے لاتی ہوں۔ رضا نے کہا۔ آنٹی چائے کی ضرورت نہیں۔ میں پھر آؤں گا۔ رضا وہاں سے یہ سوچتا ہوا واپس گیا کہ اگر کبھی زندگی نے موقع دیا تو میں ضیاء سے اس کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگ لوں گا۔

اس طرح وقت گزرتا گیا اس عرصے میں اقراء کی منگنی اس کے کزن عمران سے ہو گئی۔ اب رضا یہ سوچتا ہے کہ انسان کی ذرا سی غلطی کتنے گھرانوں کو تباہ کر سکتی ہے۔ یہ تو میں نے سوچا ہی نہ تھا کہ انسان کی ذرا سی غلطی کی اتنی بڑی سزا ہو گی۔ اگر میں یہ غلطی نہ کرتا تو نہ ہی میں اپنے دوست کی نظروں سے گرتا اور نہ ہی میری یہ حالت ہوتی۔

قارئین اب رضا پچھتا رہا ہے مگر اب اس کے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ اس کا دوست اس سے دور پردیس میں زندگی کے دن گزار رہا ہے اور اقراء کی منگنی بھی دوسری جگہ ہو گئی ہے۔ غلطی کسی کی تھی اور سزا کسے ملی مگر وہ دوست ہی کیا جو دوست کے کام نہ آئے۔ دعا ہے کہ اللہ ہر کسی کو ضیاء جیسا سچا مخلص اور ہمدرد دوست نصیب فرمائے۔

یہ تھی ضیاء کی آپ بیتی۔ اب فیصلہ آپ نے کرنا ہے کہ غلطی کس کی ہے۔ کیا ضیاء نے غلط کیا کہ اپنی محبت اپنے دوست پر قربان کر دی یا رضا کی غلطی ہے جس نے دوست سے اس کی خوشیاں چھین لیں یا پھر اقراء کی جو ضیاء کی بات مان کر رضا کے ساتھ چل پڑی۔ آپ کی رائے کا منتظر۔

## غزل

دل کی چوکھٹ پہ جو اک دیپ جلا رکھا ہے
تیرے لوٹ آنے کا امکان سجا رکھا ہے
روٹھ جاتے ہو تو کچھ اور حسین لگتے ہو
ہم نے یہ سوچ کے ہی تم کو خفا رکھا ہے
تم جسے روتا ہوا چھوڑ گئے تھے اک دن
ہم نے اس شمع کو سینے سے لگا رکھا ہے
مجھ کو کل شام سے وہ یاد بہت آنے لگا
دل نے مدت سے جو اک شخص بھلا رکھا ہے
آخری بار جو آیا تھا میرے نام رضی
میں نے اس خط کو کلیجے سے لگا رکھا ہے

☆.....ایم شفیع تنہا۔ امرہ خورد

## غزل

جب یاد ماضی کر کے رویا کرو گے تم
نہ نیند آئے گی نہ سویا کرو گے تم
اس وقت میری یاد تمہیں بہت ستائے گی
جب کسی سے آنکھ ملایا کرو گے تم
تڑپے دل اور آہ بھی نہ نکلے زباں سے
چھپ چھپ آنسو بہایا کرو گے تم
جذبات میں آ کر تم نے جلا دیں میری یادیں
اب کس طرح جی کو بہلایا کرو گے تم
موت تو برحق ہے جدا کر کے چھوڑے گی ساول
وعدہ کرو میری قبر پہ آیا کرو گے تم

☆.....ایم خالد محمود ساول۔ مروٹ

# اندازِ مسیحائی

تحریر...... دوست محمد خان وٹو - لیہ

اب تو مجھے اپنی زندگی پر رونا آتا ہے. ایک منہ بولے بھائی کی بے حسی نے میری ہنستی مسکراتی زندگی میں نفرتوں کی آگ لگا دی ہے، اس کی نفرتوں کی ہرزہ سرائی نے میری زندگی کی ساری مسرتیں چھین لی ہیں. میں بھی کتنی پاگل تھی کہ ایک اجنبی انسان کو اپنا بھائی سمجھ بیٹھی تھی ...... ایک درد بھری کہانی

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

میں شمع کی ٹمٹماتی روشنی کی مانند اپنے احساس کی آگ میں جل کر خاکستر ہو رہی ہوں اور اپنی زندگی کا وہ دکھ صفحۂ قرطاس پر بکھیر رہی ہوں جس نے میری زندگی کو دیمک کی طرح چاٹ کر مجھے ادھ موا کر دیا ہے۔ کسی مہی ٔربان کے دیئے ہوئے غموں نے میری زندگی کے تناور درخت کو اندر سے کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے جس سے میری زندگی کے دن میرے لئے بارِ گراں بن گئے ہیں۔

مجھے راستہ دکھا کر میرے کارواں کو لوٹا
اِدھر آ گلے لگا لوں تجھ گردشِ زمانہ

اس سے پہلے کہ میں اس بے وفا انسان کا ذکر کروں جس نے میری ہنستی مسکراتی زندگی میں نفرتوں کا زہر گھول دیا ہے جس سے میں نہ جیتی ہوں نہ مرتی ہوں۔ میری زندگی کے سب رنگ ماند پڑ گئے ہیں اور میں ہر وقت گیلی لکڑی کی مانند سلگتی رہتی ہوں لیکن پھر جب میں ماضی کے خوبصورت لمحوں کو یاد کرتی ہوں تو میرا دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے اور پھر کئی دنوں تک میری طبیعت خراب رہتی ہے۔

ہو گئی ہیں سب دعائیں بے اثر کہنا اُسے
لگ گئی حالات کو کسی کی نظر کہنا اُسے
یہ حقیقت ہے کہ اپنوں سے ملتا ہے فریب
تم سمجھنا غیر کو ہی معتبر کہنا اُسے

میرا نام عنبرین ہے اور میں نے ایک متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی، اس گھر میں میری قسمت کا جگنو پَر پھیلائے اڑتا رہا۔ میری پیدائش پر میرے والدین نے بہت خوشیاں منائیں کیونکہ میں بڑی منتوں اور مرادوں کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ ہم صرف دو بہن بھائی تھے۔ میرے والدین کو بچوں کی جوڑی مکمل ہونے پر جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی۔ ہمارے گھر کے چھوٹے سے آنگن میں وقت کے سامری دیوتا نے چین ہی چین لکھ دیا تھا۔ میرے ابو ایک سرکاری ادارہ میں ملازم تھے حالانکہ اس دور میں ان کی بہت تھوڑی تنخواہ تھی مگر یہ خدا کی حکمت تھی امی جان نہایت سگھڑ اور سلیقہ مند عورت تھیں جس کی وجہ سے ہمارے گھر میں خوشیوں کا میلہ تھا۔ چونکہ مجھے بچپن ہی سے پڑھنے کا بہت زیادہ شوق تھا حالانکہ ہماری برادری میں لڑکیوں کی تعلیم پر دھیان نہیں دیا جاتا تھا لیکن میرے شوق کے ساتھ ساتھ امی جان کی بھی یہ دلی تمنا تھی کہ میری بیٹی پڑھ لکھ کر اپنی زندگی کے راستوں کا تعین کرے اس لئے انہوں نے مجھے دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی دلوائی۔ امی جان کے بہت حسین خواب تھے مگر خوابوں کی دنیا حقیقت کی دنیا سے اکثر دور ہوا کرتی ہے۔

میں جب پانچ سال کی ہوئی تو مجھے اسکول میں داخل

کرا دیا گیا حالانکہ میرے قریبی رشتہ داروں نے میری پڑھائی کی سخت مخالفت کی لیکن امی جان نے اُن کی ایک نہ مانی بلکہ میری شفیق ماں روزانہ مجھے سکول چھوڑ کر آیا کرتی تھیں۔ پھر جب میں سکول سے واپس آتی تو امی جان اپنی مضبوط بانہوں کے حصار میں لے کر مجھے خوب پیار کرتی تھیں۔ کھانا کھا کر میں اپنی ہم جولی لڑکیوں کے ساتھ کھیلنے نکل جاتی، ان دنوں میرا پسندیدہ مشغلہ گڑیوں کی شادی کرنا تھا۔ میرے ساتھ پڑوس کی کئی ایک لڑکیاں پڑھتی تھیں مگر میں ان میں لائق ترین سٹوڈنٹ سمجھی جاتی تھی۔ بچپن ہی سے مجھ میں سمجھنے کی خداداد صلاحیت موجود تھی۔ میں نے بہت کم عمر میں قرآن پاک ختم کر لیا تھا اور مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ میرے اندر بدرجہ اُتم موجود تھا لیکن میری بدقسمتی نہ ہی گھر کا ماحول بہت زیادہ مذہبی تھا اور نہ ہی میرے قریبی رشتہ داروں میں کوئی ایسا فرد تھا جو مذہبی تعلیم پر عبور رکھتا ہو مگر ان تاریک اجالوں کے باوجود میں نے تعلیم کی شمع روشن رکھی۔ میں جوں جوں تعلیم کے میدان میں ترقی کی منازل طے کرتی چلی گئی مجھ میں ذہنی شعور کی جولانیاں بڑھتی گئیں۔ میں چونکہ اپنے والدین کی ایک ہی بیٹی تھی اس لئے بڑے لاڈ اور پیار سے انہوں نے میری نگہداشت کی لیکن یہ دکھ آج تک میری روح کے ساتھ چمٹا ہوا ہے کہ میرے رشتہ داروں نے مسلسل میرے ساتھ نفرت کا اظہار کیا حالانکہ میں چاہتی تھی خاندان کے لوگ میری بات کو سمجھیں مگر ان کے سوچنے سمجھنے کی تمام طاقتیں مجھ سے نفرت کرنے پر مرکوز تھیں۔ خاندان والوں کا ناروا سلوک دیکھ کر میں دل ہی دل میں جلتی رہتی تھی۔

غم کی جاگیر وراثت میں ملی ہے مجھ کو
اپنی جاگیر میں رہتی ہوں نوابوں کی طرح

اسی ذہنی خلفشار اور گھٹے گھٹے ماحول میں میٹرک کا امتحان میں نے اچھے نمبروں سے پاس کر لیا لیکن ایک بار پھر سے خاندان والوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ خاندان والوں نے ٹھوس دلائل دے کر میری تعلیم کی مخالفت کی۔ خاندان کی رخنہ اندازی کے بعد ہماری مالی پوزیشن بھی اچھی نہیں تھی، غربت کا عفریت چاروں طرف منہ کھولے کھڑا تھا لیکن ان حالات

کے باوجود میری عظیم ماں نے کشتیاں جلا کر میرا بھرپور ساتھ دیا۔ امی جان کا یہ احسان میں تاعمر نہ بھلا سکوں گی۔

آج میں جو کچھ بھی ہوں یہ انہی کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے لہٰذا تنگدستی اور مخدوش حالات کے باوجود میں کالج میں داخل ہو گئی۔ کالج لائف بڑی دلچسپ اور عجیب و غریب قسم کی ہوتی ہے، انسان کے بگڑنے اور سنورنے کی جیسے پہلی درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے اسی طرح کالج میں بھی بعض لڑکیاں بگڑ جایا کرتی ہیں اور بعض اپنی باقی ماندہ زندگی کو سنوار لیتی ہیں۔ ایڈمشن کے بعد جب میں پہلی دفعہ کلاس روم میں گئی تو کالج کی سینئر کلاسز کی لڑکیوں نے ہمارا خوب تمسخر اڑایا تھا۔ وہ طرح طرح کی ہمارے ساتھ شرارتیں کرتی تھیں اور کئی قسم کے ناپسندیدہ القاب سے ہمیں بلاتی تھیں مگر ہم نئی لڑکیوں نے ہمت نہ ہاری تھی بلکہ خندہ پیشانی کے ساتھ ان کی طنزیہ باتوں کو برداشت کیا تھا۔ اس مشکل وقت میں میری ایک بہت پیاری سہیلی بشریٰ نے میرا بھرپور ساتھ دیا تھا، اس کی رفاقت کڑی دھوپ میں میرے لئے سائبان کا درجہ رکھتی تھی۔ کالج کے خوبصورت دنوں میں وہ میری تنہائیوں کی ساتھی تھی۔ ہم دونوں ہم خیال سہیلیاں اکثر و بیشتر دن کا زیادہ حصہ اکٹھے گذارتی تھیں۔ بشریٰ شوخ و شریر بے فکر اور لاابالی طبیعت کی مالک تھی لیکن اس کی طبیعت کے برعکس میں بہت سنجیدہ اور کم گو تھی مگر ہماری پھر بھی گاڑھی چھنتی تھی۔ بشریٰ ہر معاملہ میں بڑی تیز تھی۔ پڑھائی، کھیل اور دیگر سرگرمیوں میں اس کی شرارتوں سے بھی لڑکیاں پناہ مانگتی تھیں وہ اپنے ہنس مکھ رویے اور شرارتوں کی بدولت تمام لڑکیوں میں ہر دلعزیز تھی چونکہ وہ میری عزیز ترین سہیلی تھی اس لئے کالج کی لڑکیاں مجھے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ یوں تو ہمارے کالج میں کئی بلاک تھے مگر میں نے اقبال ہال کا انتخاب کیا تھا۔ میں گھر سے اسلامی کتابیں لے جایا کرتی تھی، فارغ وقت میں ان کا مطالعہ کرتی رہتی تھی۔

لمحوں کا طوفان اپنے دامن میں ساعتیں سمیٹے آگے کی طرف بڑھتا رہا حتیٰ کہ مجھے تین ماہ کالج جاتے ہوئے گزر گئے اس دوران میں مکمل برقعہ اوڑھ کر کالج جایا کرتی



تھی جبکہ فیشن کی دلدادہ کئی دوسری لڑکیاں پردہ سے بالکل بے نیاز ہو کر میرے ساتھ کالج جاتی تھیں۔ ہم جس جگہ سب لڑکیاں پردہ سے بالکل بے نیاز ہو کر میرے ساتھ کالج جاتی تھیں۔ ہم جس جگہ سب لڑکیاں اکٹھی ہوا کرتی تھیں اس کے اردگرد کئی ایک دکانیں تھیں لیکن ہم نے ان دکانوں کی طرف کبھی دھیان نہیں دیا تھا۔ ایک دن میں کالج سے واپس آئی تو امی جان کہنے لگیں۔ بیٹی آج فلاں دکاندار تمہارے متعلق پوچھنے لگا تو میں نے اسے خوب سنائیں اور اسے بتایا کہ وہ برقعہ پوش لڑکی میری بیٹی ہے لیکن وہ معصوم صورت بنا کر کہنے لگا۔ خالہ جان! آپ تو ویسے ہی ناراض ہو رہی ہیں میں تو اُن کے پردہ سے متاثر ہو کر اسے بہن بنانا چاہتا ہوں کیونکہ میری اس دنیا میں بہن نہیں ہے۔ امی کہنے لگیں۔ بیٹا ان مردوں کا کیا بھروسہ ان کے باطن میں کچھ اور ظاہر میں کچھ اور ہوتا ہے لیکن تم فکر مت کرنا اب وہ تمہارے متعلق پوچھنے کی جسارت نہیں کرے گا۔ امی جان مجھے تسلی دے کر خاموش ہو گئیں لیکن میری سوچیں لہولہان ہونے لگیں میں کافی دنوں تک پریشانیوں کی منجدھار میں ڈوبی رہی کالج جانے کو بھی دل نہیں کرتا تھا۔ طبیعت میں عجیب سی بیزاری شامل ہو گئی تھی وہ اجنبی شخص مجھ سے کیسی امیدیں وابستہ کر بیٹھا تھا اسی پریشانی کے عالم میں کئی دن بیت گئے۔

ایک دن امی سودا سلف لینے گئیں تو اس نے نہایت مؤدبانہ طریقہ سے امی جان کو سلام کیا پھر جب امی رخصت ہونے لگیں تو اس نے امی جان کے ہاتھ میں پرچی دیتے ہوئے کہا۔ یہ پرچی باجی صاحبہ کو دے دینا۔ جب امی جان نے پوچھا کہ بیٹا اس میں کیا لکھا ہے؟ تو وہ نہایت انکساری کے ساتھ کہنے لگا۔ خالہ جان! مجھے کچھ نوٹس چاہئیں، وہ نوٹس میں نے دوسرے دن امی جان کے ہاتھ بھجوا دیئے۔ اس طرح بھائی سعد اللہ کے ساتھ روابط بڑھنے لگے وہ حقیقتاً مجھے اپنی چھوٹی بہن تصور کرتا تھا۔ خدا نے مجھے ایک بھائی دے دیا تھا میں نے دل میں مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اس منہ بولے رشتہ کی قدر کروں گی کیونکہ ایک بار میرے منہ بولے بھائی نے مجھ سے کہا تھا۔ اس نفسا نفسی

کے عالم میں انسان خونی رشتوں کی پہچان بھول چکے ہیں مگر میرا آپ سے یہ وعدہ ہے میں ایک بھائی بن کر آپ کو دکھاؤں گا۔ خودغرضی کے اندھیروں میں جہاں خون کے رشتوں کی سچائیاں ماند پڑ جاتی ہیں خلوص دل سے استوار کئے ہوئے منہ بولے رشتے بڑھ کر دامن تھام لیتے ہیں لیکن بعض اوقات شدتِ پسند محبتیں دکھ کا باعث بھی بن جایا کرتی ہیں مگر اس سوچ کو میں نے جھٹک دیا تھا۔

دل صاف ہو تو زہر اگلتی نہیں زباں
روشن چراغ سے کبھی اٹھتا نہیں دھواں

اب پہلی آزمائش بھائی سعد اللہ کے لئے یہ تھی کہ مجھے ایک ٹیوٹر کی ضرورت تھی کیونکہ میں دوسری لڑکیوں کی طرح کسی کے گھر جا کر ٹیوشن پڑھنا نہیں چاہتی تھی مگر اس کے برعکس گھر پر آنے والے ٹیوٹر کی فیس کا مسئلہ بھی میرے پیش نظر تھا پھر میں کسی غیر محرم ٹیوٹر سے پڑھنے پر رضامند نہ تھی اس لئے میں نے بھائی سعد اللہ سے کہا چونکہ اب ہمارا مقدس رشتہ استوار ہو چکا ہے اس لئے آپ اپنی مصروفیات سے کچھ وقت نکال کر مجھے پڑھا دیا کریں لیکن وہ خود تو مجھے پڑھانے پر رضامند نہ ہوئے بلکہ اپنے کزن پر یہ ذمہ داری ڈال دی۔ اُن کا کزن جس کا نام سمیع اللہ تھا وہ بہت شریف اور طابع فرمان قسم کا لڑکا تھا، میں یہ معجزہ تصور کرتی ہوں کہ اس کا کزن بھائی سعد اللہ سے بھی زیادہ قابل اعتماد ثابت ہوا۔ سمیع اللہ نے مجھ سے پہلے دن کہا تھا۔ باجی میں آپ کو تب پڑھاؤں گا جب آپ کے اہل خانہ کا کوئی فرد کمرہ میں موجود ہو گا۔ جس دن میرے گھر کا کوئی فرد میرے ساتھ نہ ہوتا تو وہ کہتا۔ باجی آج ہم چھٹی کریں گے۔

سمیع اللہ نے کئی ماہ تک مجھے پڑھایا اور اس نے ہمیشہ بڑی بہن کی طرح میری عزت و تکریم کی اُن لوگوں کی شرافت دیکھ کر میں اکثر و بیشتر اپنی وہمی طبیعت پر ہنس پڑتی تھی۔ آپ لوگ جانتے ہیں عورت ذات بہت حساس اور نازک دل کی مالک ہوتی ہے اسے تو صرف میٹھے بول اور پرخلوص رویے ہی زندہ رکھتے ہیں۔ مرد کے ذرا سے کڑوے اور ترش رویے عورت کی جان لے لیتے ہیں میں بھی اپنے دونوں مہربانوں کے شفیق رویے دیکھ کر ہواؤں کے سنگ اڑ

رہی تھی۔ میرے دل کی حد مطمئن اور آسودہ تھی۔ میں کامل یکسوئی کے ساتھ اپنی چھوٹی سی دنیا میں مستغرق تھی۔ پھر جونہی میری پڑھائی کا سلسلہ ختم ہوا آخری دن میں نے اپنے ٹیوٹر کی دعوت کا اہتمام کیا۔ کھانے کی دعوت میں بطور خاص میں نے بھائی سعداللہ کو بلایا تھا۔

وقت کا پنڈولیم اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ مستقبل کی طرف بڑھتا رہا، ہمارے درمیان منہ بولے رشتوں میں مزید پختگی آتی گئی۔ سعداللہ بھائی نے ہر مشکل وقت میں میرا بھرپور ساتھ دیا۔ ان کے پرخلوص رویے نے مجھے بہت حوصلہ دیا تھا۔ ایک عرصے بعد مجھے ایک ایسا انسان ملا تھا جس نے میری محرومیوں پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا تھا اور میں سوچتی تھی کہ میں اس بھری دنیا میں بالکل تنہا نہیں ہوں بلکہ میرے جذبات کا محافظ ایک ایسا انسان ہے جس سے میں دل کی ہر بات کہہ سکتی ہوں۔ اپنا ہر دکھ بتلا کر وہ میری مسیحائی کر سکتا ہے مگر یہ افسوس تا عمر مجھے تڑپائے رکھے گا سعداللہ بھائی نے اپنے مسائل میرے ساتھ شیئر نہیں کئے تھے حالانکہ میں اکثر انہیں مجبور کرتی تھی کہ آپ کے مسائل ہوں گے مگر آپ نے وہ مجھے کبھی نہیں بتلائے۔ وہ میری باتیں سن کر مجھے ٹال دیا کرتے تھے، اس کے برعکس میری چھوٹی سے چھوٹی خواہش پر وہ اپنی پوری توانائیاں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ میری ہر بات کو بڑی فراخدلی سے مانتے تھے۔ انہی دنوں میں اسلامی لائبریری کا سنگ بنیاد رکھا کیونکہ یہ میری دیرینہ خواہش تھی لیکن اس سے پہلے جب میں لڑکیوں سے اسلامی لائبریری کا ذکر کرتی تو وہ میری اس بات پر ہنس دیا کرتی تھیں اور مجھ سے کہتیں۔ یہ تو اک دیوانے کا خواب ہے مگر جب میں نے بھائی سعداللہ کے تعاون سے لائبریری کا افتتاح کیا تو وہ سب حیران رہ گئیں۔

کوشش کے باوجود بھلائے نہ جائیں گے
ہم پر جو کسی نے کئے ہیں کرم یہاں

لائبریری کے افتتاح کے بعد اسلامی کتابوں کا مسئلہ درپیش آیا تو بھائی سعداللہ نے کافی ساری کتابیں لے کر دیں۔ میں نے چاندی کے چین کی فرمائش کی وہ انھوں نے بتیس تولہ کا خوبصورت چین مجھے بنوا کر دیا۔ ہم دونوں بہن بھائیوں نے اکٹھے مل کر بہت سارے فلاحی کام سرانجام دیے۔ ہماری انمول زندگی کے کئی ایک سال اور بیت گئے پھر نہ جانے بھائی جان سعداللہ کے دل میں کیا آئی وہ اچانک بیرون ملک چلے گئے بالکل خاموشی کے ساتھ اور پرائے دیس جا کر اپنی اس نمانی بہن کو فراموش کر دیا جس کا میں تصور کرتی ہوں تو میری روح کے بربط کانپ جاتے ہیں اور قیاس کرنے لگتی ہوں کہ وقت کی ذرا سی دھوپ سے کئی برسوں کے رشتے یوں بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ کیا دل کی اتھاہ گہرائیوں کی پرخلوص چاہتیں یوں بھی مدھم پڑ جایا کرتی ہیں لیکن ایسے عالم میں سوائے اپنی قسمت پر ماتم کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی ہوں۔ اس جدید دور کے ماڈرن لوگوں میں سب کچھ ہو رہا ہے۔

پچھلے دنوں مجھے کسی نے بتلایا ہے کہ بھائی سعداللہ آئے تھے اور شادی کر کے واپس چلے گئے ہیں مگر مجھے شادی پر بلایا تک نہیں۔ اس کی سب پرخلوص چاہتیں مجھے سراب معلوم ہونے لگتی ہیں اس نے جتنا پیار عزت اور احترام مجھے دیا تھا اب اس سے کہیں زیادہ نفرتیں مجھے مل گئی ہیں میں اب کسی کو منہ دکھلانے کے قابل نہیں رہی زمانہ بھر کی رسوائیاں میرا مقدر بن گئی ہیں۔

آئے تو اس طرح کہ ہمیشہ تھے مہرباں
بھولے تو اس طرح کہ کبھی آشنا نہ تھے

اب تو مجھے اپنی زندگی پر رونا آتا ہے۔ ایک منہ بولے بھائی کی بے حسی نے میری ہنستی مسکراتی زندگی میں نفرتوں کی آگ لگا دی ہے، اس کی نفرتوں کی ہرزہ سرائی نے میری زندگی کی ساری مسرتیں چھین لی ہیں۔ میں بھی کتنی پاگل تھی کہ ایک اجنبی انسان کو اپنا بھائی سمجھ بیٹھی تھی۔ میں نے تو صدق دل سے اسے اپنا بھائی سمجھا تھا مگر اس نے میری ناقدری کی ہے لیکن میں پھر بھی اس کے لئے دست دعا کرتی ہوں اس کی خوشیوں کا چمن سدا مہکتا رہے۔

نجانے کون سے داغوں کو دھونے لگتی ہوں
کوئی بھی روئے تو میں ساتھ رونے لگتی ہوں

****



# تقدیر لائی کس موڑ پر

ایم خالد محمود سانول۔ مروٹ

میرے دو بچے ہیں ایک بیٹا سلمان اور بیٹی ارم۔ میری امی اللہ کو پیاری ہو چکی ہے ابو بھی اب کافی عمر کے ہو چکے ہیں لیکن میں نے آج تک یہ حقیقت کسی کو بھی نہیں بتائی۔ اب میں اپنے مجازی خدا ظہیر کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ وقت بھی انسان کو کیسے کیسے آزماتا ہے کیا کیا کرنے پہ مجبور کر دیتا ہے۔ میں خدا سے رو رو کر دعا کرتی رہتی ہوں کہ یااللہ مجھے معاف کر دینا۔ مجھے خوف سا رہتا ہے کہ کیا میری بخشش ہو جائے گی

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

میری یہ عادت نہیں کہ کسی کو حال دل سناؤں خالد دکھ بہت ہوتی ہے، دل کی بات چھپانے میں

ویسے تو انسان کی زندگی میں بہت سے ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کو انسان آہستہ آہستہ بھول جاتا ہے۔ مگر میرے ساتھ جو ہوا میں نے کبھی سوچا بھی تھا۔ انسان سوچتا تو بہتر ہے مگر بہتر سوچتے ہوئے یعنی کوئی ناجائز فائدہ اٹھائے تو کیا کرنا چاہئے۔ آیئے ایک بالکل سچی سٹوری آپ کی نظر کرتا ہوں جو کسی دکھی بہن نے میرے ایڈریس پر مجھے ارسال کی ہے۔ آیئے سناتا ہوں۔

ہر کسی کے مقدر میں کہاں یہ حسین محفلیں
کچھ لوگ ہوتے ہیں صرف تنہائی کے لئے

السلام علیکم! جناب ایم خالد محمود سانول صاحب میں نے آپ کی سٹوری "دل میں ہو تم" پڑھی بہت اچھی لگی۔ آپ کو فون بھی کیا تھا، آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگا مگر آپ نے مجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔ جتنا میں نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے جواب دیا تھا۔ سو آپ نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ میں اپنی سٹوری آپ کو ارسال کر رہی ہوں۔ امید کرتی ہوں کہ آپ میری یہ سٹوری ضرور شائع کروا دو گے۔ یہ میری اپنی سچی سٹوری ہے۔

میرا نام مہوش ہے اور میں ایک چھوٹے سے خوبصورت گاؤں میں پیدا ہوئی۔ ہمارا گاؤں بے شک چھوٹا سا تھا مگر بہت خوبصورت تھا۔ یہاں کے لوگ، ماحول بہت ہی اچھا تھا۔ میں ایک بہت امیر گھرانے میں پیدا ہوئی، میری پیدائش پر میرے گھر والوں نے کافی خوشی منائی تھی۔ پھر تھوڑی بڑی ہوئی تو سکول میں داخل کروا دیا گیا۔ سکول میں کافی لڑکیاں دوست بن گئیں۔ زندگی بہت ہنسی خوشی گزر رہی تھی، دکھ کا نام تک نہیں سنا تھا کہ دکھ نام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ میری امی جان مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں کرتی ہے۔ مجھے جس چیز کی ضرورت ہوتی میری امی مجھے لا دیتی۔ اگر میرے فائدے کی نہ ہوتی تو بڑے پیار سے سمجھاتی۔ امی کا سمجھانے کا انداز بہت اچھا تھا جو بات سمجھاتی میری سمجھ میں آ جاتی۔ پھر آہستہ آہستہ بڑی ہو گئی تو گاؤں کے اصولوں کا کچھ پتہ چلا۔ ہمارے



گاؤں میں ایک آدمی منتخب کیا جاتا۔ کوئی بھی لڑائی جھگڑا یا کوئی اور مسئلہ ہو جائے تو اس بڑے آدمی سے فیصلہ کروایا جاتا ہے۔ پھر جو فیصلہ وہ کرے اس کو سب لوگ مانتے تھے۔ اس کو یہاں "پنچایت" کا نام دیا جاتا ہے۔ پنچایت میں سب وڈیرے لوگ ہوتے ہیں اور مسئلے کا حل نکال کر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں امیروں کی کسی نہ کسی سے دشمنی ضرور تھی۔ میرے ابو چار بھائی تھے۔ امتیاز، تصور، مصور، اور آخر میں میرا بابو جو دوسرے نمبر پر تھے خاور۔ ان کے علاوہ ایک میری پھوپھو مصباح تھی۔ ہم سب ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ میرے تایا کے دو بیٹے اور ایک بیٹی، میرے چاچو کے دو بیٹے اور دوسرے چاچو کے تین بیٹے تھے۔ میں آپ کو بتاتی چلو کہ میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی اور میں گھر میں سب سے زیادہ خوبصورت اور لاڈلی تھی، اس وجہ سے سبھی مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ پیار سے میرا نام مہوش سے گڈی رکھا گیا تھا۔ سب گڈی کہہ کر پکارتے تھے۔ میری کزنیں اور کزن سب سارا سارا دن کھیلتے کبھی گھر میں تو کبھی کھیتوں میں جا کر ہمارا باغ تھا۔ باغ میں جا کر پھل توڑ توڑ کر کھاتے، میری کزنیں لڑکیاں گاؤں کے سکول میں پڑھتی تھیں اور کزن شہر پڑھنے کے لئے جایا کرتے تھے۔

ہمارے گاؤں میں پرائمری سکول تھا، زیادہ تر لڑکیاں پانچ کلاس پاس کر کے سکول چھوڑ دیتی تھیں، یا یہ کہہ لو کہ سکول سے ہٹا لیا جاتا تھا۔ لڑکیوں کو زیادہ نہیں پڑھایا جاتا تھا، اس وجہ سے میں نے پانچویں کلاس پاس کی اور سکول چھوڑ دیا۔ گھر کا کام کرتی اور سارا سارا دن گھر میں یا کزنوں کے ساتھ کھیل کود میں گزار دیتی۔

ایک دن میں ایسے کھیلتی کھیلتی کھیتوں میں چلی گئی۔ باغ سے مالٹے توڑ کر کھیت میں بیٹھ گئی اور مالٹے کھانے لگی۔ میری نظر سامنے پڑی میں کیا دیکھ رہی ہوں کہ ایک خوبصورت لڑکا ایک گھوڑے پہ بیٹھا جا رہا ہے میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ خوبصورت تو میں بھی بہت تھی لیکن میں پھر بھی اسے دیکھتی رہی۔ جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے گھوڑا روک لیا اور میری طرف بار بار دیکھ رہا تھا جیسے کوئی عجیب چیز نظر آ گئی ہو۔ مجھے الجھن سی ہونے لگی۔ آخر میں نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا کہ آپ کون ہو اور یہاں ہمارے کھیتوں میں کیا کر رہے ہو۔ جی میڈم میں ساتھ والے گاؤں کا ہوں اور کچھ دن ہوئے ہیں میں شہر سے گھر آیا ہوں اور سوچا کہ چلو گاؤں کی سیر کی جائے، اسی طرح چلتے چلتے میں ادھر آپ کے کھیتوں کی طرف چلا آیا۔ اگر برا لگا تو سوری۔ آئندہ گریز کروں گا اور کبھی بھی اس طرف نہیں آؤں گا۔ جی میں نے کب کہا کہ اس طرف کیوں آئے ہو۔ بس ویسے پوچھ لیا۔ اچھا میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ گاؤں میں اتنے خوبصورت بھی ہوتے ہیں۔ جی یہ کیا کہا، کیا مطلب آپ کا؟ نہیں کچھ نہیں سوری۔ پھر وہ چلا گیا۔

میں نے مالٹے توڑے ہوئے تھے، شاپر میں ڈالے اور سبزی کی طرف چلی گئی۔ ہم نے کھیتوں میں سبزی لگائی ہوئی تھی، سبزی سے میں نے ایک مولی اکھاڑ لی اور پانی سے صاف کر کے کھائی۔ چار پانچ مالٹے میرے پاس تھے وہ بھی میں نے کھالے پر بیٹھ کر کھا لئے۔ وہ لڑکا نظر سے اوجھل ہو چکا تھا نہ جانے کیوں مجھے اس کی باتیں یاد آنے لگیں۔ پھر چلتے چلتے میں اپنے گھر آ گئی۔ پھر کیا تھا ساری رات اس لڑکے کا چہرہ میرے سامنے رہا۔ اگلے دن اسی وقت میں پھر کھیتوں میں چلی گئی اور وہ بھی ادھر آ گیا۔ چوری چوری میں اسے اور وہ مجھے دیکھتا رہا پھر کیا تھا وہ بھی شام کو ادھر آ جاتا اور میں بھی۔ میں نے اس سے بھی کوئی بات نہ کی اور نہ ہی اس نے۔ پھر ایک روز دوسرے گاؤں کا ہمارہ رشتہ دار ہماری حویلی میں آیا اور سلام دعا کے بعد کہنے لگا کہ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ ہمیں پرانی باتوں کو بھول جانا چاہئے اور نئے رشتے کی

شروعات کرنی چاہئے۔ یہ بات سن کر میرے ابو کچھ نہ سمجھے پھر انہوں نے کہا کہ بھائی میں اپنے بیٹے کے لئے آپ کی بیٹی مہوش کا رشتہ مانگنے آیا ہوں۔ پہلے تو میرے ابو نہ مانے پھر دادا ابو جی کے کہنے پر سب مان گئے۔ پھر بڑے جوش و خروش سے ہماری منگنی ہو گئی۔ میں بہت خوش تھی کہ چلو ہماری دشمنی ختم ہو گئی۔ اب نہ ہمیں کسی سے لڑنے کی ضرورت اور نہ کوئی ہم سے لڑنے والا ہو گا۔ زندگی بہت اچھے انداز سے گزرے گی۔ کچھ دنوں کے بعد شادی کے دن مقرر کر دیئے گئے۔ شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ میری کزنیں مذاق کرتیں۔ مہوش آپ بہت خوبصورت ہوتی جا رہی ہو، خدا کرے کہ آپ کا نصیب اچھا ہو۔ میں کبھی کبھی پریشان ہی ہو جاتی کہ وہ ہمارے دشمن ہیں۔ کہیں کوئی الٹ نہ ہو جائے پھر سوچتی کہ نہیں وہ لڑکا مجھے چاہتا ہے اور چاہت میں سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ جس طرح ہماری دشمنی ختم ہو گئی ہے۔ خدا سے دعا کرتی کہ یا اللہ مجھ پر کرم کرنا۔ پھر وہ دن بھی آ گیا میں دلہن بن کر ان کے گھر چلی گئی۔ میں پھولوں کی سیج پر بیٹھی الیاس کا انتظار کر رہی تھی کہ اچانک دروازہ کھلا اور الیاس اندر آ گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ گر رہا ہے، وہ میرے پاس بیٹھ گیا، میں نے محسوس کیا کہ اس نے شراب پی رکھی ہے۔ بدبو آ رہی تھی۔ میں یہ دیکھ کر ڈر گئی اس نے میرا بازو پکڑا اور زور سے اپنی طرف کھینچا اور کہنے لگا کہ میں نے تم سے شادی صرف اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لئے کی ہے۔ اب میں تمہارے سارے خاندان کو ختم کر دوں گا۔ مجھے یہ سن کر بہت رونا آیا۔ میں رو رہی تھی اور اپنے نصیب پہ رو رہی تھی کہ میرے مجازی خدا نے میرا گھونگھٹ اٹھانے مجھے پیار کرنے کی بجائے بری خبر سنا کر میرا سب کچھ، میرا دل سکون آرام تباہ کر دیا ہے۔ پھر اس نے جو کچھ کرنا تھا سو کیا میں بس روتی رہی، اس کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔ وہ مجھے روتا دیکھ کر کہہ رہا تھا کہ اب ہمیشہ آپ اسی طرح روتی رہو گی۔ آپ سب کو ختم کرنا میرا مقصد ہے، بس اور کچھ نہیں۔ پھر وہ سو گیا اور میں ساری رات روتی رہی۔

صبح ہوئی تو میرے گھر والے مجھے لینے کے لئے آ گئے۔ جب میری کزن صبا نے میری سوجھی ہوئی آنکھیں دیکھیں تو بہت پریشان ہوئی۔ اس نے مجھ سے پوچھا تو میں ٹال گئی اور کہہ دیا کہ میں ساری رات سوئی نہیں ہوں اس وجہ سے آنکھیں سوجھی ہوئی ہیں۔ یہ سن کر وہ مجھ سے مذاق کرنے لگی۔ میں نے اُسے منع کر دیا کہ میری صحت ٹھیک نہیں ہے، میرا مذاق کرنے کو دل نہیں چاہتا وہ خاموش ہو گئی۔ میں اُسے بتاتی بھی تو کیا بتاتی کہ رات میرے ساتھ کیا ہوا۔ اسی طرح دن گزرتے رہے اور میں نے پوری کوشش کی کہ میں اپنے مجازی خدا کو راہ راست پر لا سکوں لیکن میں کسی بھی حد تک کامیاب نہ ہو سکی۔ الٹا وہ میری پٹائی کر دیتا۔ روز وہ مجھے مارتا اور طرح طرح کی اذیتیں دیتا۔

ایک دن اُس نے مجھے بہت مارا اور رات کو کہنے لگا کہ میں نے آج تیرے ابو کو مار دینا ہے۔ یہ بات سن کر میرے دل میں بجلی گری اور میں گرتے گرتے بچی۔ میں نے کہا۔ آخر کیوں، میں نے، میرے گھر والوں نے سب کچھ بھول کر میری شادی آپ سے کی ہے۔ لہٰذا آپ جو ہو گیا اُسے بھول جائیں تو بہتر ہو گا ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔ آپ کیا کر لو گی۔ وہ مجھے کہتے ہوئے پھر مارنے لگا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اُدھر مجھے میرا باپ نظر آ رہا تھا۔ باپ کے جانے سے میری ماں کا کیا بنے گا۔ بہت کچھ سوچا، مگر میرا دماغ مفلوج ہو چکا تھا، مجھ کوئی چیز نہیں مل رہی تھی جسے کھا کر میں مر جاتی۔ پھر میں نے جھوٹ کا سہارا لیا اور الیاس سے کہا کہ ابو کا آج فون آیا تھا۔ وہ کراچی گئے ہیں ہفتہ کی چھٹی، اس پر الیاس کہنے لگا کہ پھر کیا ہوا جب آ جائے گا پھر مار دوں گا۔ سب سے پہلے تمہارے ابو کو مارنا ہے۔

میں نے کافی کوشش کے بعد زہر لیا اور گھر میں جو ہمارے کمرے میں شراب پڑی تھی اس میں زہر ملا دیا۔ پہلی جو بوتل تھی اس میں میں نے کافی زہر ڈال دیا۔ رات کو جب الیاس آیا اس نے شراب پی اور میرے ساتھ پھر لڑائی کرنے لگا مجھے مارنے لگا تیرا باپ کب آئے گا۔ میں اُسے مار دینا چاہتا ہوں۔ اس نے میرے بھائی کو مارا تھا، ایسے کرتے وہ گر گیا۔ میں نے کوئی شور نہیں کیا اور دروازہ لاک کر کے لائٹ آف کر کے لیٹ گئی۔ مجھے نیند تو نہیں آ رہی تھی مگر میں الیاس کو تڑپتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ایک گھنٹہ بعد لائٹ آن کر کے دیکھا تو وہ مکمل طور پر خاموش تھا۔ میں نے اس کا بازو پکڑ کر چیک کیا تو پتہ چلا کہ وہ مر چکا ہے۔ میں ساری رات نہ سوئی، صبح جلد اٹھی اور میں جا کر سب کچھ اس کے ابو کو بتا دیا۔ انہوں نے کہا۔ بیٹا جو کچھ آپ کے ساتھ ہو رہا تھا مجھے پتہ ہے۔ میں نے اس کے کئی دفعہ سمجھایا تھا کہ بیٹا ان باتوں کو بھول جا لیکن وہ میری بات نہیں مانتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور اُسے راہ راست پہ لے آؤ گی۔ بیٹی آپ کو سچ بتاؤں میں نے وہ سب کچھ بھلا کر آپ سے اپنے بیٹے کا رشتہ کیا تھا۔ بیٹی جو ہو گیا سو ہو گیا اب آپ اپنے گھر چلی جاؤ اور گھر جا کر کسی قسم کی کوئی بات نہیں کرنی۔ سو میں ڈرتی ڈرتی اپنے گھر چلی آئی اور گھر میں کوئی بھی ایسی ویسی بات نہ کی۔ سارا دن زخمی مسکراہٹ کے ساتھ ہنستی رہی اور گھر والوں کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ گھر والے بھی پوچھ رہے تھے کہ آپ کے خاوند نے آج آپ کو کیسے اجازت دے دی۔ میں جب سے شادی کے بعد سسرال کے گھر گئی تھی، آج پہلی دفعہ آئی تھی اس لئے میرے گھر والے بہت خوش تھے۔

دوسرے دن ہمارے گھر میں الیاس کی موت کا پیغام آیا تو میں اک دم ڈر گئی کہ اب پتہ نہیں کیا قیامت آ جائے گی۔ گھر والوں نے پوچھا کہ الیاس کو ہوا کیا ہے پھر پتہ چلا کہ الیاس کی موت زیادہ شراب پینے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ میں بھی جھوٹ موٹ روتی رہی اور ان کے گھر چلی گئی۔ الیاس کی میت کو دیکھ کر روتی رہی پھر الیاس کو دفنا دیا گیا۔ کافی دن تک افسوس ہوتا رہا۔ پھر میں ہمیشہ کے لئے اپنے والدین کے گھر آ گئی۔ میں یہ الیاس کی باتیں صرف الیاس کے باپ سے کی تھیں اس کے بعد اپنے امی ابو یا کسی اور سے کوئی بھی بات نہیں کی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ میرے گھر والوں کو میری فکر ہونے لگی پھر جلد ہی میرے تایازاد کزن کا رشتہ میرے لئے آیا۔ سو میرے گھر والوں نے ہاں کر دی۔ پھر میری سادگی کے ساتھ منگنی کر دی اور بڑے خوبصورت جشن خوشیوں کے ساتھ میری شادی کر دی۔ میں دوسری دفعہ دلہن بن کر اپنے تایا کے گھر آ گئی ظہیر کی دلہن بن کر۔ سو ظہیر نے مجھے بہت زیادہ پیار دیا، کبھی بھی اس نے مجھے احساس نہیں ہونے دیا کہ میں شادی شدہ ہوں اور میری دوسری شادی ہوئی ہے۔ میں بہت خوش ہوں لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں جب بھی الیاس کی یاد آتی ہے میری آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔

اب ماشاء اللہ میرے دو بچے ہیں ایک بیٹا سلمان اور بیٹی ارم۔ میری امی اللہ کو پیاری ہو چکی ہے، ابو بھی اب کافی عمر کے ہو چکے ہیں لیکن میں نے آج تک یہ حقیقت کسی کو بھی نہیں بتائی۔ اب میں اپنے مجازی خدا ظہیر کے ساتھ بہت خوش ہوں۔ میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ وقت بھی انسان کو کیسے کیسے آزماتا ہے کیا کیا کرنے پہ مجبور کر دیتا ہے۔ میں خدا سے رو رو کر دعا کرتی رہتی ہوں کہ یا اللہ مجھے معاف کر دینا۔ مجھے خوف سا رہتا ہے کہ کیا میری بخشش ہو جائے گی، کیا میں نے غلط کیا یا درست۔

تو دوستو! یہ تھی ایک ایسی لڑکی کی سٹوری جس نے بہت اچھا سوچا اور جو وہ چاہتی تھی سب اس کے برعکس ہوا۔ یہ سب کیوں ہوا کسی کے پاس اس کا جواب ہو تو پلیز ضرور بتانا۔

ایم خالد محمود سانول۔ جنگلات کالونی، مروت

# جدا ہو گئے

......ظفر نور بھٹو- اوباوڑہ، سندھ

وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا ہم جوان ہو چکے تھے اور ہم پر کافی پابندیاں بھی عائد کر دی گئی تھیں. سوہنی اب جانور چرانے نہیں جاتی تھی اور میں نے بھی جانور چرانے بند کر دیئے تھے بس ادھر ادھر کام کیا کرتا تھا. سوہنی مجھ سے ابھی تک بات نہیں کرتی تھی پر وہ روز ہمارے گھر ضرور آیا کرتی تھی اور اگر کوئی کام ہو تو بات کر لیتی. جس روز وہ ہمارے گھر نہیں آتی تو مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا تھا جیسے کئی برس گزر جائیں اور صحرا میں بارش نہ ہو تو چاروں طرف ریت ہی ریت اڑتی ہے ...... ایک درد سے بھری سچی کہانی

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

آج پھر ایک دکھی داستان لے کر دکھ کی نگری میں حاضر ہوا ہوں، امید ہے پہلے کی طرح پذیرائی ہوگی۔ یہ دکھ بھری داستان ان دو پریمیوں کی ہے جنہیں سیلاب نے الگ کر دیا اس لئے اس داستان کا نام ”جدا ہو گئے“ رکھا ہے۔ امید ہے کہ پہلے کی طرح قارئین پسند کریں گے تاکہ آئندہ بھی اس قلم سے کچھ اچھا لکھتا رہوں۔

یوں تو ہمارے معاشرے میں ہر جگہ کہانیاں جنم لیتی ہیں کہیں محبت کی کہیں درد، دکھوں، بھوک، ظلم، امیری غریبی کی، کہیں محبت کو معاشرہ مار دیتا ہے کہیں محبت کو ماں باپ تو کہیں امیری غریبی، کہیں رسم و رواج تو کہیں محبت کے آڑے ذات پات آ جاتی ہے قارئین آج جو کہانی میں آپ کے سامنے لا رہا ہوں وہ ذرا مختلف ہے جب آپ کی نظروں سے گزرے گی تو سمجھ پائیں گے۔

ہوا کچھ یوں کہ 2010ء کا سیلاب جس نے بہت سی تباہیاں پھیلائیں۔ روزانہ خبروں میں سنتے تھے کہ آج یہاں سے بند ٹوٹ گیا، آج یہاں سے دریا ٹوٹ گیا، دریا سندھ جو کہ پاکستان کا سب سے بڑا دریا ہے، ہم بھی ایک رات سوئے ہوئے تھے کہ اطلاع آئی کہ ہماری طرف دریا ٹوٹ گیا ہے پورے علاقے میں ہلچل مچ گئی۔ اب کیا کریں یا اللہ کیا ہو گیا۔ بہت پریشانی تھی پر خدا کا شکر ہے دریا ٹوٹا مگر ہماری طرف نہ آیا کیوں کہ بیچ میں کافی چھوٹی بڑی نہریں تھیں یوں تو نقصان بہت ہوا پر ہمارا علاقہ بچ گیا۔ کچھ دن یوں ہی پریشانیوں میں گزر گئے پھر میرے کچھ دوست جن کا تعلق میڈیا سے ہے، وہ مجھے ساتھ لے گئے کیمپ اور ان علاقوں کا وزٹ کروانے تاکہ لوگوں کا حال احوال دریافت کر سکیں۔ ہم سکھر سے تھوڑی دور دریا کے کنارے لگے کیمپ میں پہنچے وہاں ایک قیامت برپا تھی کوئی ماں اپنے بچوں کو پکار کے رو رہی تھی، کوئی بہن اپنے بھائیوں کو ڈھونڈ رہی تھی، کسی سے ماں بچھڑ گئی تھی تو کسی کا سارا گھر برباد ہو گیا تھا۔ وہاں ہر ایک انسان کی اپنی کہانی تھی کوئی معصوم بچہ بلک بلک کر رو رہا تھا تو کوئی ماں اپنے سر میں خاک ڈال کر رو رہی تھی۔ بہت برا حال تھا لوگوں کا بھوک سے نڈھال

بچے بے حال تھے۔

یہ دیکھو بچہ بلک بلک کر سسک سسک کر کتنا رویا ہے
ماں کیوں نہ روئے اپنی بے بسی پہ ظفر آج پھر اس کا بچہ بھوکا سویا ہے

وہاں رکنا میرے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ میرے دوست تو ان سے انٹرویو وغیرہ لے رہے تھے پر میں ٹہلتا ہوا کیمپ سے دور دریا کے کنارے پہ چل رہا تھا۔ وہاں تھوڑی دور ایک نوجوان منہ پہ ہاتھ رکھ کر کسی کو بلا رہا تھا پر میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا جب قریب پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ کسی لڑکی کو بلا رہا ہے، وہ آوازیں دے رہا تھا۔

سوہنی او سوہنی تو کہاں ہے واپس آ جاؤ، اے دریا مجھے میری سوہنی لوٹا دے دیکھ تو نے پہلے ایک مہینوال سے سوہنی چھین لی تھی اب مجھے میری سوہنی لوٹا دو اور تمہیں لوٹانی ہو گی۔ سوہنی میری پیاری سوہنی، لوٹ واپس آ جا۔ وہ یہی فقرے بار بار دہرا رہا تھا میں کشش وپنج میں اسے دیکھے جا رہا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ جب اس نوجوان کی نظر مجھ پہ پڑی تو وہ روتا ہوا قریب کھڑے ایک درخت کے سائے میں چلا گیا۔ میں بھی اس کے پاس چلا گیا۔ جب اسے قریب سے دیکھا تو اس کے ہونٹ کھردرے تھے وہ تو دریا کے اوپر تھا پھر اسے پیاس کس بات کی تھی۔ میں نے اسے سلام کیا، اس نے صرف میری طرف نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں لال تھیں جیسے آگ جل رہی ہو اسے دیکھ کر مجھے اپنی ایک نظم یاد آئی۔

آج ہم نے ایک سوگوار سا چہرہ دیکھا
دکھوں غموں کا اس پہ پہرہ دیکھا
پھٹے کپڑے، بڑھی داڑھی، اجڑا اس کا حال تھا
چھٹر گیا مجھ سے کیوں زباں پہ یہ سوال تھا
ہونٹ تھے پیاس سے کھردرے
محبت میں شاید تھے حال برے
منزل منزل شاید بھٹکتا تھا وہ
آنکھوں میں اس کی ویرانی تھی
دنیا اس کے لئے جیسے انجانی تھی
سر کے بال نوچ رہا تھا وہ پاگل
دردوں بھری اس کی کہانی تھی
جو دیکھتا اسے اشک اس کے بہنے لگے
بڑا بدنصیب ہے تو لوگ اسے کہنے لگے
چلتے چلتے اس کے پاؤں میں پڑ گئے چھالے تھے
بدنصیبی کے اس پہ گہرے بادل کالے تھے
کوئی چیز وہ ہم سے چھپا رہا تھا
محبت کے دکھوں سے وہ مر سا گیا تھا
دنیا کے زخموں سے وہ ڈر سا گیا تھا
کر رہا تھا وہ زندگی سے نفرت
شاید دنیا سے اس کا دل بھر سا گیا تھا
جب حال اے دل پوچھا میں نے ظفر
اک تڑپتی نظر دیکھا اس نے مڑ کر
مبارک ہو تم کو جہاں یہ یارو!
چھوڑ چلے ہم دنیا یہ پیارو

میں اس کے پاس بیٹھ گیا میرے پاس پانی کی بوتل تھی وہ میں نے اسے دی اور کہا۔ لو پانی پی لو۔ وہ پانی کی بوتل پہ جھپٹ پڑا اور ایک ہی سانس میں پانی پی گیا جیسے صدیوں سے پیاسا ہو۔ جب اس کی سانس بحال ہوئی تو میں نے اس سے پوچھا۔ بائی کون ہو آپ اور دریا میں سے کسے بلا رہے تھے۔ تو الٹا اس نے مجھ سے سوال کیا کہ تم کون ہو اور یہاں کیسے آئے ہو۔ میرا نام ظفر نور بھٹو ہے اور میں اوباوڑہ سے آیا ہوں کیمپ کی وزٹ پہ اور میں رائٹر ہوں جواب عرض میں لکھتا ہوں۔ میں نے اپنا تعارف کروایا۔ اچھا تم کہانیاں بھی لکھتے ہو۔ جی بس چھوٹی موٹی لکھتا ہوں۔ میری بھی ایک دردناک کہانی ہے کیا وہ بھی لکھو گے۔ اس نے التجائیہ لہجے میں کہا۔ ضرور لکھوں گا پر تم بتاؤ تم ہو کون اپنے بارے میں۔ تو سنو۔ اس نے ایک ٹھنڈی مگر لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔

آئیے قارئین اس کی زبانی سنیں۔

میرا نام سانول ہے اور میں ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ مجھ سے ایک بڑا بھائی اسلم اور دو چھوٹی بہنیں ہیں سارا اور مریم۔ جب میں پیدا ہوا تو حسب معمول خوشیاں منائی گئیں سب خوش تھے کہ اسلم کا سہارا اور دوسرا بھائی ہوا ہے۔ وہی روٹین جب پانچ سال کا ہوا تو اسکول میں داخل کروایا گیا پر مجھے پڑھنے کا بالکل شوق نہ تھا۔ بڑی مشکل سے پانچ پڑھا پر میرا بھائی ہائی اسکول میں پڑھنے گیا ہوا تھا۔ میں پانچ پڑھا تو ابو نے آگے پڑھنے کے لئے بہت زور دیا پر میں نے انکار کر دیا۔ میں بتاتا چلوں کہ ہماری اپنی زمینیں تھیں جو ابو کاشت کرتے تھے تب ابو نے کہا کہ اگر تم پڑھو گے نہیں تو تم مویشیوں کو چرایا کرو گے۔ جس میں بھیڑ بکریاں اور گائے وغیرہ تھیں میں نے حامی بھر لی۔ میں روزانہ اپنی بھیڑ بکریوں کو چرانے لے جاتا اور کچھ لڑکے اور لڑکیاں بھی ساتھ ہوتے جن میں میری چچازاد سوہنی بھی ہوتی۔ ہم جانوروں کو چھوڑ کر سارا دن کھیلتے رہتے کبھی درختوں پہ جھولتے کبھی مٹی کے گھر بناتے، کبھی چھپ کر ایک دوسرے کو ڈھونڈتے مطلب دنیا جہان سے بے خبر اپنی مستی میں مگن ہوتے۔ جب تھک جاتے تو ٹھنڈی مٹی پہ درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں سو جاتے۔ بچپن کی مستیوں میں مگن بہت ہی مزے میں دن گزر رہے تھے۔ سوہنی اور میں اکثر ساتھ ساتھ ہوتے۔ وہ خون کا رشتہ تھا یا اپنا پن ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ ابھی ہم محبت یا پیار جیسے جذبے سے ناواقف تھے۔

ایک دن میں جانوروں کو لے کر ایک جگہ چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور ایک درخت کے سائے میں سو گیا تو مجھے نیند آ گئی۔ باقی لڑکے بھی ادھر اُدھر کھیل کود رہے تھے کہ کسی نے میرے کان میں ایک تنکے سے چھیڑا میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، دیکھا تو سوہنی تھی۔ سوہنی کی بچی آج تو نہیں بچے گی میں اس کے پیچھے بھاگنے لگا آخر وہ تھک گئی میں نے اسے بالوں سے پکڑ لیا اور بولا۔ تم نے ایسا کیوں کیا۔ چھوڑ چھوڑ سانول چھوڑ۔ اس نے میرے ہاتھ سے پکڑ کر چھڑانا چاہا پر میں نے نہ چھوڑا تبھی وہ کرب سے بولی۔ ظالم درد ہو رہا ہے اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے تھے۔ میں نے بے اختیار چھوڑ دیا۔ بڑا ظالم ہے تو میں تیرے لئے کھانا لائی تھی اور تم نے مجھے مارا اب نہیں دوں گی۔ اس نے بالوں پہ ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ تو تم نے میرے کان میں کیوں شرارت کی تھی۔ میں نے بھی موڈ بنا کر کہا۔ وہ تو میں تمہیں جگا رہی تھی۔ اس نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔ اچھا کہاں ہے اور کیا ہے؟ میں نے پوچھا۔ سویاں ہیں وہ بھی دیسی گھی والی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اچھا کہاں ہیں؟ میں بے تابی سے بولا۔ چھوڑ اب نہیں ملیں گی۔ اس نے مجھے اور تڑپایا۔ کیوں کہ سویاں میں شوق سے کھاتا تھا۔ اچھا وہ تو وہیں ہیں اس درخت کے نیچے جہاں تو سویا تھا۔ اس نے اتنا کہا اور میں بھاگتا ہوا اسے چھوڑ کر وہاں آیا اور سویاں کھانے لگا۔ جب پیٹ بھر گیا تو دیکھا تو وہ گزرا سا منہ بنا کر بیٹھی تھی۔ اب تو منہ پھولا کر کیوں بیٹھی ہے۔ میں نے انگلیاں چاٹتے ہوئے کہا۔ منہ پھولا کر بیٹھی ہو کم بخت میں لائی تھی کہ ساتھ کھائیں گے اور ساری تو کھا گیا۔ اب میں کیا کھاؤں گی؟ اس نے منہ دوسری طرف پھیر کر کہا۔ ارے اف معاف کر دے سوہنی تو تو جانتی ہے کہ مجھے سویاں کتنی اچھی لگتی ہیں اس لئے مجھے یاد نہ رہا اور میں نے سوچا کہ تو کھا کر آئی ہو گی دیکھ میں نے کان بھی پکڑ لئے ہیں اب تو معاف کر دے۔ میں نے کان پکڑتے ہوئے کہا۔ ارے پاگل میں گھر سے کھا کر آئی ہوں۔ اس نے میرے ہاتھوں کو پکڑ کر کان چھڑاتے ہوئے کہا۔ نہیں میں جانتا ہوں تو نہیں کھا کر آئی تو یہاں رک جانوروں کا خیال رکھنا میں دکان سے کچھ لے کر آتا ہوں۔ اور میں اٹھ کر بھاگتا ہوا چلا گیا۔ ارے رک سانول چھوڑ رک جاؤ مجھے پیچھے سے بلاتی رہی پر میں نہ رکا۔ میں بھاگتا ہوا سیدھا چاچا رزاق کی دکان پر آیا راستے میں کئی جگہ گرا وہاں سے میں نے اس کے لئے پیڑے خریدے اور پھر بھاگتا ہوا میں اس کے پاس پہنچا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دی میں نے وہ شاپر اس کے سامنے رکھ دیا پر بول نہیں پایا ہانپتا رہا۔ تم کیوں گئے تھے؟ اس نے پوچھا۔ وہ...... وہ وہ...... تم بھی بھوکی تھی ناں اس لئے۔ میں نے رک رک کر کہا۔ سچ پاگل ہے تو اور وہ کھانے لگی۔ پر اکیلے نہیں ساتھ میں مجھے بھی کھلاتی رہی۔ ارے بابا میں نے تو سویاں کھائی ہیں تم کھاؤ۔ میں نے اس کے ہاتھ کو روکتے ہوئے کہا۔ ہاں

وہ تو ساری چلی گئیں تم کتنے بھاگے ہو۔ اس نے کہا۔ اچھا چھوڑ چل اب جانوروں کو دیکھیں کہ کہاں ہیں۔ پھر ہم سارا دن ہنستے کھیلتے رہے۔ شام کو جانوروں کو گھر لے گئے اور پھر میں تھوڑا باہر چلا گیا۔ ہمارے ہاں ٹی وی تھا جو کہ سارے گاؤں میں صرف ہمارے پاس تھا تو سارا گاؤں ڈرامے وغیرہ دیکھنے آتا تھا۔ سوہنی بھی روزانہ آتی تھی پر آج وہ نہیں آئی تھی۔ میں بہت اداس تھا مجھے آج ٹی وی بھی مزہ نہیں دے رہا تھا۔ آخر میں نے اس کی دوست ساجدہ سے پوچھ لیا کہ آج سوہنی کیوں نہیں آئی؟ تو وہ بولی۔ اسے تیز بخار ہے اس لئے۔ پھر میں بھاگتا ہوا اس کے گھر چلا آیا۔ چاچی سوہنی کہاں ہے؟ میں نے سوہنی کی امی سے پوچھا۔ بیٹا وہ سو رہی ہے اپنے کمرے میں، اسے بخار ہے۔ میں اندر کمرے میں آیا اسے ہاتھ لگایا تو اسے بخار بہت تیز تھا اس نے آنکھیں کھولیں اور مسکرا دی۔ کیوں تجھے بخار کیوں ہے۔ میں نے خود کہا تھا کہ آ جائے اب ہو گیا ہے تو میں کیا کروں؟ اور تو کیوں پریشان ہو رہا ہے؟ اس کی آنکھیں لال ہو گئی تھیں۔ چاچی اس کو کوئی دوا وغیرہ دی ہے؟ میں نے چاچی سے پوچھا۔ ابھی ابھی گولیاں دی ہیں کل اس کے ابا اس کو لے جائے گا ڈاکٹر کے پاس۔ پر چاچی اس کو تو بہت تیز بخار ہے ٹھہرو میں اس کے لئے دوا لے آتا ہوں۔ ظفر صاحب آپ کو پتہ ہے کہ گاؤں میں ڈاکٹر نہیں ہوتے سو بس دوا سے گذارا کر لیتے ہیں۔ میں چاچا رزاق کے دکان سے بخار والی دوائی لے آیا۔ سوہنی اٹھ دوا پی میں نے اسے دوائی دی وہ بہت کمزور ہو گئی تھی ایک دن میں۔ چاچی نے اسے سہارا دیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے اسے دو چمچ دوائی پلائی تقریباً ایک گھنٹے بعد اس کا بخار اترا تو میں بھی گھر آ گیا۔ پر مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔ میں اسے محبت تو نہیں کہوں گا کیوں کہ اس وقت میری عمر بارہ سال تھی اور سوہنی مجھ سے ایک سال چھوٹی تھی۔ پر اپناپن ضرور تھا اور خوف کا رشتہ بھی کیونکہ سوہنی اور میں پچا زاد تھے۔ خیر صبح سویرے ہی میں اس کے ابا کے پاس گیا چچا رسول بخش بھی گھر بیٹھے تھے۔ چچا سوہنی کا بخار کیسا ہے؟ بیٹا اب وہ ٹھیک ہے رات دوا کے بعد پھر اسے بخار نہیں آیا۔ پر چچا تم اسے آج ڈاکٹر کے پاس لے جانا میں نے پریشان سے لہجے میں کہا۔ اچھا بیٹا وہ تم بھائی سے کہہ دینا کہ موٹر سائیکل تھوڑی دیر کے لئے دے دے تو میں اسے لے جاؤں گا۔ اچھا چچا اور پھر میں سیدھا سوہنی کے کمرے میں آیا وہ کافی بہتر تھی۔ سوہنی چل جانوروں کو چرانے چلتے ہیں۔ میں نے مذاق میں کہا۔ اچھا چل اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ارے پاگل میں تو مذاق کر رہا ہوں آج چچا تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جائے گا۔ پر اب تو میں ٹھیک ہوں۔ نہیں تو آج ڈاکٹر کے پاس جائے گی اور پھر جب تک تو ٹھیک نہیں ہو جاتی تمہارے جانور میں چرایا کروں گا۔ اچھا ٹھیک ہے۔ اس دن چچا سوہنی کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تقریباً تین دن تک وہ میرے ساتھ جانور چرانے نہیں گئی۔ ہاں مگر میں روزانہ اس کے پاس چلا جاتا۔

ہم ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ ظفر صاحب لڑکے لڑکوں کے ساتھ اور لڑکیاں لڑکیوں کے ساتھ کھیل کر خوش ہوتی ہیں پر ہمیں کبھی مزہ نہیں آتا تھا۔ ہمیں سکون ملتا تھا ایک دوسرے کے ساتھ کھیل کر۔ سوہنی کا صرف ایک بڑا بھائی تھا جو کہ سرکاری ملازم میں تھا اور انہی دنوں میرے بھائی کو بھی سرکاری نوکری مل گئی تھی۔ ہم ساتھ ساتھ رہتے۔ ایک دن ہم مویشیوں کو چرنے کے لئے چھوڑ کر آپس میں کھیل رہے تھے تو سوہنی بولی۔ سانول اٹھ آج مچھلی پکڑتے ہیں۔ پر سوہنی کہاں سے۔ ارے جہاں سے ہمارے جانور پانی پیتے ہیں ناں میں نے کئی بار وہاں مچھلی دیکھی تو آ تو سہی۔ اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ پر سوہنی ہمارے پاس جال بھی تو نہیں ہے۔ ارے یہ ہے ناں اس نے اپنا دوپٹہ اتار کر دکھایا۔ اف خدا اس کے بال اتنے لمبے آج پہلی بار میں نے دیکھے تھے۔ میں سوچ میں کھڑا تھا تو اس نے پیچھے سے دھکا مارا اب چل بھی تو۔ تب سپنوں کی دنیا سے آیا ہم نے کئی بار دوپٹہ پانی میں جال کی طرح پھینکا کوئی مچھلی نہ ملی ہم کافی تھک چکے تھے اور [illegible] پکڑوں



منہ پہ لگ چکا تھا تو ایک دفعہ میں دو مچھلیاں آ گئیں۔ ہم دوپٹہ باہر لے آئے۔ دیکھا میں نے کہا تھاں ناں کہ مچھلیاں ہیں تو مانتا نہیں تھا۔ اچھا بابا اب پکڑ لیں بس۔ کیا بس ابھی اور پکڑیں گے۔ نہ بابا میں تھک گیا ہوں۔ اوئے تو لڑکا ہو کر تھک گیا ہے میں تو نہیں تھکی چل چل اب ڈرامہ نہیں کر۔ اس نے مجھے پھر سے دھکا دیا۔ میں تالاب میں گر گیا۔ پھر ہم مارنے لگے پر اس بار مجھے ٹانگ میں کسی نے کاٹ لیا۔ سوہنی پتہ نہیں کس نے کاٹا ہے۔ میں نے ٹانگ کو اوپر اٹھایا۔ ہائے سانول سانپ تیرے پیچھے ہم بھاگ کر باہر نکلے سانپ غائب ہو چکا تھا۔ مجھے سانپ نے کاٹ لیا تھا۔ سانول تجھے سانپ نے کاٹا ہے۔ ہاں سوہنی مجھے درد ہو رہا تھا اور زبان بھی خشک ہونے لگی تھی۔ سانول تو مر جائے گا۔ سوہنی نے روتے ہوئے کہا۔ ارے پگلی تو باتیں چھوڑ مجھے سہارا دے چل گھر ہم ڈاکٹر کے پاس جائیں گے تو وہ جلدی سے اٹھی اور مجھے سہارا دیا ہم چل دیئے میں یہ بھول گیا تھا کہ ہمارے جانوروں کا کیا ہوگا اور وہ بھی بھول چکی تھی۔ راستے میں ہی میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا شاید زہر نے اثر دکھا دیا تھا۔ پھر مجھے پتہ نہیں کیا ہوا جب ہوش آیا تو میں ہسپتال میں تھا۔ ابو امی میرے اوپر تھے۔ بابا۔ میں نے ابو کو پکارا۔ ہاں بیٹا تجھے ہوش آ گیا۔ ابو بے چینی سے بولے۔ اللہ میرے لال کو ہوش آ گیا۔ امی بھی تڑپ کر بولی اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ماں کا دل تھا پتہ نہیں کیا کیا سوچیں آئی ہوں گی۔ پھر مجھے گھر لے جایا گیا پھر پورا گاؤں میری عیادت کے لئے آتا رہا۔ ظفر صاحب آپ نے تو جانتے ہیں کہ گاؤں کے لوگ کیسے ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ سوہنی بھی وہاں بیٹھی رہی اور اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ شاید وہ روئی تھی۔ جب لوگ چلے گئے تب میں نے کہا۔ سوہنی او سوہنی تو نے کیا سوچا تھا کہ سانول مر جائے گا۔ بکواس نہیں کر تو میں تو اس لئے رو رہی تھی کہ میں نے ہی تمہیں تالاب میں دھکا دیا تھا اس لئے تمہیں سانپ نے ڈنگ مارا تھا۔ ارے ہاں یہ بات تو برابر ہے۔ میں نے مذاق کیا تو وہ اٹھ کر بولی۔ چل میں تجھ سے نہیں بولتی اور بھاگ کر چلی گئی۔ میں کچھ دنوں میں ٹھیک ہو گیا پر سوہنی مجھ سے ناراض تھی۔ میں نے کافی کوشش کی پر وہ نہ مانی اب تو وہ جانور بھی میرے ساتھ نہیں چراتی تھی۔

وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا ہم جوان ہو چکے تھے اور ہم پر کافی پابندیاں بھی عائد کر دی گئی تھیں۔ سوہنی اب جانور چرانے نہیں جاتی تھی اور میں نے بھی جانور چرانے بند کر دیئے تھے بس ادھر ادھر کام کیا کرتا تھا۔ سوہنی مجھ سے ابھی تک بات نہیں کرتی تھی پر وہ روز ہمارے گھر ضرور آیا کرتی تھی اور اگر کوئی کام ہو تو بات کر لیتی۔ جس روز وہ ہمارے گھر نہیں آتی تو مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا تھا جیسے کئی برس گزر جائیں اور صحرا میں بارش نہ ہو تو چاروں طرف ریت ہی ریت اڑتی ہے۔ جیسے کہ بہار کے موسم میں خزاں آ جائے، دل کا موسم ویران ہو جاتا میں نہیں جانتا تھا کہ یہ محبت ہے پر سوہنی پہ جوانی ایسی آئی تھی کہ جس کی تعریف لفظوں میں نہیں کی جا سکتی۔ بال ایسے چوٹی بناتی تھی جیسے کوئی ناگن پھن اٹھائے بیٹھی ہو۔ ظفر صاحب آپ جانتے ہیں کہ گاؤں میں عورتیں شیمپو وغیرہ استعمال نہیں کرتیں پھر بھی سوہنی کی زلفیں بالکل سیاہ اور نرم اور ملائم اتنی کہ کسی شہر کی لڑکی کے ہزار شیمپو استعمال کرنے سے نہیں ہو سکتے۔ جھیل سی آنکھیں موتیوں جیسے دانت، ٹماٹر جیسے لال لال گال، گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ، بھرا بھرا جسم میری سوہنی میری سوہنی۔ ایسا کہتے ہوئے سانول بے اختیار رو پڑا۔ میں نے اسے کاندھے پہ ہاتھ رکھا حوصلہ رکھو سانول اللہ بہتر کرے گا۔ کافی دیر تک وہ سسکتا رہا پھر جب سنبھل گیا تو پھر وہیں سے شروع ہوا۔ ان دنوں تین دن تک سوہنی ہمارے گھر نہیں آئی تھی۔ میری طبیعت بہت بوجھل تھی۔ آخر میں رہ نہیں پایا دوپہر کو میں خود ان کے گھر چلا گیا۔ گھر پہ چاچا نہیں تھا اور چاچی بھی ہمسایوں کے گھر گئی تھی۔ سوہنی کمرے میں ایک کپڑے پر کڑھائی کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ تو سانول کیا بات ہے۔ اس نے چونکتے ہوئے

کہا۔ تو ہمارے گھر کیوں نہیں آتی؟ میں نے التجائیہ لہجے میں کہا۔ میری مرضی کیوں آؤں تمہارے گھر۔ اس نے لاپرواہ بن کے کہا۔ اچھا میں غلط تھا میں سوچتا تھا کہ تو بھی میری طرح مجھ سے محبت کرتی ہے پر نہیں میں نے دکھی لہجے میں کہا اور واپس جانے لگا۔ وہ تیزی سے میری طرف آئی اور بولی۔ میرے شہزادے میں بھی تڑپ رہی تھی تمہارے بغیر ہر روز میں تمہارے گھر آتی اور تم مجھ سے اتنے منہ بات بھی نہیں کرتے۔ میں جانتی تھی کہ تو بھی حد سے زیادہ مجھے پیار کرتا ہے پر کہتا نہیں تھا اس لئے مجھے ایسا کرنا پڑا۔ وہ کسی بڑے فلاسفر کی طرح بولی۔ میں ونگ اسے دیکھتا رہا۔ اب منہ پھاڑے دیکھ کیا رہا ہے مجھے گلے نہیں لگائے گا۔

وقت یونہی گزرتا رہا۔ موسم آتے رہے اور جاتے رہے، زندگی اپنے ڈگر پر چلتی رہی ہم بہت خوش تھے۔ کیوں کہ ہم ایک دوسرے سے سچی محبت کرتے تھے۔ ایک شام میں بیٹھا تھا صحن میں ٹی وی چل رہا تھا میں اندر کمرے میں بیٹھا تھا لوگ ڈرامہ دیکھ رہے تھے کہ سوہنی بھی میرے کمرے میں آ گئی۔ سوہنی تو یہاں ڈرامہ مزہ نہیں دے رہا۔ میرا ڈرامہ تو یہاں چل رہا ہے۔ کیا مطلب؟ مطلب کہ ٹی وی والا ڈرامہ میرے دل کو نہیں بھاتا اس لئے میں اس ڈرامے کے پاس آ گئی ہوں۔ اچھا تو میں ڈرامہ ہوں تو ٹھہر ذرا۔ میں اس کے پیچھے بھاگا پر اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ رک رک پاگل باہر لوگ بیٹھے ہیں اور تو نیا ڈرامہ بنائے گا کیا؟ اور پھر وہ چارپائی پہ بیٹھ گئی۔ سانول۔ ہاں۔ ہمارے وہ بچپن کے دن کتنے اچھے ہوتے تھے، کتنا مزہ آتا تھا کاش وہ دن پھر سے لوٹ آئیں۔ پگلی گزرا وقت کب لوٹ کر آتا ہے۔ پر میں ایک دفعہ وہ وقت پھر سے محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ وہ چڑیوں کی چہچاہٹ، تیتر کی بولی اور پرندے اڑتے ہوئے کاش میں بڑی نہ ہوتی اور نہ ہی قید ہوتی۔ سوہنی کی آنکھوں میں ایک حسرت تھی۔ چل سوہنی کل میں تمہیں ان جگہوں پر لے جاؤں گا اب خوش۔ سچ سانول۔ ہاں تم تیار رہنا اور دیسی گھی کی چوری بنانا پھر ہم وہاں جائیں گے۔ پر سانول امی جانے نہیں دے گی۔ ارے میں اسے کہوں گا کہ درگاہ پہ جا رہے ہیں۔ تم جھوٹ بولو گے۔ جھوٹ بھی تو تمہارے لئے بولوں گا۔ اچھا اچھا جا صبح آنا۔ پھر میں صبح صبح ہی سوہنی کے گھر چلا گیا۔ چاچا کام پہ چلا گیا تھا چاچی گھر پہ تھی۔ چاچی سوہنی کہاں ہے؟ بیٹا وہ کمرے کی صفائی کر رہی ہے۔ چاچی میں درگاہ پہ جا رہا ہوں سوہنی کو لے جاؤں؟ پر بیٹا اور کون ہے تمہارے ساتھ؟ چاچی سریہ، مشر ماں اور نا جا ہے۔ میں نے صاف جھوٹ بولا۔ اچھا بیٹا لے جا اور میرے لئے بھی دعا کرنا۔ اچھا چاچی۔ سوہنی او سوہنی دیکھ سانول تجھے بلا رہا ہے درگاہ پہ جائے گی۔ چاچی نے سوہنی کو آواز دیتے ہوئے کہا تو وہ آ گئی۔ چل اس نے کہا اور ہم چل دیئے۔ ہم چلتے رہے۔ سانول تو کتنے جھوٹ بولتا ہے۔ اس نے مجھے بازو میں چٹکی کاٹتے ہوئے کہا۔ میری چیخ نکل گئی۔ اچھا جھوٹ میں نے اپنے لئے بولا ہے چل ٹھیک ہے واپس چلتے ہیں۔ میں نے مڑتے ہوئے کہا۔ ارے ارے تو تو ناراض ہو گیا۔ اچھا بابا میں نے جھوٹ بولا، ٹھیک چل۔ اس نے بازو سے کھینچتے ہوئے کہا۔ ہم ان جگہوں پہ پہنچ گئے تھے جہاں ہم بانو رچرایا کرتے تھے اور کھیلا کرتے تھے۔ پر آج ہم کھیل نہیں رہے تھے کیوں کہ ہم بڑے ہو گئے تھے۔ ہم ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور سوہنی جو چوری لائی تھی کھول کر مجھے اپنے ہاتھوں سے کھلانے لگی۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی گاؤں میں رہتے بغیر کسی بیوٹی کریم کے اس کے ہاتھ ایسے تھے جیسے دودھ کا رنگ ہوتا ہے۔ تو بھی تو کھا۔ میں نے نوالہ اس کے منہ میں دیتے ہوئے کہا۔ ہم نے ایک دوسرے کو کھلایا اتنا سکون زندگی میں کبھی نہیں ملا تھا پھر ہم اٹھے اور ایک چھوٹی سی جھیل پہ پیپل کا درخت تھا اور وہاں پر ٹھنڈی ٹھنڈی مٹی پہ ہم بیٹھ گئے۔ سوہنی۔ ہوں۔ کیا سوچ رہی ہو؟ سانول ہم ہمیشہ ایسے ساتھ رہیں گے ناں۔ ہاں سوہنی کیوں نہیں۔ سانول آ سو جا اس نے مجھے گود میں سلاتے ہوئے کہا۔ میں اس کی ... اس کی گود میں سر رکھ کر سو گیا۔ سانول تو چاچا کے پاس رشتے کے لئے



بھیج ناں کہیں کسی اور کو ہاں نہ کہہ دے۔ اور کون آئے گا سوہنی۔ سانول تو نہیں جانتا خالہ کافی بار امی کو کہہ چکی ہے تنویر کے لئے۔ تو چاچی نے کیا کہا؟ امی نے کہا کہ جیسا ابو کریں گے ویسا ہو گا۔ چل ٹھیک ہے میں امی اور ابو کو بھیجوں گا اور ابھی تو اسلم بھائی کی شادی ہونی ہے۔ بدھو میں کب کہہ رہی ہوں کہ ابھی شادی کر لے میں تو چاہتی ہوں تیرے نام کی ہو جاؤں بس پھر چاہے موت آ جائے۔ یہ کیا کہہ رہی ہے سوہنی؟ میں نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ دیکھا تو اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔ سانول تو نہیں جانتا میرے من میں کیسے کیسے خیال آتے ہیں۔ آخر اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اس کے ہاتھوں کو تھام کر بولا۔ سوہنی تمہیں مجھ سے کوئی جدا نہیں کر سکتا تم میری ہو میری رہو گی۔ سچ سانول۔ ہاں اور ہم یہاں رونے نہیں آئے ہم یہاں پیار و محبت کی باتیں کرنے آئے ہیں۔ وہ کیا ہوتی ہیں؟ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ وہ میں سوچنے لگتا۔ کیا ہوا میرے بدھو عاشق۔ اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ دیکھ سوہنی میں کوئی شاعر تو نہیں ہوں کہ تیرے حسن کی تعریف کروں پر تم بہت اچھی ہو۔ میں نے جلدی میں کہا۔ کتنی اچھی ہوں یہ بھی تو بتاؤ۔ اس نے گردن کو ہلاتے کہا۔ اونہہ تم نہ ان پیڑ پودوں جھیل پرندے پھول خوشبو سکون چین دل بہار گلستان اور یہاں تک کہ میری وہ جو چھوٹی سی گائے تھی نہ جو ساتھ چراتے تھے، اس سے بھی اچھی ہو۔ میں نے آخر مذاق کرتے کہا۔ سانول کے بچے اب نہیں بچے گا تو۔ وہ میرے پیچھے بھاگنے لگی جو چیز ہاتھ میں آتی اٹھا کر مارتی۔ تو رک آج میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میں کیسی گائے ہوں اگر ٹکریں مار مار کر تمہیں بے ہوش نہ کر دیا۔ ہم سارا دن یوں لڑتے جھگڑتے اور پیار بھری باتیں کرتے رہے۔ وہ دن میری زندگی کا یادگار دن تھا میری سوہنی سارا دن میرے ساتھ رہی ہم نے درختوں کی ڈالوں کے جھولے بھی بنائے ہم بالکل بچے بن گئے تھے۔ شام کو لوٹ کر آ گئے۔

رات کو ابو بولے۔ سانول بیٹا اس بار اسلم چھٹی پہ آئے تو اس کی شادی کر دیں گے، فقیر محمد کئی بار کہہ چکا ہے کہ سعدیہ کو اپنی بہو بنا کر لے جاؤ۔ اچھا بابا بھائی آئے تو کر لیں گے ویسے کب آ رہا ہے اسلم بھائی؟ بس بیٹا دو چار دنوں میں آ جائے گا اور پھر اسلم بھائی چھٹی پہ آئے تو ہم نے اس کی شادی کے دن رکھ لئے۔ بس اسے ایک ماہ کی چھٹی تھی۔ تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ سوہنی بھی ساتھ ساتھ تھی۔ آج ان کی مہندی تھی سب خوشی سے جھوم رہے تھے گا رہے تھے سوہنی نے بھی لال رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ گیت بھی گا رہی تھی اوپر مسکرا بھی رہی تھی اسلم بھائی کو مہندی لگ گئی تھی رات دیر تک ہلہ گلہ ہوتا رہا۔ جب سب تھک کر سو گئے تو سوہنی میرے کمرے میں آئی۔ سانول سو گیا تو۔ نہیں سوہنی کیا بات ہے۔ سانول میں تمہیں مہندی لگانے آئی ہوں۔ پر کیوں سوہنی؟ میرا دل کہہ رہا ہے تو اپنا ہاتھ آگے کر۔ میں نے ہاتھ آگے کر دیا۔ سانول۔ ہوں۔ سانول ہماری شادی کب ہو گی؟ بس سوہنی اب بہت جلد ہو جائے گی۔ سانول اب جلدی کرنا پتہ نہیں مجھے کیسے کیسے خیال آتے ہیں۔ ارے پاگل تو نے پتہ نہیں کیا کیا سوچتی رہتی ہے۔ وہ مہندی لگا رہی تھی کہ میرے ہاتھ پہ اس کا آنسو گرا میں نے ہاتھ واپس کھینچ لیا سوہنی تو رو کیوں رہی ہے؟ سانول میرا دل کہتا ہے کچھ ہو گا ہم مل نہیں پائیں گے۔ میں نے اٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا نہیں سوہنی تم وہ سوہنی نہیں ہو کہ جسے دریا کی موجیں بہا کر لے جائیں۔ میں تمہیں سب سے چھین کر اپنا بنا لوں گا۔ سچ سانول! ہاں سوہنی۔ کافی دیر تک ہم باتیں کرتے رہے۔ پر وہ چلی گئی۔ صبح اسلم بھائی کی بارات جانی تھی۔ بارات کے ساتھ ہم جھوم رہے تھے گا رہے تھے۔ بارات کہیں دور نہیں جانی تھی اسی گاؤں میں تھی بس پھر ہم سعدیہ بھابی کو بیاہ کر لائے ہمارے ہاں شادی کوئی بڑی نہیں ہوتی اور نہ ہی ہوٹلوں میں پارٹی دی جاتی ہے۔ ہاں کھانا پینا خوب ہوتا ہے۔ اپنے جانور ہوتے ہیں گائے بکریاں بھینس وہ ذبح کرتے ہیں اور برادری اور دوست وغیرہ تین دن تک

دعوت میں شریک ہو ۔ میں۔ بہت مزہ آیا سوہنی کا تو گلہ بیٹھ چکا تھا گیت گا گا کے اور اب اس کی آواز بہت کم نکل رہی تھی۔ خیر شادی خیریت سے انجام پذیر ہوئی اسلم بھائی بھی چھٹی سے واپس چلے گئے تھے۔ بھابی سعدیہ بہت اچھی تھی۔ پڑھی لکھی تو نہ تھی پر سارے گھر والوں کا خیال رکھتی تھی۔

ایک رات امی اکیلی بیٹھی تھی ابو باہر تھے بھابی سارہ اور مریم کو ساتھ لے کر اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ اماں! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔ میں نے امی کے پاس جا کر کہا۔ ہاں بیٹا بول۔ اماں! مجھے سوہنی سے شادی کرنی ہے، وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ میں نے جلدی میں کہہ دیا مجھے بات کو بدل کر کہنا نہیں آتا تھا۔ اوہ اچھا تو اب تیرا بھی شادی کا ارادہ ہے۔ اماں شادی کی جلدی نہیں بس آپ لوگ چچا جان سے سوہنی کا ہاتھ میرے لئے مانگو۔ اچھا اچھا تیرا ابو آئے تو بات کرتی ہوں اس سے۔ اماں نے ہنستے ہوئے کہا۔ میں بھی خوش ہو گیا۔ دوسرے دن شام کو ابا اور اماں چچا کے گھر گئے اور سوہنی کا رشتہ مانگا۔ چچا نے ہاں کہہ دی جب یہ خبر مجھے ہوئی تو میں تو ہواؤں میں اڑنے لگا۔ دوسرے دن سوہنی کھیتوں میں گھاس کاٹ رہی تھی میں بھی وہاں پہنچا۔ سانول او سانول۔ اس نے مجھے آواز دی، میں رک گیا۔ سانول ہماری شادی کے لئے اماں ابا نے ہاں کہہ دی ہے۔ اس نے اچھلتے ہوئے کہا۔ تو کیا ہوا؟ تو خوش نہیں ہوا؟ اس میں خوشی کی کیا بات ہے؟ سانول یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے روہانسی ہوئی آواز میں کہا۔ ہاں نہ سوہنی تجھ میں ہے ہی کیا نہ تو تو خوبصورت ہے، نہ کوئی ایسی بات پھر بھلا میں تجھ سے شادی کیوں کروں؟ میں نے بمشکل ہنسی کو روکتے ہوئے کہا۔ اچھا سانول تو خوش رہے وہ مڑی اور اس کی آنکھوں سے آنسو گر پڑے۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ لیا۔ ارے جان میں تو مذاق کر رہا تھا بھلا مجھے خوشی نہیں ہو گی تو اور کسے ہو گی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی۔ اچھا اب معاف کر دے۔ ایسا مذاق تم نے کیا کیوں؟ نہیں میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی، میں دریا میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لوں گی پر اب تم سے شادی نہیں کروں گی۔ اس نے سسکتے ہوئے کہا۔ سوہنی کیا میرا اتنا بھی حق نہیں کہ میں تم سے مذاق کر سکوں۔ نہیں سانول! ویسے تم جان لے لو حاضر ہے پر تم سے جدا ہو کر جینا نہیں میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ ابھی تک رو رہی تھی، میں بھی رو دیا اور چلنے لگا۔ اس نے مجھے پکڑ لیا اب تو روتا ہوا کہاں جا رہا ہے؟ بس سوہنی میں نے تمہیں رلایا ہے اور تم نے معاف نہیں کیا۔ میں اس گاؤں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایسے کیسے جاؤ گے میرے بغیر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ کیا تم نے مجھے معاف کر دیا؟ ہاں پر ایک شرط پر۔ مجھے ہر شرط منظور ہے۔ اچھا تو آج تم نے سارا گھاس کاٹ کر دینا ہو گا اور میں بیٹھ کر صرف تمہیں دیکھتی رہوں گی۔ جو حکم میری جان اور میں جلدی جلدی گھاس کاٹنے لگا اور وہ دیکھتی رہی۔ سانول! ہاں؟ تم شادی کے بعد بھی ایسے میرا حکم مانتے رہو گے؟ ہاں کیوں نہیں جان۔ اچھا اب چھوڑو میں کاٹتی ہوں۔ نہیں میری شہزادی تم بیٹھو تمہارا غلام کام کر رہا ہے اور وہ ہنس دی۔

ایسے ہی کرتے کرتے ایک ماہ گزر گیا اور پھر ہماری شادی کے دن رکھے گئے۔ ٹھیک ایک ماہ بعد اسلم بھائی آنے والے تھے انہیں مشکل سے تین دن کی چھٹی ہوتی تھی اس لئے پھر ہم تھوڑی تھوڑی تیاری کرنے لگے۔ ایک رات سوئے ہوئے تھے کہ اعلان کیا گیا کہ آپ سب لوگ یہ گاؤں چھوڑ کر کیمپس میں چلیں سیلاب کا خطرہ ہے، بند کسی بھی وقت ٹوٹ سکتا ہے۔ اُف خدایا اب کیا ہو گا ہم کہاں جائیں گے۔ صبح کو ہم گاؤں والے بند پر چلے گئے۔ دریا میں پانی تھا یا قیامت ہم نے کبھی بھی ایسا پانی نہیں دیکھا تھا ہم واپس آئے سب ہی تیاری کرنے لگے وہاں سے جانے کی۔ ہم نے سارا سامان گاڑیوں میں ڈال لیا تھا پر چچا ساتھ نہیں چل رہے تھے۔ میں اور ابو چچا کے پاس گئے پر چچا نے کہا۔ نہیں تم لوگ جاؤ میں نہیں چلوں گا تم اپنی چچی اور



اپنی چچی کو ساتھ لے جاؤ پر میں یہیں رہوں گا۔ پر چچا ہم ہمیشہ کے لئے تو نہیں جا رہے جیسے سیلاب ختم ہو گا ہم واپس آ جائیں گے۔ نہیں بھائی پہلے تو سیلاب آئے گا نہیں اگر آ بھی گیا تو میں نکل آؤں گا تم سوہنی والوں کو لے جاؤ۔ اچھا چچا سوہنی ہے کہاں؟ وہ کمرے میں ہے۔ میں سوہنی کے پاس گیا وہ گم صم سی بیٹھی تھی۔ سوہنی چلو ہم چلتے ہیں۔ کہاں سانول؟ سوہنی سیلاب آ رہا ہے۔ کیا ابا بھی چلتا ہے؟ نہیں وہ بعد میں آئے گا۔ تو پھر میں کیسے چلوں میں بھی نہیں چلوں گی۔ سوہنی ضد مت کرو سیلاب کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔ تو کیا ہوا سانول سیلاب اس سوہنی کو بھی بہا کر لے جائے گا پر میں ابا کے بغیر نہیں چلوں گی۔ میں اپنے ابا کو اکیلا کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ سوہنی سمجھنے کی کوشش کرو۔ سانول تم جاؤ میں ابا کے بغیر نہیں آؤں گی۔ تو پھر میں بھی نہیں جاؤں گا۔ نہیں سانول تمہیں جانا ہو گا۔ نہیں تمہارے بغیر میں نہیں جاؤں گا۔ سانول تم نے کہا تھا تم میرا ہر حکم مانو گے۔ پر سوہنی میں تمہارا یہ حکم نہیں مانوں گا۔ میں نے بلکتے ہوئے کہا۔ سانول تجھے میری قسم تو جا۔ سوہنی اپنی قسم مت دیا کر تو خود سوچ میں تمہیں چھوڑ کر کیسے جاؤں۔ سانول میں ابا کو راضی کر کے جلدی تیرے پاس آ جاؤں گی۔ اس نے نم آنکھوں سے کہا۔ پر سوہنی۔ پر کچھ نہیں میں نے تمہیں اپنی قسم دی ہے اگر اب تو نہیں جائے گا تو میرا مرا منہ دیکھے گا۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔ اچھا سوہنی پر میں ابا اور اماں والوں کو کیمپ میں چھوڑ کر جلدی واپس آ جاؤں گا۔ میں جانے لگا تو اس نے روکا اور ہاتھ آگے بڑھایا۔ میں نے ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا سانول اپنا خیال رکھنا ہمیشہ کے لئے اس نے بھیگی آنکھوں سے کہا۔ تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو۔ کچھ نہیں بس تم جاؤ اس نے میرے ہاتھ کو چومتے ہوئے کہا اور ہم دونوں کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ ہم کیوں رو رہے تھے ہمیں پتہ نہیں تھا۔ کوئی ہم ہمیشہ کے لئے تو جدا نہیں ہو رہے تھے پھر ہمارے دل کیوں کہہ رہے تھے کہ اب کے بچھڑے تو پھر کبھی نہیں مل پائیں گے۔

نہ کر محبت کر پل پل تڑپائے گی یاد
نہ جی سکو گے تم اپنے محبوب کی جدائی کے بعد

میں باہر آیا چچا سے کہا کہ سوہنی بھی آپ کے بغیر نہیں چلتی۔ اچھا بیٹا اگر بند ٹوٹ بھی گیا تو اتنی جلدی پانی نہیں پہنچے گا ہم نکل کر آ جائیں گے۔ پھر ہم وہاں سے نکل کر باہر آئے سوہنی دروازے پہ کھڑی برستی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ پل مجھے کتنا تڑپا رہا تھا یہ صرف میں جانتا تھا پورے راستے مجھے سوہنی کی برستی آنکھیں میری آنکھوں میں چھائی تھیں۔ ہم کیمپ میں پہنچے تو وہاں پہلے سے کافی لوگ جمع تھے جن کا گھر وغیرہ بہہ گیا تھا جن پہ ایک قیامت گزر چکی تھی۔ ہر چہرہ افسردہ تھا کسی سے کوئی بچھڑ گیا تھا۔ کسی سے کوئی، کوئی بچہ اپنی ماں سے بچھڑ گیا تھا کوئی بہن اپنے بھائی سے تو کوئی نوجوان اپنی بیوی کھو چکا تھا، پتہ نہیں ایسا ظلم کیسے ہو گیا تھا، مجھے میری سوہنی کی فکر ہونے لگی میں واپس جانا چاہتا تھا۔ پر شام ہو گئی تھی ابا نے مجھے جانے نہیں دیا پوری رات میں سو نہیں سکا دعا کرتا کہ بند ٹوٹ گیا ہے اور سب لوگ کیمپ میں آ رہے ہیں میں نے شکر کیا کہ سوہنی بھی آ رہی ہو گی۔ کچھ دیر بعد ٹریکٹر ٹرالی آنے لگے ہر ٹریکٹر ٹرالی میں دیکھتا رہا پر نہیں پھر ایک ٹرالی میں مجھے چچا اور چچی نظر آ گئے۔ میں نے سکھ کا سانس لیا پر یہ کیا چچا اور چچی رو کیوں رہے تھے اور روتے ہوئے میرے گلے لگ گئے۔ چچا آپ رو کیوں رہے ہو اور سوہنی کہاں ہے۔ بیٹا سوہنی کا کچھ پتہ نہیں ہمیں رات کو ہی آرمی والوں نے اٹھایا کہ بند ٹوٹ گیا ہے چلو ہم جلدی میں اٹھے سوہنی بھی پھر ہم ٹرالی میں بیٹھے کہ سوہنی نے کہا ابا وہ بکری کا بچہ مر جائے گا میں اسے لے کر آتی ہوں میں نے کافی روکا پر وہ نہ رکی اور کہا میں پیچھے والی گاڑی میں آ جاؤں گی تم لوگ چلو۔ دس پندرہ منٹ ہو گئے سوہنی نہیں آئی گاڑی چل پڑی میں نے گاڑی والوں کو روکا پر انہوں نے کہا کہ اگر رک گئے تو پھر راستہ پانی سے بھر جائے گا کیونکہ پانی نیچے پہنچ چکا تھا میں نے سوچا کہ وہ پیچھے کسی نہ کسی گاڑی میں بیٹھی ہو گی پر یہاں آ کر پتہ چلا کہ وہ تو کسی گاڑی میں نہیں

ہے۔ چچا کہتا گیا اور میرا جیسے سب کچھ برباد ہوتا گیا میں بیا دل ہی بھاگا چچا اور ابا میرے پیچھے تھے پھر ایک گاڑی جا رہی تھی۔ ہم اس پہ بیٹھ گئے جہاں تک راستہ تھا ہم گئے پر یہ کیا یہاں تو چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ ہمارا گاؤں کہاں گیا صرف دور سے جو بڑے بڑے درخت اور جگہ تھی وہ تھوڑی تھوڑی نظر آ رہی تھی۔ میں پانی میں جانے لگا پر ابا اور چچا نے مجھے روک دیا کہ بیٹا اب کہاں جاؤ گے میں نے کہا کہ مجھے جانے دو مجھے اپنی سوہنی کو ڈھونڈنا ہے پر نہیں جانے دیا پھر ایک آرمی والوں کی بوٹ آئی میں نے انہیں بہت منتیں کیں اور ساری صورت حال بتائی تو وہ چلے ہم گاؤں تک پہنچے پر میں کہاں ڈھونڈتا اپنی سوہنی کو۔ چاروں طرف پانی ہی پانی تھا اور میری آنکھوں سے بھی تو پانی بہہ رہا تھا۔ ہم نے کافی ڈھونڈا پر وہ نہ ملی۔ سوہنی تم نے تو وعدہ کیا تھا کہ تم آؤ گی اور یہ دریا تمہیں بہا کے نہیں لے جا سکتا تو کہاں ہے تیرا وعدہ اور دریا ازل سے تو اس سوہنی کا بھی دشمن تھا اور میری سوہنی کو بھی بہا لے گیا پر میں بھی آ رہا ہوں مجھے بھی میری سوہنی کے پاس لے جا اور میں نے چھلانگ لگا دی پر ان آرمی والوں نے مجھے میری سوہنی کے پاس نہیں جانے دیا بچا لیا مجھے اور واپس لے آئے۔ یہاں آ کر چچا نے کہا سانول بیٹا ہم سوہنی کو تو کھو چکے ہیں پر تمہیں نہیں کھونا چاہتے اور ہمارا ہے ہی کون آئندہ ایسی غلطی مت کرنا۔ امی نے مجھے اپنے دودھ کا واسطہ دیا۔ ظفر صاحب اب میں اپنی سوہنی کے پاس بھی نہیں جا سکتا اور ایک ماہ ہو گیا ہے ہر پل ہر گھڑی دریا سے اپنی سوہنی کو مانگتا رہتا ہوں کاش وہ میری سوہنی مجھے لوٹا دے۔ اس اجڑے شخص سانول نے اپنی درد بھری کہانی سنائی۔

قارئین! وہ کئی بار کہانی سناتے سسک کر رو پڑا تھا۔ اب بھی اسے انتظار تھا کہ سوہنی واپس لوٹ آئے دعا کریں کہ اس کی سوہنی محفوظ ہو اور اسے دریا کی لہریں بہا کر نہ لے گئی ہوں اس نے کہیں پناہ لے لی ہو اور وہ اپنے سانول کو مل جائے۔

تو نے اس وہنی کو بھی بہایا اس کو بھی بہایا
بتا اے دریا تجھے کیا ملا تو نے کیا پایا
لے گئی معصوم بچوں کو لہریں تیری
ظلم کیا قہر کیا کئی لوگوں کو میٹھی نیند سلایا
بتا اے دریا تجھے کیا ملا تو نے کیا پایا

قارئین! کہانی لکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔ اپنی قیمتی آراء سے آگاہ کریں۔ شکریہ! اللہ تعالیٰ سب کے دلوں کو سکون دے۔ آمین!

□●□

## غزل

بدلتی رُت کا اشارہ دیکھتے ہیں
اب کیسے گزارا ہو گا یہ دیکھتے ہیں
محبت کی یہ رسم بھی کتنی عجیب ہے
جانے والے پلٹ کے دوبارہ دیکھتے ہیں
ڈوبنے والے ڈوبنے سے ذرا پہلے
اک امید پہ کنارہ دیکھتے ہیں
کیا محبت ہمیں بھی راس آئے گی
آؤ اپنا اپنا ستارہ دیکھتے ہیں

☆..... جنید اقبال۔ اٹک

## غزل

آپ سے پیار نہ کرتے تو اچھا تھا
معصوم دل کو نہ تڑپاتے تو اچھا تھا
تم ملے ہی شاید مجھ سے بچھڑنے کے لئے
محبت کر کے پچھتا رہے ہیں نہ کرتے تو اچھا تھا
تمہاری جدائی تو جلاتی ہے میری زندگی
آپ سے ملاقات ہی نہ ہوتی تو اچھا تھا
سپنے کب سچ ہوئے دیکھو ہماری نادانی کو
سپنوں پہ یقین نہ کرتے تو اچھا تھا
غم تو پہلے ہی کم نہ تھے ثالث کی زندگی میں
مگر محبت کا غم نہ دیکھتے تو اچھا تھا

☆..... رابعہ ثالث جمالی

# انمول

کیا ہوا اگر اس نے ساتھ اور چن لیا مگر مجھے بھی تو بتائے کہ میری اجڑی دنیا کا قصور کیا تھا، وہ وعدے وہ قسمیں وہ ہمیشہ اک دوجے کے دکھ درد بانٹنے کے فیصلے کیسے ادھورے چھوڑ دیئے۔ کوئی انجام نہیں میری اس آپ بیتی کا کیوں کہ مجھے کچھ پتہ ہی نہیں کیا ہونے والا ہے، کیسے ہو گا۔ اختتام زندگی کا میرا دل آج بھی اس شخص کے لئے بے قرار ہے تنہائی میں روتا ہے اسے پکارتا ہے کیونکہ میں نے زندگی میں اس کے علاوہ کچھ اور کبھی سوچا نہیں اس کی چھوٹی سی بات بھی میرے دل کو لگی اور بڑی سے بڑی غلطی بھی نظرانداز کر دی ---- ایک دکھ بھری کہانی

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

اس دل میں پیار تھا کتنا؟ وہ لیتا تو کیا بات ہوتی
ہم نے مانگا تھا خدا سے، وہ بھی مانگ لیتا تو کیا بات ہوتی
دل، ہاں دل سمندر سے بھی گہرا کسی کی یادوں کا بسیرا، وفا کا بدلہ وفا ملے یہ ممکن کہاں مگر کبھی بن مانگے جو ملے ایسا ہر کوئی خوش نصیب کہاں؟ میری بھی اپنی پسند کی شادی تھی کب کہاں کیسے پیار ہو گیا یہ کہاں پتہ چلتا ہے۔ محبت اب کرنی کسے خبر ہوتی ہے مگر جب کوئی ہے تو دوسرا کوئی نظر کہاں آتا ہے۔ ایسے ہی تو نہیں کہتے محبت اندھی ہے۔ انسان ان گم نام گلیوں کا مسافر بن جاتا ہے جس کی کوئی منزل نہ ٹھکانا بس اپنے راہی کا منتظر چلتا جاتا ہے۔ مگر کچھ وقت ایسا لگا کہ میں دنیا کی سب سے خوش نصیب ہوں جسے من چاہا ہمسفر ملا۔ وہ محبت پیار بھرے لمحے چھوٹی چھوٹی شرارتیں اور ان میں چھپا اپنا پن بہت دلکش حسین پہلو میں زندگی کے۔ شادی کے بعد گزرتے وقت نے نجانے کیوں راحت کے دل میں انمول کی محبت جو کبھی اس کی آنکھوں میں نظر آتی تھی کم کر دی۔ وقت کی تیز رفتار آندھی اور دنیا کی بھیڑ میں پتہ نہیں کب وہ محبت کھو گئی۔

تجھے یاد کرتے ہیں شب و روز
کبھی صبح سے پہلے کبھی شام کے بعد
دل کی دیواروں پہ تیرا نام لکھتے ہیں
کبھی فرصت میں کبھی کام کے بعد
میرے مرنے کے بعد بھی لوگ پکاریں گے تجھے
کبھی میرے نام سے پہلے کبھی میرے نام کے بعد

زندگی کے چند سال گزرنے کے بعد راحت کچھ ایسا الجھ گیا کہ اسے بھولے سے بھی خیال نہ آیا کہ اپنی زندگی جسے کبھی سمجھتا تھا کتنا پیچھے چھوڑ آیا۔ حالانکہ ایسا کچھ انمول کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا مگر وہ کبھی ایک پل بھی اس کی یاد سے غافل نہ رہی۔ لمحہ بہ لمحہ وہ ترسی گھٹ گھٹ کے دل میں جی لیتی مگر کبھی راحت کو ظاہر نہ کیا کہ یہ بے رخی وہ کیسے برداشت کرتی ہے۔ زندگی کے چودہ سال گزرنے کے بعد بھی وہ کبھی سمجھ نہ پایا کہ میری زندگی اس سے شروع اور اس پہ ختم ہے۔ میں لاکھ چھپاؤں مگر دل کبھی اسے بے وفا نہ مانا۔ آج بھی وہی درد ہے وہی محبت ہے اس ظالم کے لئے مگر اسے سمجھ نہیں مگر ایک روز



ایسا بھی آئے گا جب اسے قدر ہو گی میری گواہی دے گا ہر وہ پل جو اس کی یاد میں بیتا ہے، ہر وہ آنسو جو اسے یاد کرتے میری آنکھ نکلا ہے، رات کا ہر وہ پہلو تو اس کے انتظار میں تڑپ کے گزارا ہے۔
وقت کے ساتھ چلتے چلتے ہمسفر بھی ملتے ہیں مگر ضروری نہیں سب کے دل ایک جیسے ہوں۔ کیا ہوا اگر اس نے ساتھ اور چین لیا مگر مجھے بھی تو بتائے کہ میری اجڑی دنیا کا قصور کیا تھا، وہ وعدے وہ قسمیں وہ ہمیشہ اک دوجے کے دکھ درد بانٹنے کے فیصلے کیسے ادھورے چھوڑ دیے۔ کوئی انجام نہیں میری اس آپ بیتی کا کیوں کہ مجھے کچھ پتہ ہی نہیں کیا ہونے والا ہے، کیسے ہو گا۔ اختتام زندگی کا میرا دل آج بھی اس شخص کے لئے بے قرار ہے تنہائی میں روتا ہے اسے پکارتا ہے کیونکہ میں نے زندگی میں اس کے علاوہ کچھ اور کبھی سوچا نہیں اس کی چھوٹی سی بات بھی میرے دل کو لگی اور بڑی سے بڑی غلطی بھی نظر انداز کر دی۔ میں نے ہمیشہ پردہ ڈالا اس کی غلطی پہ مگر آج زندگی کے اس موڑ پہ ہوں جہاں اسے کھونے کا دکھ ہے، بچھڑنے کا درد ہے اور اسے پانے کی حسرت بھی مگر آج وہ میرا ہو نہیں سکتا میری آنکھوں میں آج بھی اس کی آس ہے، یہ چاہت ہے کہ شاید آج بھی سب چھوڑ کے وہ میرا ہو جائے۔

*❖*

## قطعات

اے موج ہوا تو ہی بتا
وہ دوست ہمارا کیسا ہے
جو بھول چکا ہے ہمیں کب سے
وہ جان سے پیارا کیسا ہے

---

ہم بھی گزرے ہیں اس مشکل مقام
دنیا پکارتی ہے جسے محبت کے نام
ہر موڑ پہ اک نیا زخم دیا محبت نے
نفرت سی ہو گئی ہے محبت کے نام سے

☆.....نیلم شہزادی- فتہ بھنڈ

## غزل

تم بھی کتنا کمال کرتے ہو
جینا میرا محال کرتے ہو
جو کسی سے حل نہ ہو پائیں
ایسے الجھے سوال کرتے ہو
جس کو دیتے ہو وصل کی خوشیاں
ہجر اُس کا تمال کرتے ہو
میرا کیسے بنے گا اب مستقبل
جیسے میرا یہ حال کرتے ہو
طعن کر کے وفاؤں پر میری
غم سے مجھ کو نڈھال کرتے ہو
چھین کر قہقہے میرے ساجد
کس لئے اب ملال کرتے ہو

☆.....ملک عاشق حسین ساجد- بیڈ بکائی

## غزل

تیری صورت نگاہوں میں پھرتی رہے
عشق تیرا ستائے تو میں کیا کروں
کوئی اتنا تو آ کر بتا دے ہمیں
جب تیری یاد آئے تو میں کیا کروں
میں نے خاک نشیمن کو بوسے دیے
اور کہہ کر یہ دل کو سمجھا لیا تو میں کیا کروں
میں نے مانگی تھی یہ سجدو میں دعا
میں جسے چاہتا ہوں وہ مجھ کو ملے
جو میرا فرض تھا میں نے پورا کیا
اب خدا ہی نہ چاہے تو میں کیا کروں
نہ لگے جام پہ ہاتھ یہ شرط ہے
جائے جو میکدے کو وہ کم ظرف ہے
مجھ کو تہمت نہ دو میں شرابی نہیں
وہ نظر سے پلائے تو میں کیا کروں
عشق، ایمان دونوں میں تفریق ہے
پر انہی دونوں پہ میرا ایمان ہے
جو خدا روٹھ جائے تو سجدے کروں
گر صنم روٹھ جائے تو میں کیا کروں

☆.....غلام عباس ساغر

# یہ کیسی محبت ہے

تحریر...... گلشن ناز۔ ٹھٹھہ قریشی

رات کی تنہائی میں آنسو بہاتا ہے اس کی یاد میں تڑپتا ہے، نجانے کس آس پہ وہ جی رہا ہے۔ اس نے یہ ثابت کر دیا کہ آج بھی سچے پیار کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ اس نے جو دس سال پہلے محبت کے چراغ دل میں جلائے تھے وہ آج بھی روشن ہیں۔ اس کی یادوں سے کوئی آندھی کوئی طوفان اس چراغ کو بجھا نہیں پائے...... ایک اداس دل کی کہانی

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

سرگودھا سے 92 کلومیٹر کے فاصلے پر گاؤں نین لانجھہ کا رہائشی ہے پرنس عبدالرحمٰن۔ اچھے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے، اپنی زمینیں ہیں، بہت ہی سعادتمند، نماز روزے کا پابند ہے۔ یہ تین بھائی اور ایک بہن ہے۔ پرنس سب سے بڑے ہیں۔ محبت قسمت والوں کو ملتی ہے مانا کہ محبت میں شرط نہیں ہوتی پر یہ بھی سچ ہے کہ محبت کو حاصل کرنے کے لئے آگ کے دریا سے گزرنا پڑتا ہے سات سمندر پار جانا پڑتا ہے۔ واہ رے زندگی کیا کھیل کھیلتی ہے انسانوں کے ساتھ کبھی خوشیاں دیتی ہے تو کبھی بے انتہا غموں سے نوازتی ہے۔ نہ سکون سے انسان کو جینے دیتی ہے نہ سکون سے مرنے دیتی ہے۔ یہ 2002ء کی بات ہے کہ ستمبر کی شام گاؤں میں شادی تھی پرنس کے چچازاد بھائی کی۔ اس دن کھانے پینے کی ذمہ داری پرنس پر تھی، وہ شام بہت حسین تھی۔ ساتھ ہی ایک حسین چہرہ دکھائی دیا پرنس اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا یہ خوبصورت منظر دیکھ رہا تھا۔ فرحان سنو یار یہ لڑکی کون ہے؟ کون؟ وہ جو لڑکیوں کے درمیان میں کھڑی باتیں کر رہی ہے۔ اچھا یہ، ارے تم اس کو نہیں جانتے، اپنے ساتھ والے گاؤں کے چچا اسلم ہے ناں یہ ان کی بیٹی ہے۔ یار میں نے پہلے تو کبھی اس کو نہیں دیکھا۔ پرنس میرے بھائی تم کبھی اپنی دنیا سے باہر نکلو تو تمہیں کچھ اور دکھائی دے۔ اس کے آس پاس اور بھی کافی لڑکیاں تھیں پر پرنس کی نظر اس پر ہی ٹکی تھی۔ وہ کہتے ہیں ناں کہ محبت اندھی ہوتی ہے، جب انسان کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کو اور کچھ نہیں دکھائی دیتا فرحان تم نے اس کا نام تو نہیں بتایا۔ تم نے کیا پوچھا؟ اس کا نام رانیہ ہے، سب اس کو رانی کہتے ہیں۔ وہ ہے جو رانی۔ رانیہ وہ دیکھو سامنے لڑکا تم کو گھور رہا ہے۔ اس بار رانیہ کی نظر پرنس پر پڑی تو وہ غصے سے دیکھنے لگی۔ رانیہ نے ایک بچی کو بلایا۔ سنو وہ سامنے جو لڑکا بیٹھا ہے اس سے جا کر پانی کا گلاس لے آؤ۔ وہ بچی پرنس کے پاس آئی بھیا وہ رانیہ آپی پانی کا گلاس مانگ رہی ہے۔ اس سے کہو کہ وہ خود آ کر لے جائیں۔ بچی واپس آئی وہ کہتے ہیں آپ خود آ کر لے جائیں۔ دوبارہ بچی کو بھیجا کہ دینا ہے تو دیں ورنہ ہمیں نہیں چاہئے۔ تو پرنس نے بغیر برف کے پانی دے دیا۔ وہ لڑکی غصے سے گھورنے لگی۔ نہیں کرم پانی کس لئے دیا جاؤ اس سے کہو کہ یہ پانی وہ خود پی لے مجھے نہیں چاہئے۔ وہ غصے سے منہ چڑھاتی ہوئی چلی گئی اور جاتے ہی اپنی یادیں چھوڑ گئی۔ پرنس اس دلکش چہرے کا دیوانہ ہو گیا، وہ اس کے خیالوں میں کھو گیا، اس کو ہر چیز میں رانیہ کی جھلک نظر آنے لگی۔ راتوں کی نیند اڑ گئی، یہ مجھے کیا ہو گیا، کیوں رانیہ میرے دل و دماغ پر چھانے لگی

ہے کیوں اس کا خیال بار بار مجھے آ رہا ہے۔ کیوں وہ میرے من کو بھا گئی اور محبت تو بے قابو ہوتی ہے۔ کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

پرنس کو رانیہ سے عشق ہو گیا وہ دن رات اس عشق کی آگ میں جلنے لگا۔ اس کا من چین بے چین تھا، اس کی نظروں کو رانیہ کو دیکھنے کی حسرت تھی، وہ رانیہ سے ملنے کے لئے بے قرار تھا، بے چین تھا۔ ایک دن وہ اداس بیٹھا اپنے کمرے میں رانیہ کو یاد کر رہا تھا کہ کچھ آواز سنائی دی۔ اس کو آواز جانی پہچانی سی لگنے لگی۔ وہ باہر آیا تو رانیہ کو سامنے پا کر حیران ہو گیا اس کو یقین نہیں ہو رہا تھا کہ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا تھا۔ ارے بھابی آپ آج کیسے راستہ بھول گئیں۔ بس آپ تو آنے سے رہے میں نے سوچا کہ میں خود ہی ہو آؤں۔ ویسے ساتھ ہی رانی کی سہیلی کے گھر آئے تھے اس کی آج منگنی تھی تو سوچا کہ آپ سے بھی مل لیں گے۔ یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا۔ پرنس بیٹے۔ جی ماں۔ آنٹی وہ میں آپ کا گھر دیکھ لوں۔ ہاں ہاں بیٹی کیوں نہیں۔ اس وقت پرنس اور اس کی ماں ہی گھر تھے باقی سب بہن بھائی خالہ کے گھر تھے تو سارا کام پرنس کو ہی کرنا پڑا۔ پرنس کچن میں گھسا ہوا تھا تو رانیہ سامنے سے گزر رہی تھی کہ پرنس نے آواز دی جی آپ کیسی ہیں۔ جی میں ٹھیک ہوں لگتا ہے آپ کھانا پکانے میں خوب دلچسپی لیتے ہیں۔ نہیں وہ تو میں آپ کے لئے کچن میں آیا ہوں۔ مجھے تو چائے بنانی بھی نہیں آتی۔ اچھا آج بڑی خاطر تواضع میں لگے ہیں، اس دن جب پانی مانگا تو آپ نے مجھے گرم پانی دے دیا۔ آپ ہمیں شرمندہ کر رہی ہیں، اچھا آپ کیا کرتی ہیں۔ بس جی گھر میں ماں کا ہاتھ بٹاتی ہوں۔ پڑھائی وغیرہ نہیں؟ میں نے میٹرک کیا ہے، آگے پڑھنے کا شوق تھا پر ابو نے پڑھنے سے منع کر دیا کہ لڑکیوں کو اتنی تعلیم نہیں دلوانی چاہئے۔ رانی بیٹا دیر ہو رہی ہے۔ جی آئی ماں۔ وہ کچھ دیر وہاں بیٹھے اچھا اب ہمیں چلنا چاہئے بہت دیر ہو گئی ہے۔ اچھا بھابی اب ہمیں اجازت دیں رانی کا ابو ہماری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔ اور کبھی آپ بھی ہمارے ہاں چکر لگائیں ناں۔ کیوں نہیں ضرور آئیں گے۔ رانیہ جب گھر سے جانے لگی تو پرنس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس کا معصوم سا دل ہچکولے کھانے لگا۔ وہ دھیرے دھیرے رانیہ کے پیچھے قدم رکھتا ہوا باہر گلی تک آ گیا۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی اس کا مجبور اور بے بس دل جو بہت کچھ کہنے کا خواہش مند تھا بہت سے ایسے سوال جن کے جواب کا منتظر تھا اچانک ماں کی آواز نے پرنس کو چونکا دیا اور وہ خیالوں کی دنیا سے لوٹ آیا۔ بیٹا اکیلے کھڑے کیا کر رہے ہو۔ وہ کچھ نہیں ماں بس ایسے ہی کھڑا تھا۔ جس کو ایک نظر دیکھتے ہی وہ اپنے دل کی رانی بنا بیٹھا تھا وہ اچانک اس کے گھر آئی جو شاید کبھی اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ ہوا کے جھونکے کی طرح آئی اور اپنی معصوم اور دلکش اداؤں سے اس کا دل چرا کر لے گئی اور چاہت سے لبریز میٹھی سی یادیں چھوڑ گئی۔ پرنس واپس گھر لوٹا تو اس کو ہر چیز میں خوشی کا عکس دکھائی دینے لگا جیسے پورے گھر پہ دھنک کے رنگ چھائے ہوں۔ وہ رانیہ کی مہک کو محسوس کرنے لگا، وہ دبی سی سہمی سی محبت جو اس جو اس کے دل کے تاروں کو خاموشی سے چھیڑ رہی تھی۔ اب وہ سنگیت بن کر اس کے لبوں پہ رقص کرنے لگی اور وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔ اس کی گھر کے ہر کونے میں رانیہ دکھائی دینے لگی۔

پرنس رانیہ کا دیوانہ ہو گیا اب ہر وقت اس کو صرف رانیہ کا خیال تھا۔ پرنس لان میں بیٹھا گھٹنوں پہ ٹھوڑی ٹکائے نجانے کن سوچوں میں گم تھا کہ جیسے سب سے بے خبر کانوں میں روئی ٹھونس کے بیٹھا ہو کہ سعدیہ نے آ کر اس کو جھنجھوڑا خیر تو ہے۔ بھیا کن خیالوں میں کھوئے ہیں؟ ارے تم لوگ کب آئے؟ لو بھلا آپ کو کوئی آس پاس کی خبر ہو تو معلوم ہو، کافی دیر ہوئی ہے ہمیں آئے ہوئے، آپ نجانے کہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ میں تو یہیں ہوں اور اماں کا خیال رکھا تھا ناں ہاں پوچھ لو اماں سے کہ ان کو کوئی شکایت ہے۔ ارے نہیں بھائی میں تو مذاق کر رہی تھی۔ اچھا چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ کہ وہاں سب لوگ کیسے تھے سب ٹھیک تھے اور آپ کا پوچھ رہے



تھے۔ بھائی آپ کے لئے ایک خوشخبری ہے۔ وہ کیا؟ آپ کے لئے ایک رشتہ آیا ہے، ہم نے تو لڑکی بھی دیکھ لی بہت پیاری اور سلجھی ہوئی ہے، گھرداری تو خوب کرے گی اور خالہ کہہ رہی تھی کہ لڑکی اچھی ہے۔ ایسا رشتہ بار بار نہیں ملے گا۔ ارے تم لوگ خالہ سے ملنے گئے تھے یا پھر میرا رشتہ دیکھنے۔ مجھے نہیں کرنی شادی وادی۔ ارے یہ بہن بھائی میں کیا تکرار ہو رہی ہے۔ دیکھو ناں ماں میں نے بھائی سے کہا کہ آپ لڑکی کو ایک بار دیکھ لیں۔ ہاں بیٹا اس میں حرج ہی کیا ہے اگر تم کو لڑکی پسند آ گئی تو ٹھیک ہے ورنہ زبردستی تھوڑی کریں گے۔ پر ماں مجھے ابھی شادی نہیں کرنی۔ خیر تو بھائی بھیا جی کہیں کوئی چکر وکر تو نہیں ہے، مجھے تو دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔ سعدیہ کی بچی آج تو ضرور مار کھائے گی۔ ابا کے آنے پر سب خاموش ہو گئے۔ اب پرنس کھویا کھویا سا رہنے لگا۔ نہ دن کا پتہ نہ رات کا، نہ بھوک نہ پیاس کا احساس بس وہ تھا یا اس کے دل کی ملکہ دل کی رانی۔ ماں نے پرنس کو آواز دی۔ پرنس بیٹا جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ پرنس میں تم سے کہہ رہی ہوں کہاں کھوئے ہو؟ کہیں نہیں ماں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کیا بات ہے آج کل تم اداس رہنے لگے ہو۔ نہیں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے میں ٹھیک ہوں ویسے ماں آپ کو جانا کہاں ہے؟ وہ بیٹا ساتھ والے گاؤں میں جانا تھا کچھ کام پھر وہ رانیہ بیٹی ہے ناں ان کی ماں نے اصرار کیا تھا کہ میں ضرور ان کے ہاں جاؤں تو میں نے سوچا کہ جانا تو ویسے بھی ہے تو کیوں ناں واپسی پہ ان کے گھر کا چکر بھی لگا لوں۔ تم آرام کرو میں چلی جاؤں گی۔ ماں آپ بس دس منٹ ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔ پرنس کے اندر تو جیسے خوشی کے لڈو پھوٹنے لگے، جیسے روتے ہوئے بچے کے سامنے اس کا من پسند کھلونا رکھ دیا جائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے یا بالکل اسی طرح پرنس بہت خوش تھا۔ راستے میں اس کو رانیہ کے خیال کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔ آخرکار پرنس کا انتظار ختم ہوا وہ رانیہ کی دہلیز پہ کھڑا سوچ رہا تھا کہ آج میں اس سے ضرور اپنے دل کی بات کہوں گا۔ اب مجھ سے اور نہیں سہا جاتا میں آج اس کو بتا کر ہی دم لوں گا اور اگر اس نے برا مان لیا یا پھر انکار کر دیا تو؟ ایسے کئی سوال اس کے ذہن میں گھومنے لگے۔

پرنس بیٹے اندر چلو رانیہ کی امی نے ان کو مخاطب کیا۔ شکر ہے آج آپ کو ہمارے گھر کا راستہ بھی آ گیا، آئیں بیٹھیں۔ رانیہ کی اور پرنس کی ماں نے تو خوب گپیں ماریں، پرنس کی بے تابی بڑھتی چلی گئی اس کی بے چین نظروں کو صرف رانیہ کا انتظار تھا۔ ارے پرنس بیٹے آپ تو پریشان لگ رہے ہو، خیر تو ہے؟ نہیں آنٹی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ایسا کرو اندر چلے جاؤ۔ رانیہ بیٹھی ہو گی وہ تم کو گھر دکھا دے گی۔ پرنس کی تو جیسے جان میں جان آ گئی وہ اٹھا اور سیدھا کمرے میں چلا گیا۔ رانیہ کمرے میں نہیں تھی، ٹیبل پہ رکھی البم دیکھ کر وہ ٹیبل کے قریب آیا اور البم کو ہاتھ میں لیا اور ساتھ میں پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ جب البم کو کھولا تو رانیہ کی خوبصورت سی تصویریں تھیں وہ دیکھتا ہی جا رہا تھا اس کا دل چاہا کہ میں ان سب کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور چپکے سے ایک تصویر نکال کر اپنی جیب میں رکھ لی جو دوسروں کو چوری کرنے کی تاکید کیا کرتا تھا وہ آج ایک کاغذ کا ٹکڑا چرانے پر مجبور تھا جانے کیوں شاید دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ اس نے سب کمروں میں دیکھ لیا پھر کچن میں آیا تو بھی رانیہ سامنے سیڑھیوں میں نظر آئی تو وہ دھیرے دھیرے قدم رکھتا ہوا چھت پر آ گیا سامنے ہلکے گلابی کلر کے سوٹ اور لمبے کھلے بالوں میں اس کی خوبصورتی نمایاں نظر آ رہی تھی وہ تار پر کپڑے ڈال رہی تھی۔ پرنس تو پہلے ہی اس کا دیوانہ تھا آج اس روپ میں دیکھا تو ہوش ہی ٹھکانے نہ رہے۔ وہ بت بنا کھڑا اس کو دیکھتا رہا رانیہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک دم گھبرا سی گئی۔ ارے آپ...... آپ یہاں کب آئے؟ میں...... میں تو کافی دیر سے کھڑا ہوں آپ کو ہی دکھائی نہیں دیا۔ کیا مطلب؟ میرا مطلب ہے ابھی آیا ہوں۔ آئیں بیٹھیں۔ ساتھ میں پڑی چارپائی پہ بیٹھ گیا۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے نیچے سے پرنس کی ماں نے آواز دی تو

وہ چونک اٹھا ارے باتوں میں تو میں آنٹی سے ملنا ہی بھول گئی۔ چلو نیچے چلتے ہیں دونوں نیچے آ گئے خوب خاطر تواضع ہوئی ابھی بیٹھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ رانیہ کا والد آ گیا۔ رانیہ اور پرنس کھڑے باتیں کر رہے تھے تو وہ غصے سے گھورنے لگے۔ وہ سخت طبیعت کے انسان تھے۔ رانیہ تھوڑی گھبرا سی گئی، سلام دعا ہوئی۔ رانیہ میرے لئے چائے کا کپ لاؤ۔ جی ابو جان ابھی لائی۔ پرنس بیٹے چلو بہت دیر ہو چکی ہے۔ جی ماں چلیں۔ جانے کو تو دل نہیں کر رہا تھا پر جانا تو تھا ہی وہ ان سے ملے اور جانے کی اجازت لی۔ پرنس التجائی نگاہوں سے دیکھنے پہ مجبور تھا گھر جا کر پھر سے اس کی یاد ستانے لگی۔ پھر سے خاموش رہنے لگا پھر سے اس کی جدائی تڑپانے لگی۔ ایک دن اس ہمت کی اور رانیہ کے نام لیٹر لکھا۔

ڈیئر رانیہ کیسی ہو؟ میری باتیں شاید تمہیں عجیب لگیں، میں نے دل کو سمجھانے کی بہت کوشش کی پر ناکامی کے سوا کچھ نہ ملا۔ رانیہ تم ہی میرا آئیڈیل ہو، تم ہی میرے دل کی رانی ہو۔ جب تم کو پہلی نظر دیکھا تو دیوانہ سا ہو گیا۔ تمہارا چہرہ دن رات آنکھوں کے سامنے نظر آتا ہے۔ تمہارے سوا سب کچھ ادھورا سا لگتا ہے۔ معلوم نہیں کیوں تمہاری جدائی اتنا درد دیتی ہے کیوں میرا سکون چھین لیا۔ میری آنکھوں کی نیند اڑ گئی۔ ہر وقت بے چینی سی رہتی ہے میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور ساری عمر کروں گا۔ میں اپنی باقی کی زندگی تمہارے ساتھ بتانا چاہتا ہوں۔ پلیز رانیہ میں نہیں جانتا کہ تم کیا چاہتی ہو، کیا سوچتی ہو، تمہارا آئیڈل میں کچھ نہیں جانتا۔ پلیز رانیہ صرف ایک بار جواب دے دو میں اس انتظار کی آگ میں دن رات جل رہا ہوں، تڑپ رہا ہوں۔ آئی لو یو رانیہ! صرف ایک بار ہاں یا نہ میں جواب دے دو۔

تمہاری چاہتوں کا طلبگار پرنس

اسی طرح دو تین لیٹر اس نے لکھے پر رانیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخرکار اس نے ہمت نہ ہاری اور پھر سے ایک لیٹر لکھا۔

رانیہ مجھے میرے سوالوں کا جواب مل گیا پتہ نہیں وہ کون خوش نصیب ہوگا جس کو تم چاہتی ہو۔ محبت کسی کی محتاج نہیں ہوتی۔ نہ ہی کسی کے کہنے پہ ہوتی ہے۔ ہم کسی کو مجبور نہیں کر سکتے۔ میں تم کو چاہتا ہوں یہ میری مجبوری ہے تم کسی اور کو چاہتی ہو، یہ تمہاری مجبوری ہے۔ یہ کیسی مجبوریاں کبھی انسان کو مرنے پر مجبور کر دیتی ہیں تو کبھی کسی جدائی میں تڑپتے رہنے کو زندہ رہنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ میں کسی کو دوش دوں خود کو یا پھر اس نادان دل کو جو بنا سوچے تم سے پیار کر بیٹھا۔ رانیہ یہ میرا آخری لیٹر ہے، میرے لئے تمہاری یادیں ہی کافی ہیں تم خوش رہو میری خوشی اسی میں ہے۔

بدنصیب پرنس

اسی طرح کچھ دن اور گزر گئے پر کوئی جواب نہ آیا۔ پرنس کی حالت مجنوں جیسی لگنے لگی۔ نہ کھانے پینے کا ہوش، نہ دن کا پتہ نہ رات کا پتہ، نہ بھوک پیاس کا احساس بس وہ تھا کمرہ تھا، تنہائی تھی، رانیہ کی یادیں تھیں۔ ایک دن وہ اپنے کمرے میں پڑا رانیہ کی یادوں میں گم صم سا بیٹھا تھا۔ بانی نیچے آئیں کچھ مہمان آئے ہیں پر وہ تو اس کی یادوں میں مدہوش تھا کسی کی آواز اس کے کانوں میں ٹکرائی تو بھی اس کو سنائی نہ دیتی۔ پر اس کو کیا معلوم تھا کہ جس کی جدائی میں وہ تڑپ رہا ہے جس میں وہ اپنی خوشیاں تلاش کر رہا تھا جو اس کے سپنوں کی رانی تھی جس کا وہ دیوانہ تھا اس کی چاہت اس کی محبت اس کے جینے کی آس، اس کی زندگی اس سے ملنے آئی ہے۔ کیا میں اندر آ سکتی ہوں پرنس نے بس دیکھا ہی تھا کہ پھر سے نظریں اٹھا کر دیکھا تو حیران سا ہو گیا۔ اس کو اپنی بے چین آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا میرا وہم ہے [illegible] یہاں بیٹھ سکتی ہوں ہاں ہاں بیٹھو وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور کمرے میں بکھری ہوئی چیزوں کو سمیٹنے لگا پرنس رہنے دو یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ تم نے یہ سگریٹ کے اتنے سارے ٹکڑے کیا تم سگریٹ بھی پیتے ہو اور یہ کمرے کا کیا حال بنا رکھا ہے، کمرہ کم اور کباڑ خانہ زیادہ لگ رہا ہے اور تمہاری آنکھوں سے لگ رہا ہے کہ تم صدیوں سے جاگ رہے ہو، [illegible] تم سے کوسوں دور ہے یہ سب کیا ہے رانیہ [illegible] تو محبت ہے اگر تم کو ہوتی تو یہ سب نہ پوچھتی محبت میں تو ایسی طاقت ہوتی ہے جو بڑوں بڑوں کے سر جھکا دیتی میں تو اک ادنیٰ سا انسان ہوں۔ رانیہ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں میں نے اس دل کو بہت سمجھایا تم سے دور رہنے کی کوشش کی یہ دل ہے کہ پھر بھی تمہاری طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی کہ میں کیا کروں۔ پرنس کیا مجھ سے شادی کرو گے۔ پر رانیہ کیا تم یہ سب اپنی مرضی سے کہہ رہی ہو۔ ہاں اور دل سے کہہ رہی ہوں۔ پر تم نے تو میرے ایک بھی لیٹر کا جواب نہیں دیا۔ پرنس میں نے جان کر نہیں دیا، میرے ابو کو تم نہیں جانتے وہ ایسے معاملے میں بہت اصول پسند ہیں اور سخت مزاج کے ہیں میں ڈرتی تھی کہ کہیں ان کو خبر ہو گئی تو نجانے وہ کیا کر بیٹھیں۔ بس اسی ڈر کی وجہ سے خاموش رہی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا رانیہ میں آج ہی اپنے گھر والوں سے تمہاری بات کرتا ہوں۔ ہاں پرنس پھر گھر والوں کو میرے گھر بھیج دینا اور یہ رہا میرا فون نمبر اور ہاں جب تک میری کال نہ آئے آپ نے ہرگز نہیں کرنا۔ تم جیسا کہو گی رانیہ میں ویسا ہی کروں گا۔ رانیہ آئی لو یو میری جان۔ پرنس میں بھی تم سے بہت پیار کرتی ہوں اور اپنا سارا جیون تمہارے ساتھ بتانا چاہتی ہوں اور تم مجھ سے ایک وعدہ کرو کہ تم زندگی میں کبھی سگریٹ کو ہاتھ تک نہیں لگاؤ گے۔ وعدہ کرتا ہوں اور اس پر عمل بھی کروں گا، تمہارے لئے تو میں ساری دنیا چھوڑ سکتا ہوں۔ ٹھیک ہے پرنس میں چلتی ہوں اپنا خیال رکھنا اور اداسی کو کبھی اپنے چہرے پہ مت لانا اور میں تمہارے ساتھ ہوں ہمیشہ۔ رانیہ تم نہیں جانتی کہ تم ساری دنیا کی خوشیاں آج میری جھولی میں ڈال کر جا رہی ہو۔ میں تمہارے لوٹنے کا انتظار کروں گا۔ رانیہ جاتے جاتے رک سی گئی۔ کیا ہوا رانیہ؟ پرنس کبھی میری عزت پر آنچ نہ آنے دینا کہ مجھے اپنے والدین اور سماج کے سامنے اپنا سر جھکانا پڑے۔ پرنس [illegible] تم تو میری جان میری زندگی میں مٹ [illegible] کسی کے سامنے جھکنے نہیں دوں گا چاہے مجھے [illegible] کیوں نہ پڑے، یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔

رانیہ اب تمہارے بنا کیسے رہوں گا میرا دل نہیں لگتا، میں کیا کروں؟ پرنس پہلے تم اکیلے تھے اب میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ اب آگ دونوں طرف برابر لگی تھی وہ مل کر چلی گئی۔ پرنس نے اپنے روم کی کھڑکیوں سے پردے ہٹائے اور باہر کا موسم دیکھا تو دل باغ باغ ہو گیا۔ ہر چیز سے خوشی جھلکنے لگی ایسا لگ رہا تھا کہ دکھ نام کی کسی چیز سے واقف ہی نہیں ہے۔

پرنس نے گھر والوں سے بات کی سب لوگ راضی ہو گئے۔ پرنس کی ماں نے رانیہ کی ماں سے بات کی تو اس نے کہا کہ میں بہت جلد آپ کو جواب دوں گی۔ ویسے مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے لڑکا ماشاء اللہ فرمانبردار ہے، ہونہار ہے اور آپ برادری کے ہیں۔ میں تو راضی ہوں میں رانیہ کے ابو سے بات کر لوں تو آپ کو بتاؤں گی۔ میں آپ کے جواب کا بڑی شدت سے انتظار کروں گی۔ پر ہاں میں جواب دینا ہم احسان سمجھیں گے۔ بڑی امید لے کر آئی ہوں آپ کے پاس۔ بھابی آپ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ واپس گھر آئیں پرنس جو بڑی بے چینی سے ماں کے لوٹنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ارے ماں اتنی دیر لگا دی کیا کہا انہوں نے، کیا جواب دیا۔ وہ لوگ مان تو جائیں گے ناں۔ بیٹا اتنے بے صبرے کیوں ہو رہے ہو ذرا سانس تو لینے دو۔ ماں بتاؤ ناں۔ بیٹا جہاں تک اس کی ماں کی بات ہے تو وہ اس رشتے سے خوش ہے وہ راضی ہیں لیکن کیا ماں وہ کہتی ہیں کہ میں رانیہ کے باپ سے بات کروں گی میرے خیال سے وہ بھی مان جائیں گے اور ویسے بھی بیٹا رشتے کوئی بچوں کا کھیل تھوڑی ہوتے ہیں ہمیں کئی بار ان کے گھر جانا ہوگا پھر وہ لوگ آئیں گے۔ جب اچھی طرح سے ایک دوسرے کو جان لیں گے تو تب ہی کوئی بات بنے گی اور تم فکر مت کرو سب تمہاری مرضی کے مطابق ہوگا۔ آپ سچ کہہ رہی ہیں ناں۔ ہاں بیٹا تم اس کی ذات پہ بھروسہ رکھو سب ٹھیک ہوگا۔ یوں ہی طرح دو ماہ اور گزر گئے وہ لوگ ایک دوسرے کے ہاں آتے جاتے رہے اور پرنس اور رانیہ کا بھی فون پر رابطہ

جاری رہا۔ رانی پتہ نہیں تم کب آؤ گی مجھے تمہاری بہت یاد آتی ہے۔ پرنس دعا کیا کرو کہ میں بہت جلد تمہاری دلہن بن کر تمہاری زندگی میں تمہارے گھر میں آ جاؤں۔ اب مجھ سے بھی یہ انتظار نہیں ہوتا۔ رانیہ اگر تم مجھے نہیں ملی تو میں کسی سے شادی نہیں کروں گا۔ میری زندگی میں صرف تم ہو تم ہی میری زندگی ہو میرے جینے کی آس ہو تم تمہارے بنا میں ادھورا ہوں میرا کوئی وجود نہیں تمہارے سوا۔ پرنس میں جانتی ہوں کہ میں تمہارے لئے کیا معنی رکھتی ہوں۔ بس اس کی ذات پہ بھروسہ رکھو سب ٹھیک ہی ہو گا۔

ادھر رانی کی ماں نے گھر میں بات کی تو اس کے والد نے کہا کہ لڑکا تو اچھا ہے، شریف خاندان سے ہے اور برادری کے بھی ہیں، میرے خیال سے ٹھیک ہے۔ دونوں خاندانوں میں پھر سے بات چیت شروع ہوئی۔ پرنس کے گھر والے دوبارہ ان کے گھر گئے رانیہ کے باپ نے کہا کہ ٹھیک ہے ہمیں رشتہ منظور ہے پر ہماری کچھ شرائط ہوں گی جو آپ کو ہر حال میں ماننی پڑیں گی اور پرنس کے والد نے کہا۔ بھائی صاحب آپ ایسی شرائط مت رکھئے گا جو ہماری پہنچ سے دور ہوں۔ آپ گھبرائیں نہیں یہ تو ہر والدین کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کے سکھ کے لئے سوچیں۔ اب آپ تسلی سے جائیں یہ لوگ خوش ہو کر گھر آئے۔ مٹھائیاں بانٹیں سب کے لبوں پہ خوشی کے گیت تھے۔ پرنس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ایک دوسرے گھر آنا جانا بھی خوب لگا رہا اسی خوشی میں ایک سال کا عرصہ بیت گیا اب پرنس کے گھر والوں نے زور دیا کہ اب ہمیں شادی کر دیں۔ ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی پہلے آپ ہماری بیٹی کے لئے مکان تو بنوا لیں۔ پر ہمارا تو مکان بنا ہوا ہے۔ اگر چار بیٹے بھی اس مکان میں رہیں تو بھی یہ جگہ کم نہیں پڑے گی۔ بھائی صاحب آپ سوچ لیں بھئی ہمیں اپنی بیٹی کا تحفظ چاہئے آپ شہر میں کوٹھی بنوا کر ہماری بیٹی کے نام کر دیں ہماری بیٹی اکیلی رہے گی اور دس تولہ سونا۔ یہ شرائط پوری کر سکیں تو ٹھیک ہے ورنہ آپ لوگوں کی مرضی۔ بھائی صاحب یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں رشتے پیار اور محبت سے بنتے ہیں، رشتوں کو دولت کے ترازو میں نہیں آ تولا جاتا۔ آپ بھی ہماری باتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں ہر والدین اپنی اولاد کا تحفظ چاہتے ہیں، ہم بھی اپنی بیٹی کا سکھ مانگ رہے ہیں۔ اگر یہی سکھ اور خوشیاں اس بیٹی کو ہمارے ساتھ ایک ہی گھر میں مل جائیں تو...... ارے چھوڑیں بھائی صاحب یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ دیکھیں بھائی صاحب ہماری اتنی اوقات نہیں ہے کہ ہم شہر میں کوٹھی بنوائیں ہمارے اور بھی بچے ہیں ہمیں ان کو بھی ان کا حق دینا ہے۔ ہم ایک بیٹے کی خوشیاں خریدنے کے لئے دوسرے بچوں کی خوشیاں نہیں چھین سکتے۔ ان کے ساتھ ناانصافی نہیں کر سکتے۔ آپ مہربانی فرمائیں ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں ہم آپ کی بیٹی کو بہت خوش رکھیں گے۔ یہ بہو نہیں بیٹی بن کر اس گھر میں رہے گی۔ ارے بھائی صاحب یہ سب کہنے کی باتیں ہوتی ہیں اب آپ گھر تشریف لے جائیں ہمیں آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ اب دونوں طرف پریشانی تھی اتنی ساری خوشیاں جو سمیٹی نہیں جا رہی تھیں ایک پل میں سب بکھر گئیں۔

پرنس تو جیسے ہنسنا ہی بھول گیا۔ اس کی روشن دنیا پھر سے اندھیری ہو گئی۔ اس نے رانیہ سے باتیں کیں، رانی یہ سب کیا ہو رہا ہے تم جانتی ہو ہمیں کہ ہم اپنی حیثیت سے بڑھ کر کوئی شرط نہیں مان سکتے پلیز تم کچھ کرو ورنہ میں تو مر ہی جاؤں گا، پلیز رانیہ۔ دیکھو پرنس میں بھی پریشان ہوں میں نے اپنی ماں سے بات کی ہے وہ ابو کو سمجھائیں گی تم فکر مت کرو کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔ رانیہ میں بہت پریشان ہوں تم بتاؤ میں کیا کروں میں تمہارے بنا جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میرے لئے میری خوشی میری زندگی سب کچھ تم ہو۔ اسی طرح دن گزرتے رہے اور پریشانی بڑھتی رہی یہاں کہ رانیہ کے والد نے رشتہ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ کچھ دن تو پرنس اور رانیہ کی باتیں ہوتی رہیں فون پر پرنس نے بہت کوشش کی رانیہ کو حاصل کرنے کی پر ناکام رہا۔ پیار کا وہ بندھن بننے جا رہا تھا وہ بننے سے پہلے ہی ٹوٹ گیا۔ پرنس کی زندگی ایک بار پھر سے اجڑ گئی اس کے آنگن میں پیار سے کھلے پھول پھر سے مرجھا گئے پھر سے غموں کے بادل سر پر منڈلانے لگے، بہار کے موسم میں بھی خزاں نے اپنے ڈیرے جما لئے ہر خوشی غم میں بدل گئی خوشیوں کے چراغ جو جلے تھے وہ پھر سے ماند پڑ گئے۔ پرنس پھر سے تنہائی کی آگ میں جلنے لگا۔ ایک بار پھر اس کی دنیا اجڑ گئی اس کی خوشیاں چھن گئیں۔ اس میں کس کا قصور تھا۔ ان دو پیار کرنے والوں کا یا ان کے والدین کا جنہوں نے اپنے ہی بچوں کی خوشیوں کو دولت کے ترازو میں تول ڈالا۔ کبھی کبھی ہم معاشرے کو قصوروار ٹھہراتے ہیں پر یہ نہیں سوچتے کہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے یعنی کہ ہم بھی تو اس معاشرے کا حصہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ آج کی نئی نسل جذباتی ہے جلد بازی میں غلط فیصلے کرتے ہیں پر کبھی کبھی ہمارے بڑے بزرگ دولت کی آڑ میں اپنے بچوں کی خوشیوں سے کھیل جاتے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں سمجھ پاتے ہیں کہ دولت تو ان کو مل سکتی ہے پر محبت صرف ایک بار ملتی ہے۔ زندگی بھی ایک بار ملتی ہے بار بار خوشیاں دروازے پہ دستک نہیں دیتیں۔ ایسی دولت کا کیا فائدہ جو خوشیاں قربان کر کے حاصل ہو۔ دولت سے سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں پر محبت نہیں دولت سے کسی کا دل نہیں جیت سکتے پھر دولت سے خوشیاں کیسے خرید سکتے ہیں۔ دولت تو آنی جانی چیز ہے آج ہے کل نہیں اسی طرح محبت بھی ایک بار ملتی ہے۔ جس کو مل گئی سو مل گئی اور جس کو نہ ملی اس کی زندگی اسی خواہش پہ گزر جاتی ہے کہ کاش مجھے میری محبت مل جاتی۔ کاش مجھے میرا پیار مل جاتا جو رشتے دولت کے زور پر تعمیر کئے جائیں ان کی بنیادیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ جب تک ہم اپنے اندر کے انسان کو یہ احساس نہیں دلاتے کہ رشتے دولت سے نہیں بلکہ پیار اور محبت سے تکمیل پاتے ہیں تب ہی ہم ان سوچوں سے آزاد ہو پائیں گے تاکہ کبھی کوئی اپنا کسی سے جدا نہ ہو کسی کا پیار کسی سے دور نہ ہو جائے۔ کوئی دو پیار کرنے والوں کو جدا نہ کر پائے جب کسی کا پیار کسی سے کھو جاتا ہے تو اس کا جینا مشکل ہو جاتا ہے۔ نہ تو وہ زندوں میں شمار ہوتا ہے اور نہ ہی مُردوں میں۔ اسے ہنسنا مسکرانا بس بھول جاتا ہے، وہ جیتا تو ہے پر نہ جینے کے برابر، ایک زندہ لاش بن جاتا ہے۔

پرنس کو پھر سے تنہائیوں نے گھیر لیا وہ پھر سے تنہا ہو گیا۔ اس نے رانیہ کو لیٹر لکھے پر وہ لیٹر اس کے والد کو ملے پھر اس نے فون کیا رانیہ سے بات کی رانیہ تم کیسی ہو کہاں ہو رانیہ پلیز مجھ سے بات کرو۔ رانیہ کچھ سہمی سہمی سی تھی اور دبی دبی آواز میں بول رہی تھی۔ وہ لیٹر ابو کے پاس ہیں وہ بات کرتے وقت کترا رہی تھی۔ رانیہ تمہارے گھر والوں کا فیصلہ تو سن لیا اب تمہارا کیا فیصلہ ہے۔ رانیہ تم جانتی ہو کہ میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتا میری زندگی میں تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی نہیں لے سکتی پلیز رانیہ مجھے تمہارے جواب کا انتظار رہے۔ پلیز بتاؤ مجھے جواب دو۔ مجھے تمہاری اس خاموشی سے ڈر لگ رہا ہے۔ پلیز کچھ تو جواب دو کیا تم میرا ساتھ دو گی یا نہیں۔ پرنس میں کیا جواب دوں جواب تو تمہیں مل گیا ہے جو میرے ابو نے دیا ہے، اب میں کیا کر سکتی ہوں، میں مجبور ہوں، میرے بس میں کچھ نہیں ہے۔ ایک طرف تم ہو اور دوسری طرف میرے والدین تم میری محبت ہو میری خوشی ہو میرا پیار ہو اور وہ میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔ میں اپنی خوشی کی خاطر ان کو کیسے کھو دوں اپنے سکھ کی خاطر ان کو کیسے دکھ پہنچاؤں تمہارا ساتھ پا کر ان کو کیسے بھول جاؤں۔ رانیہ کی ایک ایک بات پرنس کے دل پہ بجلی کی طرح گری اس نے جو اپنی سوچوں میں شیشے کے محل بنائے تھے وہ اک پل میں مٹی کا ڈھیر بن گئے۔ اس کی دنیا اجڑ گئی اس کی خوشیاں روٹھ گئیں۔ رانیہ یہ تم کیا کہہ رہی ہو تم کو میرا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ ان وعدوں کا کیا ہو گا ان قسموں کا بتاؤ جو تم نے ایک ساتھ مرنے جینے کے اور ساتھ نبھانے کے کئے تھے کہ زندگی بھر تمہارے ساتھ رہوں گی، کبھی تم کو تنہا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ تم اتنے سنگدل کب سے بن گئی ہو تم میں ایسی ہمت

کہاں سے آ گئی۔ کب سے تم اتنے بڑے فیصلے خود سے لینے لگی ہو بھول گئی ہو وہ ساری باتیں وہ پیار محبت کے قصے پلیز رانیہ کہہ دو یہ سب جھوٹ ہے اک دھوکہ ہے پلیز رانیہ مجھ سے میری خوشیاں مت چھینو میں جی نہیں پاؤں گا۔ شاید تمہارے لئے یہ سب باتیں معمولی ہوں کوئی اہمیت نہ رکھتی ہوں پر میری زندگی کا مسئلہ ہے رانیہ تم مجھے شاید سمجھ نہیں پائی پگلی تو کیا سمجھتی ہے کہ ایسا کہنے سے میں تم کو بھول جاؤں گا تم چاہے لاکھ کوشش کر لو تب بھی میرے دل سے اپنی محبت نہیں مٹا سکتی۔ میں تو وہ بدنصیب ہوں کہ تم کو بے وفا بھی نہیں کہہ سکتا۔ وہ خاموش تھی۔ میں جانتا ہوں رانیہ اگر تم چاہتی تو سب کچھ کر سکتی تھی، ٹھیک ہے رانیہ تمہاری خاموشی نے ہی مجھے میرے سب سوالوں کے جواب دے دیئے ہیں جہاں رہو خوش رہو تمہارے دل کی ہر مراد پوری ہو کبھی کوئی غم کوئی دکھ تمہارے جیون میں نہ آئے۔ سدا مسکراتی رہو تمہارا یہ دیوانہ یہ مجنوں تمہارا پرنس زندگی کی آخری سانس تک تمہارا انتظار کرے گا اس دل کے دروازے ہمیشہ تمہارے لئے کھلے رہیں گے۔ مجھ سے انجانے میں کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف کر دینا۔ جب پہلی مرتبہ تمہارے گھر آیا تھا تو تمہاری ایک تصویر چرا کر لے آیا تھا جسے ہر روز دیکھ کر یہ کہتا کہ اک دن حقیقت میں تم کو گھر کی رانی بنا کر لاؤں گا پر اب اسی تصویر کے سہارے اپنا سارا جیون بتاؤں گا۔ جتنا پیار میں تم سے کرتا ہوں شاید ہی کوئی کر پائے گا اک دن تم کو میرا پیار سبق یاد آئے گا پرنس اپنا خیال رکھنا واہ ری محبت کیا صلہ دیا زخم بھی دیتی ہے اور مرہم بھی لگاتی ہے۔ رانیہ یہ کیسی محبت ہے وہ ملنے سے پہلے ہی بچھڑ گئی۔ کون کرے گا اپنی محبت پہ اعتبار اب میرا سب کچھ لے کر تم جا رہی ہو، بس اک بار کہہ دو کہ تم میرے ہو صرف اک بار۔ پر رانیہ تو جیسے پتھر کی بن گئی تھی نجانے ایسی کیا مجبوری تھی جو ان دونوں کو جدا کر گئی۔

شاید۔ پرنس کی رانیہ سے آخری گفتگو تھی کیا ہے محبت یہ کیسی [illegible] ہو جاتی ہے کیوں ہم اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں کیوں ہنسنا مسکرانا چھوڑ دیتے ہیں۔ کیوں ہمیں رونے پر مجبور کرتی ہے کیوں اپنوں سے دور ہو جاتے ہیں کیوں کسی کی جدائی جیتے جی مار ڈالتی ہے کیوں ہم اتنے مجبور اور بے بس ہو جاتے ہیں کیوں ہم جیت کر بھی ہار جاتے ہیں کیا ہے یہ محبت جسے پانے کی خاطر ہر حد سے گزر جاتے ہیں اگر ہم محبت کے معنی جان پاتے تو کوئی کسی دو پیار کرنے والوں کو جدا نہ کرتا تو کوئی والدین اپنے بچوں کی خوشیوں کو یوں دولت کے ترازو میں نہ تول ڈالتے۔ اس میں قصور کس کا ہے پرنس کا جس نے جی جان سے رانیہ کو چاہا اس سے محبت کی اپنے جیون کی ہر خوشی اس پہ قربان کی اس رانیہ کا جس نے اپنے والدین کے فیصلے کے آگے اپنا سر جھکایا اپنی محبت کی اپنے پیار کی قربانی دی یا پھر اس والدین کا قصور ہے جنہوں نے اپنے بچوں کے روشن مستقبل کے آگے ان کے جذبوں کو فراموش کیا ان کی خوشی کے لئے ان کی خوشیاں چھین لیں ہم کس کو قصوروار ٹھہرائیں ہم خود کو تو سزا دینے سے رہے اور الزام لگا دیا کہ معاشرہ ہمیں جینے نہیں دیتا میں آپ ہم سب سے مل کر تو ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے یہی تو معاشرہ ہے پھر ہم خود کو سزا کیوں نہیں دیتے۔ ہم دوسروں کو ترجیح دینے کی بجائے اپنی سوچ کو کیوں نہیں بدلتے جب تک ہم اپنی سوچوں کو تبدیل نہیں کریں گے یہ معاشرہ ایسے ہی رہے گا اسی طرح ہم اپنے پیار کو قربان کر کے ان پرانی رسم و رواج کی بھینٹ چڑھتے رہیں گے اسی طرح بنا مقصد کے اپنی پوری زندگی سسک سسک کر گزارتے رہیں گے، جدائی کے آنسو بہتے رہیں گے، تنہائی کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ جس طرح پرنس دس سال سے اس آگ میں تنہا جل رہا ہے، وہ خود ہی ہنستا ہے روتا ہے پھر چپ کر جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے پرنس نے اپنا سب کچھ کھو دیا اپنی زندگی کے دس برس اس کے انتظار میں گزار دیئے پھر بھی اس کو اس کی محبت نہ ملی۔ وہ آج بھی رانیہ کی [illegible] یادوں میں جیتا ہے۔ وہ سب کچھ بھول گیا پر رانیہ کو نہیں۔ وہ آج بھی اس [illegible] لگائے ہوئے ہے جو اس کے جینے کا سہارا ہے۔ سب کچھ بدل گیا لوگ بدل گئے ان کی سوچیں بدل گئیں وقت بدل گیا رشتے بدل گئے پر پرنس آج بھی ویسا ہے جیسا پہلے تھا۔ وہ آج بھی اس سے اتنا ہی پیار کرتا ہے جتنا دس سال پہلے کرتا تھا۔ اس کی سوچ اب بھی وہی ہے وہ اب بھی اس کو یاد کرتا ہے۔ رات کی تنہائی میں آنسو بہاتا ہے اس کی یاد میں تڑپتا ہے، نجانے کس آس پہ وہ جی رہا ہے۔ اس نے یہ ثابت کر دیا کہ آج بھی سچے پیار کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ اس نے جو دس سال پہلے محبت کے چراغ دل میں جلائے تھے وہ آج بھی روشن ہیں۔ اس کی یادوں سے کوئی آندی کوئی طوفان اس چراغ کو بجھا نہیں پائے۔ پرنس نے آج تک شادی نہیں کی رانیہ نے ان دس سالوں میں ایک بار بھی پرنس کو یاد نہیں کیا۔ اب رانیہ کہاں ہے، کس حال میں ہے کچھ پتہ نہیں۔ آفرین ہے پرنس کی کہ اس نے اپنی زندگی کے قیمتی دس سال اس کے انتظار میں بتا دیئے اس آس پہ کہ شاید وہ لوٹ آئے۔

یہ ہے پرنس کی غم داستان جو دس سالوں سے اپنے سوالوں کے جواب ڈھونڈ رہا ہے۔ شاید آپ کے پاس اس کے سوالوں کے جواب ہوں، وہ آپ سب کی رائے کا منتظر ہے کہ وہ اب اپنی زندگی پھر سے جیئے یا اس کی یادوں کے سہارے باقی کی زندگی گزار دے۔ اس کا فیصلہ اب آپ پر ہے۔ آپ ہی شاید اس کے لئے روشنی کی کرن بن کر آ جائیں اور اسے پھر سے ایک نئی زندگی گزارنے کا مقصد مل جائے۔ یہ تھی پرنس کے دل کی آواز جس کو آپ سب تک پہنچانا میرا فرض تھا۔

❊❖❊

## قطعہ

پلکوں پر آ کر رک جاتے ہیں یہ آنسو
تنہا پا کر بہہ جاتے ہیں یہ آنسو
دل تو بہت کرتا ہے غم بتاؤں آپ کو
پر ہنستا دیکھ کر آپ کو سوکھ جاتے ہیں یہ آنسو

☆......ملک نیر ناز- صادق آباد

## غزل

فون پہ اس کی باتیں، اس کے قہقہے اچھے لگتے ہیں
پل دو پل کے سہی مگر یہ رشتے اچھے لگتے ہیں
رنگ، جگاتے جملوں سے لگتا ہے جیسے اس کو بھی
کھٹی میٹھی باتیں کرتے لڑکے اچھے لگتے ہیں
ہم دونوں مستانوں کی اک خواہش ملتی جلتی ہے
مجھ کو شہزادی، اس کو شہزادے اچھے لگتے ہیں
ہمیں خبر ہے سب تعبیریں ہاتھ نہ آتی پریاں ہیں
پھر بھی جاگتی آنکھوں دیکھے سپنے اچھے لگتے ہیں
موتیوں والے مکھڑے بھی اپنے احباب میں شامل ہیں
مگر ہمیں تو خوش خط سانولے چہرے اچھے لگتے ہیں
کانچ کنواری عمروں کو جب مٹی میں ہی رل جانا ہے
پھر کیوں عمران یہ لمحہ بھر کے میلے اچھے لگتے ہیں

☆......محمد عمران بٹ- ڈھوک ڈل

## غزل

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ
وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ
آزادیاں کہاں اب وہ اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا
اس قید کا الٰہی دکھڑا کسے سناؤں
ڈر ہے مجھے یہی کہ میں قفس میں مر نہ جاؤں
چگتا پھروں جہاں میں دانے ذرا ذرا سے
ساتھی جو ہیں پرانے اُن سے ملوں ملاؤں
لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم
وہ شبنم کا صبح آ کر پھولوں کا منہ دھلانا
وہ سات سب کے اڑنا وہ سیر ہو وطن کی
وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا مل کے گانا
آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے
میں مظلوم ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے

☆......محمد ہارون قمر بیج پور ہزارہ

□❁□

# آوارگی کہاں جا کے ٹھہری

انتظار حسین ساقی - تاندلیانوالہ

وہ چاند چہرہ، وہ پری پیکر میری نظروں سے بہت دور جا چکی تھی. آخر میں ٹوٹے ہوئے دل کے ٹکڑے چن چن کر واپس آ گیا. اپنی محبت کو اپنے ہاتھوں سے نیلام کر چکا تھا. میں واپس آ گیا مگر مرجھائے ہوئے پھول کی طرح میں ہو گیا.میں نے نیلم کو بہت تلاش کیا، ساتھ والے تمام گاؤں میں سے، اردگرد کے تمام شہروں میں سے اپنی محبت نیلم کو تلاش کیا، بہت سارے خانہ بدوش لوگوں سے ان لوگوں کا پتہ معلوم کیا مگر نیلم مجھے کسی جگہ بھی نہ ملی

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

سارا دن میرے سینے میں جنگ کرتا رہتا ہے
وہ شخص جس کے مقدر میں خودکشی بھی نہیں

میرا دل اور دماغ اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتا تھا کہ آج اس کے اس دور میں محبت جیسی خوبصورت اور پاکیزہ چیز بھی موجود ہے۔ مجھے تو یوں لگتا تھا کہ جیسے محبت کا وجود ہی ختم ہوتا جا رہا ہے۔ نجانے کیوں روزمرہ کے مشاہدات اور تجزیوں سے اور آئے ن ٹی وی اخبار اور مختلف رسالوں میں شائع ہونے والی محبت کی ناکام داستانوں کو پڑھ کر اور سن کر محبت سے تو میرا اعتماد اٹھتا جا رہا تھا۔ یقین ٹوٹتا جا رہا تھا کیونکہ سچی محبت کسی کے پاس نہیں ہے؟ ہم سب چاہتے تو یہ ہیں کہ ہم سے کوئی سچی محبت کرنے والا ہو مگر کبھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر ہم نے دیکھا کہ ہم دوسروں کے ساتھ کتنا سچا پیار کرتے ہیں۔ ہم سب لوگوں کی یہ خواہش تو تو ہے کہ ہمیں سچی محبت ملے، سچے جذبات ملیں، سچی لگن ملے مگر یہ سب اُسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب ہم خود دوسروں کے لئے ایسے سچے جذبات رکھیں گے۔ قارئین آج میں آپ کو جو داستان سنانے لگا ہوں آپ کی آنکھوں اور سماعتوں کی نظر کرنے لگا ہوں اس کو سن کر آپ دیکھ کر میرے دل کے اندر بھی یہ احساس پیدا ہونے لگا ہے کہ محبت اب کہیں نہ کہیں زندہ و جاوید ہے مگر فرق صرف اتنا ہے محبت خوش نصیب لوگوں کو ملتی ہے، مقدر والوں کے حصے میں آتی ہے۔ وہ بڑے مقدر والے انسان ہوتے ہیں جو اپنی محبت کو اور پیار کو پا لیتے ہیں۔ اگر محبت نہ ملے تو پھر انسان کی قسمت میں جنم جنم کی آوارگی آتی ہے اور پھر وہ آوارگی نجانے انسان کو کہاں کہاں لے جاتی ہے۔ ایک ٹوٹا ہوا انسان اور اک اجڑا ہوا انسان اپنی آوارگی کو گلے لگائے کہاں کہاں جاتا ہے اور کیا کیا کرتا ہے۔

مجھے میری محبت مل بھی جاتی اگر انتظار
مگر میری آوارگی کہاں جا کے ٹھہرتی

آپ تمام لوگوں کو اس بات کا تو علم ہو گا کہ پورے پاکستان میں، ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر قصبے میں کہیں نہ کہیں ہم کو خانہ بدوش نظر آتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ جھونپڑی نما گھروں میں رہتے ہیں، ان کے پاس اپنے گھر نہیں ہوتے۔ بس جھونپڑیاں ہی ان لوگوں کا گھر ہوتی ہیں۔ گرمی ہو، سردی ہو، بارش ہو، برف باری ہو، طوفان ہو جیسے بھی موسم ہوں یہ لوگ انہی جھونپڑیوں میں رہتے

ہیں۔ یہ لوگ سارا دن بھیک مانگتے ہیں اور شام کو سارے غم بھول کر سو جاتے ہیں اور صبح پھر مانگنے نکل جاتے ہیں۔ کبھی اس شہر تو کبھی اس شہر، یہ سارا سال چلتے رہتے ہیں۔ میں کافی دنوں کے بعد گاؤں گیا تو اک درد بھری داستان میرا انتظار کر رہی تھی، آپ بھی سنیں۔

میں رات کو گاؤں پہنچ گیا، تھکن کی وجہ سے جلدی سو گیا۔ صبح اٹھا ناشتہ کیا باہر نکلا ہی تھا کہ ایک بہت خوبصورت لڑکی، اس کی خوبصورتی اس کی آواز سے اور چہرے سے نمایاں جھلک رہی تھی۔ اس نے اپنے گلے میں اک چھوٹی سی ڈھولکی ڈال رکھی تھی اور وہ گاؤں کی تمام گلیوں اور بازاروں میں بجا بجا کر اور ساتھ مختلف گیت گا کر بھیک مانگ رہی تھی۔ جیسے ہی اس نے مجھے دیکھا وہ میرے پاس آ کر یوں بولی۔ بابو جی ...... اے بابو جی ...... کچھ دے دے، آپ کی مہربانی ہو گی۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اگر اسے کمی تھی تو صرف اچھے کپڑوں کی اور ایسا لگتا تھا جیسے اس نے نجانے کتنے ہی دنوں سے اچھی طرح منہ بھی نہ دھویا ہو۔ مگر پھر بھی اس کے خال و خد بہت دلکش تھے۔ میں نے اس کو کچھ پیسے دیئے کھانا دیا اور وہ بہت خوش ہوتی ہوئی مجھے دعائیں دیتی ہوئی چلی گئی۔

شام کو میں نے واپس شہر آنا تھا کہ امی جان نے روک لیا کہ بیٹا انتظار آج تم شہر نہ جاؤ کل چلے جانا۔ آج میں نے نیاز دینی ہے میں چاہتی ہوں کہ آپ بھی ادھر ہوں اور نیاز بھی کھا کر جائیں۔ چاول کی دیگ پکائی سب رشتے داروں کو نیاز دی، محلے میں دی اور امی نے کہا۔ بیٹا انتظار یہ لو نیاز اور گاؤں سے باہر کچھ خانہ بدوش لوگ ہیں ان کو دے آؤ۔ میں نے اپنے ساتھ اک چھوٹے بچے کو لیا اور نیاز کی اور خانہ بدوشوں کی جھونپڑیوں میں پہنچ گیا۔ مجھے دیکھ کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور خاص کر ان کے چھوٹے چھوٹے بچے میں نے ان کو دیگ کے چاول وہ نیاز دی تو وہ اتنے خوش ہوئے کہ ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ میں نے ان سے پوچھا۔ آپ لوگ کسی ایک جگہ پر اپنے گھر کیوں نہیں بنا لیتے، آپ کیوں کبھی اس شہر تو کبھی اس شہر؟ پھر اک شخص نے فوراً اک شعر بولا، میں تو حیران رہ گیا کہ اس ماحول میں اتنا اعلیٰ شاعر واہ جی واہ۔

کبھی اس کے در کبھی اس کے در کبھی دربدر
غم عاشقی تیرا شکریہ میں کہاں کہاں سے گزر گیا

وہ جھونپڑی سے نکلا تو مجھے پتہ چلا کہ وہ شخص ان لوگوں سے الگ اور منفرد تھا۔ وہ ان کی طرح کا لگتا ہی نہ تھا اور تو اور وہ شکل و صورت سے بھی ان لوگوں سے مختلف تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ لکھے پڑھے لوگ مجھے نہیں لگتے مگر آپ کی باتوں کا انداز ان لوگوں سے مختلف ہے۔ اس نے کہا۔ سر جی۔ مجھے اور بھی حیرانی ہوئی کہ اتنے باادب طریقے سے بلا رہا ہے۔ سر جی! آپ کو میں کیا بتاؤں کہ زندگی نے میری چاہت نے، میری محبت نے اور میری آوارگی نے میری تقدیر نے، میری قسمت نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ میں نے اسے بتایا کہ میں ایک رائٹر ہوں شاعر ہوں اور صحافی بھی ہوں پلیز آپ مجھے اپنی داستان بتائیں میں ساری دنیا کو سناؤں گا۔ اس نے اپنی کہانی کچھ یوں بیان کی۔

کس کو فرصت ہے دھواں دیکھنے جائے محسن
جھونپڑی ہی شہر سے کچھ دور جلی ہے

میرا نام شہزاد علی ہے۔ میں امیر ترین خاندان کا چشم و چراغ ہوں میں گھر میں سب سے چھوٹا ہوں مجھ سے بڑے میرے تین بھائی ہیں۔ بڑے دو بھائی لندن میں ہوتے ہیں اور ایک بھائی ابو کے ساتھ بزنس کے ساتھ ساتھ زمینداری میں بھی ابو کی ہیلپ کرتا ہے۔ گھر میں ہر چیز اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہوئی ہے۔ میں نے میٹرک کیا تو کالج میں داخلہ لے لیا روز گاڑی پہ کالج جاتا۔ کالج جانا کرکٹ کھیلنا اور بس مجھے دنیا جہان کی کوئی خبر نہ تھی کہ اچانک میری زندگی میں ایک طوفان آیا۔ میرے بھائی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا سارے گھر میں محلے میں مٹھائی تقسیم کی گئی اور خوب جشن اور خوشی منائی گئی۔ ایک دن ہمارے گھر میں ڈھولکی کی آواز سنائی دی۔ میں کمرے سے باہر نکلا دیکھا تو چند عورتیں، ڈھولکی کی تھاپ پر گیت بھی گا رہی تھیں اور ساتھ ڈانس بھی کر رہی تھی۔ وہ ڈھولکی بجا کر گیت گا کر اور گھروں میں خوشیوں کے موقع پر ایسا ہی کرتی تھیں لیکن میں نے ان لوگوں کو بھائی کے بیٹا پیدا ہونے پر اپنے گھر دیکھا۔ گھر والوں نے ان کو بہت سارے گفٹ کپڑے اور پیسے دیئے جب وہ لوگ گا رہے تھے ان کے ساتھ اک لڑکی ایسی بھی تھی جو کچھ بھی نہیں کر رہی تھی۔ نہ ڈانس، نہ گیت، نہ ڈھولک وہ خاموشی سے مجھے دیکھ رہی تھی اور میں بے چینی سے اور بڑے غور کے ساتھ اس کو دیکھ رہا تھا کہ وہ بہت خوبصورت تھی اور ابھی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہی تھی۔ اس کی نرگسی آنکھوں میں غضب کی کشش تھی۔ سفید چاندنی کی طرح اس کی رنگت اور پھر اوپر سے اس نے بلیک سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا، وہ تو قیامت ڈھا رہی تھی، وہ آنکھوں کے راستے دل میں اترنے لگی۔

آنکھوں سے دل میں اتر گیا وہ انتظار شخص
وہ جسے میں نے کبھی سوچا نہ تھا

زندگی میں پہلی دفعہ کوئی لڑکی میرے دل میں گھر کر گئی، میں اس کو آنکھوں آنکھوں میں دل دے چکا تھا۔ جب وہ لوگ گھر سے جانے لگے میں ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ بار بار مجھے مڑ کر دیکھتی تو ایسا لگتا کہ میری جان اس کے ساتھ نکل جاتی۔ شہر سے کچھ فاصلے پر ان لوگوں کی جھونپڑیاں تھیں، وہ اپنی جھونپڑیاں تک مجھے بار بار دیکھتی رہی اور میں بھی دیوانوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ وہ اپنی جھونپڑی میں چلی گئی مگر میرا دل بھی اپنے ساتھ لے گئی۔

گھر واپس آ گیا، کالج گیا تو دل نہیں لگ رہا تھا، کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا، رات کو نیند بھی نہ آتی۔ دوسرے دن میں شام کو چند دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے چلا گیا۔ گراؤنڈ کے ساتھ ہی تو ان کی جھونپڑیاں تھیں۔ میں نے اپنی جان کو دیکھا اس نے مجھے دیکھا۔ اچانک بال ان کی جھونپڑیوں میں چلی گئی۔ میں گیند کو جان بوجھ کر لینے چلا گیا۔ جب میں وہاں گیا تو وہ تو جیسے میرا ہی انتظار کر رہی تھی۔ اس نے مجھے گیند دی اور کہا۔ میں رات کو اس جھونپڑی میں آپ کا انتظار کروں گی۔ میں گیند لے کر آ گیا۔ بہت خوش ہوا کہ اپنے محبوب سے ملاقات ہونے والی تھی۔ میں گھر گیا شام کو تیار ہوا اور ساتھ ایک دوست کو لیا اور سکول کے اس گراؤنڈ میں آ گیا اور رات کے گہرے سناٹے اور سکوت شب کی خاموشی کا انتظار کرنے لگا۔ آخر جب سارے لوگ سو گئے تو اک جھونپڑی کے باہر مجھے روشنی دکھائی دی۔ اس نے جھونپڑی سے باہر آ کر مجھے آواز دی۔ میں اس کی طرف چلنے لگا اور دوست کہا کہ تم یہاں پہ میرا انتظار کرنا۔ مجھے خوف بھی آ رہا تھا کہ کہیں ان لوگوں کو پتہ نہ چل جائے مگر مجھے اپنی محبت کے نشے میں کوئی خوف نہیں تھا۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور میرا ہاتھ تھام کر اپنی جھونپڑی کے اندر لے گئی اور پھر وہ میرے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے بتایا کہ میرا نام نیلم ہے اور میں آپ کو پہلی نظر میں دل دے چکی ہوں۔ جب سے آپ کو دیکھا ہے مجھے چین نہیں آتا۔ میرا نام شہزاد علی ہے اور میرا حال بھی آپ جیسا ہے۔ میں نے بھی جب سے آپ کو دیکھا ہے دل ہے کہ ہر وقت آپ کو سوچتا رہتا ہے۔ راتوں کو آنکھیں بند کرتا ہوں تو نیند نہیں آتی۔ شہزاد آپ کو تو یہ معلوم ہو گا کہ معاشرے میں ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، کوئی مقام نہیں ہے، ہماری کوئی پہچان نہیں ہے ساری دنیا سارے لوگ ہم لوگوں سے بات بھی کرنا اچھا نہیں سمجھتے ہیں۔ ہم خانہ بدوش لوگ ہیں، آج ادھر ہیں تو کل ادھر آپ مجھ سے محبت کرتے ہو مگر میں سوچتی ہوں ہم کچھ دنوں کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے تو آپ کی محبت کہاں جائے گی۔ آپ مجھے کہاں تلاش کریں گے۔ محبت مجھے بھی آپ سے ہے مگر ہماری اس محبت کی عمر مجھے بہت کم لگتی ہے۔ ہماری محبت چند دنوں کی محبت ہے کیونکہ ایسا تو کبھی ہو نہیں سکتا کہ آپ مجھ سے شادی کریں اور اپنے گھر لے جائیں اور اگر آپ مجھ سے شادی کر بھی لیں تو آپ کے گھر والے اور اس معاشرے والے مجھے آپ کے ساتھ کبھی قبول نہیں کریں گے۔ شہزاد صاحب بہتر ہے

ہم دونوں اپنے آپ سے سمجھوتہ کر لیں اور ایک دوسرے کو بھول جائیں۔ میں نے نیلم سے کہا۔ نیلم میں نے تم سے پیار کیا ہے کوئی کھیل نہیں کھیلا ہے۔ میں ساری دنیا کو ٹھکرا جاؤں گا آپ کی محبت کی خاطر میں سارے رشتے ناطے، دنیاداری اور معاشرے کے تمام لوگوں سے منہ موڑ سکتا ہوں مگر آپ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ میں نے تم سے محبت کی ہے اور محبت کوئی موسم، کوئی عمر، کوئی ذات پات نہیں دیکھتی۔ بس نیلم تم میرے ساتھ چلنے کا وعدہ کرو، میری محبت کو سچی محبت تسلیم کرو۔ نیلم نے میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا اور کہا۔ شہزاد نیلم غریب ضرور ہے مگر دل کی غریب نہیں، نیلم آج بھی تمہاری ہے کل بھی تمہاری ہے اور ہمیشہ آپ کی رہے گی۔ رات کافی گزر چکی تھی ہم دونوں نے دل کھول کر پیار کی باتیں کیں، ایک دوسرے کے ساتھ جینے مرنے کے وعدے کئے، عہد و پیماں باندھے اور پھر ہم ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔ اپنے محبوب سے دور ہونا بہت مشکل اور جان لیوا ہوتا ہے مگر کیا کرتا گھر بھی واپس آنا تھا اور ساتھ نیلم کے قبیلے والوں کا بھی خوف تھا، ہم واپس گھر آ گئے پھر روز میں رات کو اپنے دوست کے ساتھ نیلم سے ملنے چلا جاتا۔ ہماری ملاقات روز ہوتی تھی۔ ہماری محبت جنون کی شکل اختیار کر چکی تھی اور میں اپنی محبت کو پا لینے کے لئے تیار تھا۔

آج رات جب میں نیلم کے پاس گیا تو نیلم رونے لگی۔ شہزاد آپ کو پتہ ہے اب ہم صرف دو دن ادھر ہیں، دو دن کے بعد ہم نے یہاں سے چلے جانا ہے اور یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ کہاں جانا ہے۔ شہزاد میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، کچھ کرو ورنہ ہم ہمیشہ کے لئے بچھڑ جائیں گے۔ نیلم کی بات سن کر مجھ پہ تو اک قیامت ٹوٹ پڑی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کروں کیونکہ صرف ایک دن اور ایک رات باقی تھا نیلم کے قبیلے کو یہاں سے کوچ کرنے کو۔ نیلم میرے کندھے پر سر رکھ کر رو رہی تھی۔ اشکوں کی ایک برسات اس کی آنکھوں سے جاری تھی۔ مجھ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کروں کیونکہ مجھ سے میری محبت بچھڑ رہی تھی اور میں ایسا چاہتا نہیں تھا۔

کجھ انج وی راہواں اوکھیاں سن
کجھ گل وچ غم دا طوق وی سی
کجھ شہر دے لوگ وی ظالم سن
کجھ مینوں مرن دا شوق وی سی

میں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنی محبت کو آوارگی کی آگ میں جلنے نہیں دوں گا، میں اپنی محبت کو کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔ میری محبت، میرا عشق اور میری آوارگی نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اپنی نیلم کو ان لوگوں سے دور کر دوں گا اور نیلم کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور پھر جب یہ لوگ چلے جائیں گے تو میں نیلم سے شادی کر لوں گا۔ میں نے نیلم سے کہا۔ نیلم تم تیار رہنا میں آپ کو رات لینے آؤں گا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ نیلم تو پہلے تیار تھی، شام ہو گئی ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور ساری تیاری مکمل تھی۔ میں نیلم کو لے کر شہر میں ایک دوست کے پاس چھوڑ آیا اور رات کو گھر میں آ گیا۔ صبح میں کالج کی بجائے سیدھا نیلم کے پاس گیا۔ نیلم تم پریشان نہ ہونا کچھ دنوں کی بات ہے سب ٹھیک ہو جائے گا اور ہم بہت جلد شادی کر لیں گے۔

صبح نیلم کے قبیلے والوں کو جب پتہ چلا کہ نیلم کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے تو انہوں بہت تلاش کیا اردگرد ہر جگہ نیلم کو تلاش کیا مگر نیلم ان کو نہ ملی۔ ان لوگوں نے دو دن کے بعد چلے جانا تھا مگر وہ نیلم کو تلاش کر کے ساتھ لے جانا چاہتے تھے، ان کو ایک ہفتہ ہو گیا مگر نیلم کا کوئی سراغ نہ ملا۔ میں سارا دن نیلم کے پاس گزارتا اور شام کو گھر آ جاتا۔ مجھے کچھ یاد نہیں تھا کہ میں نے کالج بھی جانا ہے یا پھر میرے گھر والوں کو پتہ چلے گا تو کیا ہو گا۔ شاید اس لئے کہ محبت جب کسی سے ہو جائے تو پھر کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

سنگدل کتنے تیرے شہر کے منظر نکلے
جن کی مہماں تھی شب غم وہی بے گھر نکلے
ایسی آنکھوں سے تو بہتر تھا کہ اندھے ہوتے
ہم جسے آئینہ سمجھے وہی پتھر نکلے

میں ہر روز کالج سے لیٹ آتا کیونکہ میں کالج تو جاتا نہ تھا میں تو نیلم کے پاس ہوتا تھا۔ شام لیٹ آنے کی وجہ سے میرے گھر والوں کو مجھ پہ کوئی شک سا ہونے لگا اور ایک دن ابو نے ایک بندے کو میری جاسوسی پر لگا دیا۔ اس نے ابو کو بتا دیا اور پھر میں اور نیلم اکٹھے بیٹھے تھے کہ ابو نے آ کر سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس نے نیلم کو تو کہا کہ تم تو جاؤ باہر گاڑی کھڑی ہے اس میں بیٹھو اور پھر ابو نے کہا۔ تم کتنے گھٹیا ہو، تم کو ڈاکٹر بنانا چاہتا ہوں اور تم نے یہ کیا کام کیا ہے؟ تم نے تو میری ساری زندگی کی عزت خاک میں رول دی، آپ کو شرم نہیں آئی اتنا اخلاص سے گرا ہوا کام کرتے ہوئے۔ ابو جان آپ مجھے جو مرضی کہیں میں آپ کا مجرم ہوں مگر میں نیلم کو دل دے چکا ہوں اور میں اس سے محبت کرتا ہوں اور وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے، ہم دونوں شادی کرنا چاہتے ہیں۔ ایک زوردار تھپڑ میرے گال پر ابو نے رسید کر دیا اور ناراض ہو کر چلے گئے۔ مجھے ایک طرف نیلم کی محبت کی آگ جلا رہی تھی اور دوسری طرف ابو کی اور گھر والوں کی ناراضگی تھی، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں اب کیا کروں۔ ابو نے نیلم کو اس کے گھر اور قبیلے والوں کے حوالے کر دیا اور ان کی بھی کافی بے عزتی کی اور کہا۔ آج کے بعد کبھی ادھر زندگی بھر نہ آنا۔ وہ ابو کی وجہ سے چپ کر گئے۔

میں رات کو گھر واپس آیا تو ابو مجھے دیکھ کر اندر کمرے میں چلے گئے، مجھ سے بات نہ کی پھر میں نے اپنے ابو کے قدموں میں گر کر معافی مانگ لی۔ ابو نے مجھے معاف کر دیا اور کہا۔ اپنے کمرے میں جاؤ صبح بات ہو گی۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا مگر نیند میری آنکھوں سے بہت دور تھی، مجھے نیلم کی یاد بہت آ رہی تھی۔ ہماری روز کی ملاقاتیں ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی مذاق، اٹھنا منانا لڑنا جھگڑنا، پیار بھری باتیں مجھے سب کچھ ایک ناگ بن کر ڈس رہا تھا۔ رات کروٹیں بدلتے بدلتے گزری صبح سب لوگ سوئے تھے میں اٹھا اور جلدی سے جلدی نیلم کے قبیلے کی جھونپڑیوں کی طرف گیا کیونکہ میں نیلم کو ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ میری دنیا اجڑ چکی تھی، میری محبت میری چاہت ویران ہو چکی تھی۔ جب میں وہاں گیا وہاں کچھ بھی نہیں تھا، کوئی جھونپڑی نہیں تھی بس کچھ کاغذوں کے ٹکڑوں اور کچھ راکھ کے ڈھیر تھے۔ ہر طرف ویرانی ہی ویرانی تھی، اداسی ہی اداسی تھی۔ ہر طرف محبت بین کر کے رو رہی تھی، آوارگی کسی طوفان کا پتہ بتا رہی تھی۔ وہاں پہ کوئی بھی چیز نہیں تھی مگر جہاں نیلم کی جھونپڑی تھی جس میں ہم رات کو ملتے تھے وہاں پہ میں گیا۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے نیلم میرے سامنے کھڑی ہو مسکرا رہی ہو، مجھ سے بات کر رہی ہو مگر وہ سب میرا خواب تھا جو چکنا چور ہو چکا تھا، جو ریزہ ریزہ ہو چکا تھا۔ نیلم نجانے کہاں چلی گئی تھی کچھ پتہ بھی نہیں تھا کہ وہ کہاں گئے ہیں کیونکہ ابو نے رات کو ہی ان سے کہہ دیا تھا کہ دن طلوع ہونے سے پہلے میں آپ لوگوں کو یہاں پر نہ دیکھوں اور وہ بیچارے رات کو ہی چلے گئے تھے۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے مگر میں نیلم کا پتہ اب کس سے پوچھتا۔

یہ سب ویرانیاں اس کے جدا ہونے سے تھیں
آنکھ دھندلائی تھی شہر دھندلایا نہ تھا
بچھڑ کے خط بھی لکھے اداس یادوں نے کبھی
کبھی کبھی اس ملاقات سے بھی گئے

وہ چاند چہرہ، وہ پری پیکر میری نظروں سے بہت دور جا چکی تھی۔ آخر میں ٹوٹے ہوئے دل کے ٹکڑے چن چن کر واپس آ گیا۔ اپنی محبت کو اپنے ہاتھوں سے نیلام کر چکا تھا۔ میں واپس آ گیا مگر مرجھائے ہوئے پھول کی طرح میں ہو گیا۔ میں نے نیلم کو بہت تلاش کیا، ساتھ والے تمام گاؤں میں سے، اردگرد کے تمام شہروں میں سے اپنی محبت نیلم کو تلاش کیا، بہت سارے خانہ بدوش لوگوں سے ان لوگوں کا پتہ معلوم کیا مگر نیلم مجھے کسی جگہ بھی نہ ملی۔ میری حالت دیوانوں جیسی ہو گئی، میں نے گھر والوں سے بولنا چھوڑ دیا، مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا، لوگ مجھے دیوانہ کہنے لگے، مجنوں کہنے

لگے، ایک آوارہ انسان کہنے لگے کیونکہ میری حالت ہی دیوانوں جیسی تھی۔ اکثر لوگوں کو مجھے دیکھ کر یہ گمان ہوتا تھا کہ میں پاگل ہوں۔

یہ بات درست تھی کہ میں پاگل تو تھا مگر عشق میں، محبت میں، چاہت میں، آوارگی میں۔ وقت گزرتا گیا جب مجھے نیلم کہیں پہ بھی نہ ملی تو گھر والوں نے مجھے پھر سے زندگی کی طرف لوٹنے کے لئے ہر کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں دو سال کے بعد پھر سے کالج جانے لگا۔ وقت بہت بڑا مرہم ہوتا ہے آہستہ آہستہ مجھے نیلم کی محبت میں کمی محسوس ہوئی جس کی وجہ سے میں نے اپنی تعلیم مکمل کر لی۔ ابو چاہتے تھے کہ میں باہر لندن چلا جاؤں مگر میں پاکستان میں رہنا چاہتا تھا۔ گھر والے میری شادی کرنا چاہتے تھے مگر میں ابھی انکار کر رہا تھا۔ وقت گزرتا گیا میں ڈاکٹر تو نہ بن سکا مگر میں ایک سرکاری ملازم، ایک ٹیچر بن گیا اور میری ڈیوٹی ملتان کے ایک خستہ سے گاؤں میں ایک سکول میں تھی۔

میں وہاں پہ ہی رہتا تھا مگر کوشش تھی کہ جلدی کسی طرح اپنے شہر کے کسی سکول میں تبادلہ کروا لوں مگر مجھے ابھی کچھ عرصہ ہی ہوا تھا جاب شروع کرتے ہوئے۔ گھر والوں نے کہا۔ چھوڑ دو وہ جاب ہمیں کیا ضرورت ہے جاب کرنے کی مگر میں نجانے کیوں مانتا ہی نہیں تھا۔ میں جس سکول میں بچوں کو پڑھاتا تھا وہاں بچے اور بچیاں اکٹھے پڑھتے تھے، وہاں پہ سارے بچے بہت پیارے تھے۔ سب بچے یونیفارم پہن کے آتے تھے مگر ایک بچہ جس کا نام علی چاند تھا، وہ اپنے نام کی طرح بہت قابل اور خوبصورت تھا مگر کبھی اس کے پاس قلم نہ ہوتا، کبھی اس کے پاس کتاب نہ ہوتی اور کبھی یونیفارم نہ ہوتی لیکن علی چاند کلاس کے دوسرے تمام بچوں سے قابل تھا ذہین اور محنتی تھا۔ ایک دن میں نے علی سے کہا۔ چاند بیٹا تم یونیفارم کیوں نہیں پہن کر آتے؟ اس نے کہا۔ سر میرے پاس یونیفارم کے لئے پیسے نہیں ہیں، امی نے ہے پہلی تاریخ کو یونیفارم بن جائے گی۔ آپ کے ابو؟ سر وہ نہیں ہیں، ان کی وفات ہو چکی ہے اور صرف میری امی اور میری چھوٹی سسٹر ہے، گل پری ہے اس کا نام۔ بیٹا آپ کی امی کیا کام کرتی ہے؟ سر وہ لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہے اور ہمارا کھانا کپڑے لوگوں کے گھروں سے آتا ہے اس لئے امی نے کہا ہے جب تنخواہ ملے گی تو پہلے آپ کو یونیفارم بنا دوں گی۔ ٹھیک ہے بیٹا جاؤ۔ وہ تو چلا گیا مگر میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے، نجانے کتنے ہی ایسے بچے ہوں گے جن کے پاس اپنا تن ڈھانپنے کے لئے بھی کپڑے نہیں ہوں گے اور دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں ہے۔ یہ تو سب مقدر مقدر کی بت ہے۔ میں دوسرے دن شہر گیا اور علی چاند کے لئے ایک بیگ اور ایک یونیفارم لے آیا اور میں نے اسے دی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنی امی کو بتایا اس نے کہا۔ بیٹا اپنے ٹیچر کا شکریہ ادا کر دینا۔ وقت گزرتا گیا علی چاند کا میں بہت خیال رکھتا تھا کیونکہ وہ دوسرے تمام بچوں کی نسبت بہت غریب تھا اور پھر اس کا والد بھی نہیں تھا صرف والدہ تھی اور وہ بیچاری بھی لوگوں کی کوٹھیاں صاف کرتی تھی، کام کرتی تھی اور بچوں کو پال رہی تھی۔

وقت نے کروٹ لی حکومت نے سارے ملک کی مردم شماری کرانے کا فیصلہ کیا اور میری ڈیوٹی بھی مردم شماری پر لگا دی گئی۔ ہم نے گاؤں کی مردم شماری کرنی تھی۔ اب گاؤں سے باہر کچھ گھروں کی مردم شماری کرنی تھی۔ گاؤں سے باہر کچھ جھونپڑیاں تھیں خانہ بدوشوں کی آج ان کی مردم شماری کرنی تھی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو مجھے کسی نے آواز دی۔ سر جی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میرا اسٹوڈنٹ علی چاند کھڑا تھا۔ دوڑ کر میرے پاس آیا، سلام کیا اور اس نے بتایا۔ سر میں اور میری امی اور میری سسٹر ہم ادھر رہے ہیں۔ مجھے اور بھی دکھ ہوا کہ ان کے پاس تو رہنے کے لئے چھت بھی نہیں ہے مگر خوشی بھی ہوئی کہ یہ چاہے جتنے بھی غریب ہیں چاہے ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، چاہے یہ لوگ بھیک مانگ کر کھاتے پیتے ہیں مگر اپنے بچوں کو تو تعلیم دے رہے ہیں۔ پھر علی چاند دوڑ کر ایک جھونپڑی کے اندر گیا اور کہا۔ امی جان ...... امی جان ...... وہ میرے ماسٹر صاحب جنہوں نے مجھے یونیفارم لے کر دی تھی۔ اپنے ماسٹر جی کو اندر آنے کا بولو چاند بیٹا۔ اچھا امی۔ علی چاند مجھے کہنے ہی والا تھا کہ میں خود اندر چلا گیا کیونکہ چاند کی امی کی آواز مجھے کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔ میں جیسے ہی جھونپڑی کے اندر داخل ہوا، میری تو حیرت گم ہو گئی۔ میرے سامنے نیلم کھڑی تھی۔ علی چاند نیلم کا بیٹا تھا۔ نیلم کی خوبصورتی، غربت کی نظر ہو چکی تھی اور بالوں میں بھی چاندی اترنے لگی تھی۔ نیلم کو دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ کتنی خوبصورت ہوا کرتی تھی، کتنی دلکش شخصیت اور چہرہ تھا اس کا اور آج کیسی بوڑھی بوڑھی سی نظر آ رہی تھی۔ آنچل کو سنبھال کر نیلم نے سلام کیا تو مجھے ایسا لگا جیسے آج پھر نیلم مجھے میرے ہاتھ سے پکڑ کر اپنی جھونپڑی میں لے آئی ہو۔ سلام دعا کے بعد میں ان کی جھونپڑی میں بیٹھ گیا، میرے سامنے نیلم بیٹھ گئی۔ نیلم کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے پھر نیلم نے مجھے بتایا۔

اتنی مدت بعد ملے ہو، کن سوچوں میں گم رہتے ہو؟
مجھ سے تیز ہوا نے پوچھا، ریت پہ کیا لکھتے رہتے ہو؟
ہم سے نہ پوچھو ہجر کے قصے، اپنی سناؤ اب تم کیسے ہو؟

شہزادا! جب آپ کے پاپا نے مجھے میرے ماں باپ کو واپس دیا تو ان کو ساتھ میں یہ بھی کہا۔ اگر آج کے بعد آپ لوگ ادھر نظر آئے تو ہم سے برا کوئی اور نہ ہوگا۔ ہم لوگ وہاں سے ادھر ملتان آ گئے۔ میرے قبیلے والوں نے میرے ماں باپ کو بہت ذلیل کیا ان کو گالیاں دیں، طعنے دیئے، مجھے مار دینا چاہتے تھے مگر میرے والد اور والدہ نے مجھے بچا لیا کیونکہ وہ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے کیونکہ میں ان کی صرف ایک بیٹی ہی تھی اور کوئی بھائی بہن تو تھے نہیں۔ پھر میرے قبیلے والوں نے میری شادی زبردستی ہمارے قبیلے کے لڑکے سانول سے کر دی۔ سانول مجھ سے بہت پیار کرتا تھا، مجھے کوئی کام نہیں کرنے دیتا تھا۔ وہ بھیک نہیں مانگتا تھا، وہ مزدوری کرتا، اسے جو کام مل جاتا وہ کرتا۔ دن بہت اچھے انداز سے گزرنے لگے مجھے آپ کی یاد بہت آتی تھی مگر میں سوچتی تھی اگر میں ان لوگوں سے بھاگ کر آپ کے پاس آ بھی جاتی تو آپ کے گھر والے آپ کے والد مجھے کبھی قبول نہ کرتے اور آپ کی زندگی بھی آوارگی کی نظر ہو جاتی۔ اس لئے میں نے قربانی دی اور سانول کی محبت کو سینے سے لگا لیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا دیا جس کا نام سانول نے علی چاند رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بیٹی دی جس کا نام میں نے گل پری رکھا۔ سانول مجھے اکثر کہتا تھا۔ نیلم ہم اپنے بچوں کو تعلیم دیں گے، ہم ان کو گھر دیں گے، ان کو اک بھکاری معاشرہ کبھی نہیں دیں گے، ہم یہ خانہ بدوشی چھوڑ دیں گے۔ بس کسی ایک جگہ بیٹھ جائیں گے۔ زندگی میں ایک اور قیامت اس وقت ٹوٹی جب ایک دن سانول کی لاش ہماری جھونپڑی میں آئی تی۔ سانول شہر جاتا تھا مزدوری کرتا تھا، وہ وہاں کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر نشہ کرنے لگا اور پھر ایک دن نشہ کی حالت میں ہی اس کی وفات ہو گئی۔ میں ایک بار پھر اکیلی ہو گئی پھر اب ہماری ذات کے ہمارے قبیلے کے کچھ لوگ جو آپس میں رشتہ دار ہیں، ہم نے فیصلہ کیا اب کہیں بھی نہیں جائیں گے، اب ہم نے یہاں پر مستقل جھونپڑیاں لگا لی ہیں، اب کہیں نہیں جاتے۔ کچھ لوگ ہیں جو بھیک مانگ کر گذارا کرتے ہیں مگر میں تو ایک دو کوٹھیوں میں جاتی ہوں کام کرتی ہوں۔ صرف اور صرف میں اپنے بچوں کو تعلیم یافتہ کرنا چاہتی ہوں تاکہ ہمارے بچے بھی ہماری طرح در بدر کی ٹھوکریں نہ کھاتے پھریں۔ شہزادا! میری زندگی میں صرف ایک بار خوشی آئی تھی جب آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔

مجھے نیلم کے حالات جان کر بہت دکھ ہوا مگر اس سے بڑھ کر خوشی ہوئی کہ نیلم میری محبت مجھے مل تو گئی۔ میں نے کہا۔ نیلم مجھے تم سے اس وقت بھی محبت تھی آج بھی محبت ہے اور ہمیشہ محبت رہے گی۔ آپ کی محبت میں اتنا دور چلا گیا تھا کہ لوگ مجھے پاگل کہتے تھے اور میں نے آج تک شادی نہیں کی ہے۔ کیا......! نیلم حیران اور پریشان ہوئی۔ پھر میں نے کہا۔ نیلم! تم مجھ سے شادی

کرو گی؟ نہیں شہزاد! میں آپ پہ بوجھ نہیں بننا چاہتی، تم اپنی پسند سے اپنی مرضی سے اور گھر والوں کی مرضی سے شادی کر لو۔ نہیں نیلم! میں نے تم سے محبت کی ہے۔ نہیں شہزاد! اب میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ نہیں نیلم! ہوا کیا ہے؟ کچھ وقت ہی تو گزرا ہے، بس کچھ ساعتیں ہی تو گزری ہیں۔ نہیں شہزاد! میں اب بوڑھی ہونے لگی ہوں، وقت کی آندھی نے مجھے وقت سے پہلے کمزور اور نڈھال کر دیا ہے۔ جب آپ سے محبت ہوئی تھی تب کچھ اور بات تھی مگر اب میں اپنے بوڑھے والدین کو چھوڑ نہیں سکتی کیونکہ میں بھی ان کی اولاد نہیں ہوں۔ مجھے بھی میرے ان والدین نے اپنی جھونپڑیوں میں سے مجھے لیا تھا۔ رات کے اندھیرے میں مجھے جنم دینے والی ماں نجانے کون تھی، کہاں گئی اس کی کیا مجبوری تھی۔ میں بھی ان لوگوں کو چھوڑ دیتی مگر مجھے ان لوگوں نے ماں باپ سے بڑھ کر پیار دیا۔ اس لئے میں مرتے دم تک ان کے ساتھ ہوں اور رہوں گی، جیسے بھی حالات ہوں۔ نیلم نے اپنی ساری داستان غم آنسوؤں کی سوغات میں مجھے سنا دی، مجھے بہت افسوس ہوا۔

لے آئی پھر قسمت ہمیں کہاں پہ
یہ تو وہی جگہ ہے گزرے تھے ہم جہاں سے

نیلم نے پوچھا۔ شہزاد! تم سناؤ آپ کی زندگی کیسی ہے؟ پھر میں نے نیلم کو اپنی ساری کہانی سنائی۔ اسے جدائی کے دو سال کی آوارگی کا حال سنایا۔ نیلم! میں تم کو وہ سب خوشیاں دوں گا جو ہم سے روٹھ گئی تھیں، میں تمہارے دامن میں پھول بھر دوں گا۔ بس تم میرے ساتھ وعدہ تو کرو۔ آخر دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت تھی نیلم شادی کے لئے مان گئی مگر اس کے ماں باپ نے ایک شرط رکھی۔ وہ یہ کہ آپ جتنے مرضی کام کرو، گھر بناؤ، جدھر مرضی جاؤ مگر ہم سب رہیں گے ان جھونپڑیوں میں، جب تک ہم ہیں۔ ہمارے مرنے کے بعد جہاں مرضی رہنا۔ میں نے نیلم سے شادی کر لی اور نیلم کے ماں باپ کی شرط بھی مان لی۔ میں اور نیلم بہت خوش زندگی گزارنے لگے۔

سفر میں کب تھا پلٹ کر ہمیں دیکھنے والا
کوئی تو ہے جو مجھے دور سے پکارتا ہے
سنا ہے اب بھی میرے آئینے میں یاد اسے
سنا ہے اب بھی وہ زلفیں بہت سنوارتا ہے

میں نے نیلم سے شادی تو کر لی مگر اپنے گھر والوں کو کچھ بھی نہ بتایا اگر بتا دیتا تو ایک مدت کے بعد میری محبت جو مجھے ملی تھی، وہ مجھ سے کسی صورت نہ مل سکتی۔ میں چاہتا تھا نیلم کی زندگی میں جو میری وجہ سے طوفان آیا تھا وہ اب تھم چکا تھا اور ہماری زندگی کو ایک سال ہو گیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹی دی۔ اب میرے تین بچے تھے مہ چاند، گل پری، اور شمل۔ مجھے میرے بچے بہت اچھے لگتے تھے۔ میں اپنے بچوں اور نیلم کے پاس رہتا تھا۔ اب ہم نے جھونپڑی میں ہی رہنا تھا کیونکہ نیلم کے والد اور والدہ کی یہ شرط تھی۔ وہ اپنی نیلم کو خود سے دور نہیں کرنا چاہتے تھے اور نہ نیلم اپنے قبیلے والوں سے دور ہونا چاہتی تھی۔ میں نے ان کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے معاشرے کے تمام لوگوں کو پس پشت ڈال کر نیلم کی محبت کو گلے لگا لیا۔ میں بہت عرصہ ہو گیا گھر نہیں گیا تھا۔ میرا پتہ کرتے جب گھر والے آئے تو سب حیران ہو گئے کہ شہزاد تم اس وجہ سے گھر نہیں آتے تھے، شادی نہیں کرتے تھے؟ سب گھر والے بہت ناراض ہوئے مگر جب میرے بچے دیکھے تو بہت خوش ہوئے، سب نے مجھے معاف کر دیا اور ابو نے سب گھر والوں نے کہا۔ تم گھر آ جاؤ چھوڑ دو اس جاب کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب میں اور میرے بچے اور نیلم اور نیلم کے والدین سب میرے گھر میں رہیں گے، اب ہم ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔

انتظار صاحب یہ آج کے بعد ہم خانہ بدوشی چھوڑ رہے ہیں۔ آپ سے تقدیر نے ملانا تھا شاید اس لئے میرے یہ سارے قبیلے کے لوگ اور نیلم آج آخری بار آپ کے پاس کسی دربار کے عرس پہ آئے ہیں اور میں بھی ساتھ ہوں۔ میرے بچے تو میرے گھر والے پہلے ہی گھر لے گئے ہیں بس اس عرس کے بعد ہم نے اس دربدر کی دنیا کو چھوڑ دینا ہے۔ پھر مجھے شہزاد جھونپڑی کے اندر لے گیا جہاں پہ ایک بہت دلکش شخصیت کی مالک خاتون بیٹھی تھی۔ شہزاد نے مجھے بتایا۔ انتظار صاحب! یہ ہے میرا پیار، میری محبت، میرا جیون، میری آوارگی کی آخری منزل۔ مجھے ان لوگوں کی محبت دیکھ کر بہت رشک آ رہا تھا کہ کاش! نیلم اور شہزاد جیسی محبت سب کی ہو اور سب کو ایسی محبت نصیب ہو۔

جی قارئین یہ تھی ایک خانہ بدوش شہزاد اور نیلم کی محبت کی زخمی اور لہو لہو داستان۔ امید ہے آپ لوگوں کو میری یہ سٹوری بہت پسند آئے گی۔ اپنی رائے سے ضرور نوازنا۔ مجھے بڑی شدت سے آپ لوگوں کی محبتوں کا انتظار رہے گا۔ وہ لوگ جو میری تحریروں کو پسند کرتے ہیں میں دل کی گہرائیوں سے ان کو سلام پیش کرتا ہوں۔ آخر پر میں یہ کہانی اپنی جان جان من بہت ہی پیاری چاند سی سویٹ اور پھولوں سے نازک قرۃ العین عینی کے نام کرتا ہوں اور تمام لوگوں کی نظر یہ شعر عرض کرتا ہوں۔

اب اپنے واسطے کچھ مانگنے سے خوف آئے
تو اٹھا ہاتھ کہ تیری التماس ہو جاؤں

◆○◆

## غزل

کتنی اذیت سے اس نے مجھ کو بھلایا ہو گا
میری یادوں نے اسے خوب رلایا ہو گا
بات بے بات آنکھ اس کی بھی چھلکی ہو گی
اس نے چہرے کو بازوؤں میں چھپایا ہو گا
سوچا ہو گا اس نے دن میں کئی بار مجھے
نام ہتھیلی پر بھی لکھ لکھ کر مٹایا ہو گا
جہاں اس نے میرا ذکر سنا ہو گا کسی سے
اس کی آنکھوں میں کوئی آنسو تو آیا ہو گا
رات کے بھیگنے تک نیند نہ آئی ہو گی اسے
اس نے تکیے کو بھی سینے سے لگایا ہو گا

☆..... اعجاز احمد حیدر — ننکانہ صاحب

## غزل

اُس کی آنکھوں میں نراس تھا
اک پل کو لگا جیسے وہ دل کے پاس تھا
شہر میں محبت اپنا ڈھونڈتا وہ
بے فراق میں ڈوبا یہ میرا قیاس تھا
تھامے کھڑا تھا وہ آنکھوں میں تارے
یاخدا وہ اندر سے کتنا حساس تھا
پاؤں کی لغزش نے اس سے زمین جو کھینچی
آہ جیسے کوئی ٹوٹا گجرا پیا سے آسا تھا
اجنبی کا دوستو یہ حال تھا بند دریچوں
جیسے ہواؤں کا نہ کوئی نکاس تھا
پکڑا چراغ دھرا شیشے میں سے وہ پتہ چلا
نامہ طے محبت جیسے کوئی اقتباس تھا
متعدد بار بھی دہرانے سے عاجز نہیں
اے عائشہ وہ کوئی تیرا ہی ہم شناس تھا

## غزل

میں تیری ذات میں الجھی ہوں اس طرح
کہ تمہیں بھولنا بھی چاہوں تو ناممکن ہے
عقل و شعور کو داؤ لگا کے
تمہیں جیت پاؤں گی ناممکن ہے
تو جانا چاہے تو چلا جا جہاں تو چاہے
تجھ پہ پہرے بٹھاؤں یہ ناممکن ہے
آنکھ کے کونے پہ ٹھہرا اک ننھا سا آنسو
پھسلنے سے روکنا چاہوں بھی تو ناممکن ہے
کوئی سحر پھونک دے کہ ہم تم جدا نہ ہوں
کہاں سے ڈھونڈوں کسی پہنچے فقیر کا ملنا ناممکن ہے

## قطعہ

خواب ٹوٹ جاتے ہیں
انہیں ٹوٹنا ہی ہوتا ہے
آنکھوں میں آ بستے ہیں
جنہیں بھیگنا ہی ہوتا ہے

☆..... عائشہ ندیم

# تنہائیوں کا زہر

ملک عاشق حسین ساجد۔ ہیڈ بکائنی

جس کی بیٹی گھر میں جوان ہو اس کے پاس روزانہ رشتہ کے لئے لوگ آتے ہیں۔ جب تمہاری طرف سے کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا تو سمیرا بی بی کی شادی رشید جو ان کا رشتہ دار تھا، اس سے کر دی گئی کیونکہ وہ لوگ خاصے عرصے سے رشتے کی بات کے لئے چکر لگا رہے تھے ...... ایک درد بھری کہانی

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

پیار کے دیپ جلانے والے کچھ کچھ پاگل ہوتے ہیں<br>
اپنی جان سے جانے والے کچھ کچھ پاگل ہوتے ہیں<br>
ہجر کے گہرے زخم ملے تو مجھ کو یہ احساس ہوا<br>
پاگل کو سمجھانے والے کچھ کچھ پاگل ہوتے ہیں

میری زندگی پیار کرنے والی ہستی سے مرحوم رہی ہے۔ کسی کا پیار ملا بھی تو عارضی طور پر۔ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد آج بھی اپنی محبوب ہستی کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ دل ناداں آج بھی اس کا نام لے کر دھڑکتا ہے اور نجانے کب تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔ میں نے ایک غریب گھرانے میں جنم لیا۔ مجھ سے چھوٹی صرف ایک بہن نجمہ تھی۔ ہم دو بہن بھائی اپنے والدین کی اولاد تھے۔ میں نے اپنے علاقے کے سکول سے میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ غربت کی وجہ سے میں آگے تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ روزگار کی تلاش میں ادھر ادھر کوششیں کرنے لگا۔ میں دیہات کے ماحول میں پلا پوسا تھا۔ ہم دیہات کے رہنے والے لوگ قدیم روایات کے قائل ہوتے ہیں۔ ماں باپ نے بچپن سے ہی میری منگیتر کا انتخاب کر لیا تھا اور یوں پھر میری ہونے والی ساس نے میری بہن نجمہ کا رشتہ اپنے بیٹے کے لئے مانگ لیا۔ اس طرح چند برس بعد میری بہن کی شادی اختر سے کر دی گئی۔ نجمہ کی شادی کے بعد میرے والدین خود کو ہلکا پھلکا سا محسوس کرنے لگے کیونکہ وہ کہتے تھے۔ ہم نے یہ عظیم فرض اور بھاری بوجھ اپنے سر سے اتار لیا ہے جس کی ہمیں بڑی فکر تھی۔ خدا کے کرم سے نجمہ اپنے گھر خوشحال رہنے لگی۔ دونوں میاں بیوی سنجیدہ مزاج اور ہم خیال تھے اس لئے ان دونوں کی زندگی ازدواجی طور پر پُرامن گزرنے لگی جس پر ہم سب خوش تھے۔ نجمہ کی شادی کے بعد روزگار کا مسئلہ درپیش آیا تو ہر جگہ کوشش کی جو ناکام رہی۔ تھک ہار کر مظفر گڑھ شہر گیا جہاں میرا رشتہ دار جواد پہلے سے ہی کہیں ملازمت کر رہا تھا۔ اسی کے توسط سے ایک سیٹھ کے ہاں بطور منشی نوکری مل گئی۔ تنخواہ معقول تھی میرے برسر روزگار ہونے سے میرے علاوہ میرے والدین کو بھی دلی مسرت ہوئی۔ میں پوری دلجمعی اور فرض شناسی کے ساتھ اپنی نوکری سے مخلص رہا جس کی وجہ سے سیٹھ صاحب کے دل میں میری عزت اور اعتماد بڑھ گیا۔ اب کاروبار کا سارا انتظام میں ہی سنبھالتا تھا اور حساب کتاب بھی میرے سپرد تھا۔ اسی طرح وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ ایک شام سیٹھ صاحب نے بے تکلفی سے مجھے اپنے گھر جانے کی پیشکش کی۔ میں بغیر کسی لیت ولعل کے ان کے ساتھ جانے کو تیار ہو گیا۔ وہاں مجھے اپنا بیٹا سمجھتے ہوئے گھر کے افراد سے میرا تعارف کرایا گیا۔ ان سب فیملی کے حسن

اخلاق سے میں بے حد متاثر ہوا۔ میرے سیٹھ صاحب کی بیگم صاحبہ بے حد پرخلوص اور شفیق ماں کی طرح تھیں۔ ان کی اولاد میں ایک بیٹا اور دو ہی بیٹیاں تھیں۔ ان سب میں بڑی سمیرا تھی جو دسویں کلاس کی طالبہ تھی۔ طاہر چھٹی میں اور ثناء چوتھی کلاس میں زیر تعلیم تھی۔ یہ سب بچے مجھ سے جلد ہی مانوس ہو گئے تھے اور گھر کا ماحول مجھے اپنے ذاتی گھر کی حیثیت سے نظر آنے لگا اکثر و بیشتر سیٹھ صاحب کے گھر آنا جانا رہتا۔

ایک شب مجھے وہاں شب باشی کے لئے ٹھہرایا گیا۔ اسی رات ان کے کچھ مہمانان گرامی آنا تھے۔ میں کچھ سہما سہما سا تھا۔ مہمانوں سے ملا تو طبیعت بحال ہو گئی۔ کیونکہ میں نے انہیں خوش مزاج اور باذوق پایا۔ رات کو شاعری نشست ہوئی سمیرا شعر و ادب میں کافی شغف رکھتی تھی۔ میں ان سے شعر و شاعری سن کر بے حد لطف اندوز ہوا۔ موقع کی مناسبت سے میری طبیعت نے بھی مجھے شعر کہنے کے لئے اکسایا۔ مجھے داد و تحسین ملنے گی۔ خصوصاً سمیرا بے حد متاثر ہوئی۔ سیٹھ صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ نے بھی خوشی کا اظہار کیا لیکن مہمانوں میں رشید نامی جو ایف ایس سی کا سٹوڈنٹ تھا۔ کافی بے ذوق رہا۔ جب بھی میں اس کے اشعار کے جواب میں خوبصورت اشعار پڑھتا۔ داد ملنے کی صورت میں وہ ناگوار کیفیت اس کے چہرے سے عیاں ہوتی دکھائی دیتی۔ میں نے دبے لفظوں سے اس کے جیلس پن کا انداز پوچھا مگر وہ ٹال گیا۔ کچھ ہی دیر بعد یہ ادبی نشست اختتام پذیر ہوگئی۔

صبح میں اپنی ڈیوٹی پر چلا آیا۔ سیٹھ صاحب مہمانوں کو الوداع کہہ کر آ گئے۔ شام کو پھر مجھے اپنے ہاں گھر لے گئے۔ سمیرا مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ کہنے لگی بہت خوب، آپ تو اچھی شاعری کر لیتے ہیں اور انداز بھی بہت اچھا ہے آپ کا۔ ماشاء اللہ اعلیٰ ذوق و خیال کے مالک ہو۔ میں نے جواب میں کہا۔ یہ سب آپ کا حسن سماعت ہے۔ ورنہ بندہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد اب تو ہر شب میں سیٹھ صاحب کے ساتھ ان کے گھر جانے لگا تھا رات کو کھانے کے بعد مجھے اشعار کہنے اور سنانے کی فرمائش کی جاتی۔ سب گھر والوں کو مجھ سے انتہا درجے کا لگاؤ ہو گیا۔ جیسے میں ان کا ملازم نہیں گھر کا فرد ہوں۔ محسوس ہوتا۔ ایک بار میں بیمار ہوا تو سب نے خوب توجہ دی۔ خصوصاً سمیرا نے دلی طور پر تیمارداری کی۔ میرا سر دبایا، دوائی وغیرہ اپنے ہاتھ سے کھلائی۔ ہر طرح سے میرا خیال رکھا۔ اس کے اس حسن اخلاق سے میں بے حد متاثر ہوا۔ ان کے اپنائیت اور خلوص بھرے انداز سے میرے دل میں ان کا احترام اور محبت و پیار کا جذبہ مزید بڑھ گیا۔ دن کی مصروفیات اور تھکاوٹ کی وجہ سے جب میں ان کے گھر جاتا تو ان کے اخلاق اور اچھے رویے کے پیش نظر ساری تھکان اور الجھاؤ بھول جاتا روح کو تازگی ملتی۔ طبیعت تازہ دم ہو جاتی۔ یوں وہاں رہتے ہوئے تقریباً دو سال گزر گئے۔ میری بہن نجمہ کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہو چکی تھی جو سب گھر والوں کے ساتھ میرے امی ابا کو بھی بے حد پیاری تھی۔ میں گھر جاتا تو گھر والوں سے سیٹھ صاحب اور ان کی فیملی کے حسن سلوک اور شفقت بھرے انداز کا تذکرہ کرتا۔ خوشی سے پھولے نہ سماتے اور مجھے کہتے کہ اپنے سیٹھ صاحب کو فیملی کے ہمراہ اپنے گھر آنے کی دعوت دو تاکہ ہم کچھ نہ کچھ تو اظہار تشکر کر سکیں۔ ایک بار میں نے اپنے والدین کے جذبات و خیالات سیٹھ صاحب تک پہنچائے جو بڑے شوق سے ہمارے ہاں تشریف لے جانے پر تیار ہو گئے۔ پروگرام ابھی مرتب کیا ہی تھا کہ سمیرا کا رزلٹ آ گیا۔ اس نے ایف اے کا امتحان ممتاز نمبروں سے پاس کیا تھا۔ اس خوشی میں ایک خوشگوار پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ سمیرا نے اپنی سہیلیوں، رشتہ داروں اور کلاس فیلوز کو مدعو کیا۔ اس پارٹی میں مجھے سمیرا نے شاعری سنانے کی فرمائش کی۔ میں تعمیل کرتے ہوئے ہر طرح سے معیاری اشعار، غزلیں سنائیں۔ جسے سبھی شرکائے محفل نے خوب سراہا۔ یہ محفل میرے لئے سابقہ محفلوں سے ہٹ کر منفرد اور یادگار رہی۔ سمیرا کو ہم مدعو خواتین و حضرات نے جہاں اچھے نمبروں سے ایف



اے کلیئر کرنے کی مبارکباد دی۔ اسی طرح مجھے بھی معیاری شاعری سنانے پر بھی مبارکبادوں کے نذرانے پیش کئے۔ سمیرا کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ میرے کردار پر نازاں اور متاثر ہو رہی تھی اور محفل کے اختتام پر خصوصی مبارکباد کے ساتھ میرا شکریہ ادا کیا۔

وقت یونہی آگے بڑھتا رہا۔ ایک روز سیٹھ صاحب نے مجھے اپنے گھر ضروری کام کے لئے بھیجا۔ میں ان کی ہی موٹر سائیکل پر سوار ہو کر گھر گیا۔ سمیرا گھر میں تنہا نظر آئی۔ باقی کے افراد کہیں گئے ہوئے تھے۔ میں نے بیگم صاحبہ کا پوچھا کہ ان تک مجھے سیٹھ صاحب نے ایک کام کے لئے بھیجا ہے کہ کچھ رقم وغیرہ اشد ضرورت پڑ گئی ہے۔ امی آنے والی ہیں۔ ساتھ والے گھر گئی ہوئی ہیں۔ تم بیٹھو۔ جب تک میں تمہارے لئے چائے بنا لاتی ہوں۔ میں سمیرا کے خلوص کو رد نہ کر سکا۔ وہ باہر کچن میں چائے بنانے گئی۔ میں اندر کمرے میں بیٹھ گیا۔ سامنے الماری میں پڑی ایک خوبصورت ڈائری پر نظر پڑی۔ میں نے یونہی وقت گزاری کے لئے اسے اٹھایا۔ یہ سمیرا کی ذاتی ڈائری تھی۔ ورق الٹ کر دیکھا جہاں لکھا تھا۔

خدا کی قسم مجھے تم سے غیر معمولی اور انتہا درجے کی ایسی محبت ہے جس کا قیاس کچھ دل ہی کر سکتا ہے۔ میرا مقصد حیات تجھے حاصل کرنا ہے۔ میری خاموش محبت کا پیمانہ اب لبریز ہونے والا ہے۔ نجانے کب تم مجھ سے اظہار محبت کرو گے۔ ہر وقت میری آنکھیں تمہارے درشن کو ترستی رہتی ہیں۔ تجھے کیا معلوم میں تمہارے ہی نام سے زندہ ہوں۔ تم ہی میری زندگی کا سہارا ہو۔ تم ہی میرے آئیڈیل ہو۔ آئی مس یو جان۔ پھر اگلے صفحے پر نظر پڑی تو یہ عبادت تحریر تھی۔ کبھی سوچتی ہوں تم سنگدل ہو۔ خود غرض ہو جو میرے دل سے تمہارے نام نکلتی صدائیں نہیں سن سکتے۔ میری آنکھوں میں بسی اپنی ذات کا عکس نہیں دیکھ سکتے۔ تم جوان ہو۔ سمجھدار ہو مگر کسی کے پیار بھرے جذبات کو نہیں سمجھ سکتے۔ پھر سوچتی ہوں، میری محبت سچی ہے تو ضرور میں اس میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ کبھی تو دلدار میں پیار کا جذبہ آئے گا۔ میں مایوس نہیں ہوں جانی۔ میں نے اپنا سارا جیون تمہارے نام کر دیا ہے۔ بس اب تمہاری مرضی۔ پیاسے من میں ٹھنڈک پیدا کر دو یا یونہی تڑپاتے رہو۔ یہ تمہاری مرضی ہے۔ چاہو یا نہ چاہو، میں تو تم کو چاہتی ہوں۔ یہی اعزاز کیا کم ہے میرے لئے اس سے پہلے کہ مزید صفحہ دل سے تراشی ہوئی مربوط سطروں کو پڑھتا۔ سمیرا کے قدموں کی چاپ نے مجھے ڈائری بند کرنے پر مجبور کر دیا۔ سمیرا نے مجھے ڈائری پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا اس لئے آتے ہی مجھ سے مخاطب ہوئی۔ کیوں میری بیاض پر نظر ستم ڈالی ہے تم نے؟ خطا کر بیٹھا ہوں، معافی چاہتا ہوں، ویسے آپ نے دبے انداز میں تڑپتے ہوئے من کی حالت کو تحریر کیا ہے۔ جسے پڑھ کر انعام دینے کو جی چاہتا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ تو عالم اداسی میں اس نے کہا۔ انعام کی مستحق ہوتی تو یہ عالم بے خودی نہ ہوتا۔ کیا مطلب سمیرا میں تمہارا اشارہ نہیں سمجھا۔ میں نے تجسس بھرے انداز میں پوچھا تو وہ بولی۔ تم سمجھو گے بھی کہاں، مگر اتنے بھولے بھی نہیں ہو۔ جتنا بن رہے ہو۔ اچھا یہ بتانا پسند کرو گی کہ وہ کون ایسا انسان ہے جو تمہارے دل کی آواز نہیں سن سکا جس کے ہجر میں تم پاگل بنی پھرتی ہو؟ میرے پوچھنے پر وہ پھر بولی۔ تم کیا کرو گے جان کر؟ اور تو کچھ نہیں ہو سکتا ہے اس کے لئے میں تمہارا قاصد بن کر اس کے پاس جاؤں گا۔ اسے تمہاری محبت کا پیغام دوں گا۔ اگر وہ پھر بھی نہ مانا تو؟ اس نے شوخی سے کہا۔ تو پھر میں زبردستی کروں گا۔ اسے ہر طرح سے آمادہ کر دوں گا۔ اگر وہ نہ مانتا تو اسے اغوا کر کے تمہارے سامنے لا دوں گا۔ میں نے کچھ تمہید کے طور پر جواباً کہا۔ اچھا، وعدہ؟ اس نے اپنا ہاتھ میرے آگے کرتے ہو عہد کے طور پر کہا۔ ہاں وعدہ۔ میں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ اچھا تو پھر سنو۔ وہ تم ہی ہو۔ تم نے ہی میرا سکون سکھ سب کچھ چھین رکھا ہے۔ کتنے سالوں سے میں تمہارے پیار کی آگ میں جل رہی ہوں۔ مگر تم ہو کہ میری طرف کبھی پیار بھری نظروں سے دیکھا بھی نہیں یہ جانے بغیر کہ کوئی تو ہے جو اپنا سب کچھ تمہارے

نام کئے ہوئے ہے۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا پھر سنبھلتے ہوئے کہا۔ سمیرا! کتنا تضاد ہے تمہارے اور میرے درمیان۔ تم آسمان پر چمکنے والا ستارہ اور میں زمین پر اڑتی ہوئی دھول مٹی کی۔ یہ کیسے ممکن ہے، مالک اور نوکر۔ بس کرو مزید کچھ نہ کہو۔ پیار میں یہ چیزیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ تم میرے پیار کا اقرار کرلو باقی میں سب کچھ خود سنبھال لوں گی۔ میری بات کو مکمل سنے بغیر وہ تقریباً چیختے ہوئی بولی۔ میں اسے کیسے بتاتا کہ میری منگنی پہلے کہیں ہو چکی ہے اور بہت جلد میری شادی بھی ہونے والی ہے۔ اگر میں نے والدین کے فیصلے کو پس پشت ڈال دیا تو پھر میں کہیں کا نہیں رہ جاؤں گا۔ وٹے سٹے کے طور پر جو ہمارے رشتے بھی عذاب بن جائے گی اور اگر اس حالت میں سمیرا کو صاف جواب دے دوں انکار کی صورت تو خدانخواستہ کوئی غلط قدم نہ اٹھالے۔ جس سے بگڑے حالات سنوارنا بہت مشکل ہو جائیں گے۔ اف اللہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ مجھے سوچوں اور خیالوں کی دنیا میں مستغرق پا کر بولی۔ کیا سوچنے لگے ہو۔ اگر انکار کرنا چاہتے ہو تو میری موت کا بھی تصور کر لو۔ میں یہ شکست کبھی قبول نہیں کروں گی۔ روز روز کے مرنے سے ایک بار مرنے کو ترجیح دوں گی۔ بولو میری زندگی دیکھنا چاہتے ہو یا موت؟ میں نے دیکھا سمیرا کافی جذباتی ہورہی تھی۔ میرے انکار کی صورت میں وہ کچھ بھی کرسکتی تھی۔ سمیرا معصوم لڑکی تھی۔ اسے جینا چاہئے۔ چاہے میرے حالات کچھ بھی کیوں نہ ہو جائیں اسے میں زندہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے میرا ہر طرح سے خیال رکھا تھا۔ میرے دل میں اس کے لئے احترام اور اب محبت و خلوص بڑھنے لگا تھا۔ اس میں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں تھی۔ خوبصورت تھی غمگسار اور سمجھدار ہونے کے ساتھ ساتھ پڑھی لکھی اور نوجوان تھی۔ یہ میرے لئے خوش بختی تھی کہ وہ میری ذات کو اپنی زندگی کا حصہ سمجھ کر سب کچھ مجھ پر قربان کر چکی تھی۔ ہاں بولو جواب دو، خاموش کیوں ہو؟ مجھے جھنجھوڑتے ہوئے اس نے پوچھا تو

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پیار سے کہا۔ تم جیت گئی ہو، سمیرا۔ میں ہار گیا ہوں تم زندہ رہو گی۔ آئی لو یو۔ اسی دن سے ہماری محبت کا آغاز ہوگیا۔ زندگی بھر ساتھ جینے مرنے کا عہد کیا گیا۔ سمیرا کی محبت پا کر میں جتنا خوش تھا اس سے دوگنا وہ فرط مسرت سے سرشار تھی۔ ابھی ہم چائے پی کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ بیگم صاحبہ آ گئیں۔ میں نے اُن سے کچھ رقم لی جو سیٹھ صاحب نے کہی تھی۔ اجازت لے کر دکان پر چلا گیا۔

سمیرا کی حسین رفاقت میں میرے شب و روز انتہائی مسرور کن گزر رہے تھے۔ مظفر گڑھ رہتے ہوئے مجھے دو ماہ سے زیادہ عرصہ ہو گیا تھا۔ گھر والوں کے خطوط پہ خطوط آرہے تھے کہ بہت دن گزرنے کے باوجود میں گھر کیوں نہیں آیا۔ وہ سچ کہتے آرہے تھے۔ ان کو میری یاد جو ستانے لگی تھی۔ پہلے تو اتنے دن نہ گزرتے تھے کہ میں گھر چلا جاتا تھا مگر اب اس طرح پہلی مرتبہ ایسا ہورہا تھا کہ میں اب سمیرا کی محبت میں اپنے والدین کو نظرانداز کررہا تھا۔ اس چیز کا احساس مجھے تب ہوا تھا جب میری امی کی طبیعت خراب معلوم ہونے کی خبر آئی تھی۔ اگلے روز میں نے گھر آنے کے لئے اپنے سیٹھ صاحب سے چھٹی کی درخواست کی تو انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ سمیرا میرے گھر آنے کی وجہ سے اداس و پریشان ہو گئی تھی۔ تم کب تک واپس آ جاؤ گے۔ میرا تو ایک ایک لمحہ قیامت بن کر گزرے گا۔ پلیز بہت جلد آ جایئے گا۔ سمیرا نے سوالیہ و التجائیہ انداز میں روہانسی ہو کر کہا۔ ابھی تو گھر ہی نہیں گیا تو کب آنے کا وعدہ کروں۔ امی کی طبیعت ناساز ہے شاید کچھ دن لگ جائیں گے۔ ورنہ شاید دو تین دن بعد واپسی ہو جاتی دعا کرو امی صحت یاب ہو جائیں تو بہت جلد تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ میں نے سنجیدگی سے وضاحت کی۔ اللہ تعالیٰ بہتری کرے گا۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ رہیں گی اور ہاں اپنے گھر والوں سے میرے رشتے کی بات کا ذکر کرنا بلکہ مناسب سمجھنا تو امی جان کو اس کے لئے لیتے آنا تاکہ بات پکی ہو جانے پر تسلی بھی ہو جائے گی اور میرا رشتہ میرے گھر



والے دوسری جگہ بھی طے نہ کرسکیں گے۔ کیونکہ ہمارے گھر میں روزانہ مختلف جگہوں سے لوگ رشتے کے لئے جو آرہے ہیں کم از کم یہ سلسلہ تو ختم ہو جائے گا۔ تم ٹھیک کہتی ہو سمیرا ان شاء اللہ گھر جاتے ہی ایسا ہی کروں گا۔ میرا جواب پا کر سمیرا مطمئن ہو گئی۔ ساتھ ہی سمیرا نے مجھے چھ ہزار روپے بطور گفٹ بھی دیئے جو میری ضروریات اور امی جان کی بیماری کے لئے وقف کردیئے گئے تھے۔ میرے انکار پر وہ ناراض ہو گئی تھی مگر میں نے اس کے خلوص کا بھرم رکھتے ہوئے شکریہ کہہ کر جیب میں رکھ لئے۔

تنخواہ کے علاوہ بھی سیٹھ صاحب نے ایک ہزار روپیہ اضافی مجھے دے دیا تھا کہ میں گھر والوں کے لئے مٹھائی وغیرہ لیتا جاؤں۔ کتنے اچھے اور مہربان لوگ ہیں یہ جو میرا اس قدر خیال رکھتے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا اور اگلے ہی لمحے وہاں سے اجازت لے کر گھر روانہ ہو گیا۔ میرے گھر پہنچنے سے ہمارے گھر کی رونقیں بحال ہو گئی تھیں۔ نجمہ اپنے بچوں سمیت وہاں آئی ہوئی تھی۔ امی کو ملیریا بخار نے آ لیا تھا۔ علاج معالجہ تو جاری تھا مگر کوئی بہتری کی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ تاہم ان کے چہرے کی تازگی میرے جانے سے قدرے پیدا ہو گئی تھی۔ امی کی تیمارداری اچھے سے ڈاکٹر کے پاس علاج معالجہ سے ان کی حالت اب پہلے سے کہیں بہتر ہو گئی تھی مگر وہ چل پھر زیادہ نہیں سکتی تھیں۔ مجھے گھر آئے ایک ماہ ہو گیا تھا۔ سمیرا نے خط کے ذریعے امی کی خیریت وغیرہ پوچھنے کے بعد مجھے جلد ہی وہاں پہنچنے کی تاکید کی تھی مگر میں اتنا مصروف رہا جانا تو کا خط کا جواب بھی نہ دے سکا تھا۔ تاہم امی صحت یاب ہو گئیں تو میں نے اپنے دل کا احوال ان سے بیان کیا مگر امی نے سب کچھ سنتے ہی انکار کرتے ہوئے کہا۔ وسیم! تجھے پتہ ہے تیرا رشتہ بچپن میں نجمہ کے بدلے میں شہناز سے ہو چکا ہے۔ منگنی مسلمان کی زبان سے نکلا ہوا عہد ہوتا ہے۔ اگر تمہاری شادی کہیں اور ہو جاتی ہے تو تمہارا کیا خیال ہے اس سے صرف یہ نہیں کہ نجمہ کی زندگی اجیرن ہو

جائے گی۔ اختر بھی تو دوسری شادی کرے گا۔ نجمہ کو رکھے یا نہ رکھے سوکن تو وہ بھی لا دے گا میں اور ہماری برادری میں بھی پھوٹ پڑ جائے گی اور پھر کبھی نہ ختم ہو جانے والی جنگ شروع ہو جائے گی۔ لہٰذا اپنے جذبات کو قابو میں رکھو اور اپنے آپ کو شہناز کے ساتھ ازدواجی حیثیت سے قبول کر کے شادی کی تیاری کرو۔ مگر امی میری بھی تو سنیں میں سمیرا سے محبت کرتا ہوں۔ میں اسے تسلی دے آیا ہوں کہ آپ کو ان کے ہاں رشتہ مانگنے کے لئے لے آؤں گا، اگر ایسا نہ ہوا تو...... میری بات ادھوری رہ گئی۔ امی نے بات کاٹ کر کہا۔ کچھ نہیں ہوگا۔ یہ جذباتی فیصلے اور عارضی باتیں ہوتی ہیں۔ آہستہ آہستہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم تیرے والدین ہیں بہتر ہی سوچ اور صحیح ہی کر سکتے ہیں۔ والدین کے فیصلے اولاد کی بہتری اور کامیاب زندگی کی ضمانت ہوتے ہیں۔ ابھی تو تمہارے ابا کو معلوم نہیں ان تک بات جائے گی تو سنگین مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ نجمہ کے سسرال والے کسی بھی صورت تسلیم نہیں کریں گے۔ کم از کم اپنی بہن کی زندگی کو سامنے رکھ کر سوچو اور یہ بھی کہ شہناز اب جو ہماری عزت بن چکی ہے۔ کسی اور سے اس کی شادی ہو جائے گی تو برادری والے، علاقے والے کیا کیا نہیں سوچیں اور کہیں گے؟ مگر امی! میں مجبور ہوں۔ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ ایک ہی بیٹا جو سکھ سے زندگی نہ گزار سکے تو آپ کو چین کہاں سے آئے گا۔ مجھے آپ پر بہت اعتماد ہے اور بہت سے امیدیں وابستہ ہیں۔ اگر آپ میرے ساتھ ہیں تو پھر کچھ ہی نہیں ہو گا۔ ان شاء اللہ سب اچھا ہو گا۔ آپ بے فکر رہیں۔ پلیز امی، میری زندگی کا سوال ہے انکار مت کریں ورنہ...... میں زندہ نہیں رہوں گا۔ خدا کے واسطے امی۔ میں ہاتھ جوڑتے التجائیں کرتے امی کے قدموں پہ سر رکھ کر سسکنے لگا۔ کافی دیر کے بعد امی رضامند ہو گئیں تو میری جان میں جان آئی۔ اس کے بعد ابا کو کس طرح امی نے راضی کیا، نجمہ کو قائل کیا اور نجمہ کے سسرال والوں میں کیا بھونچال آیا کیا کیا ہنگامے ہوئے یہ ایک الگ داستان ہے۔ مگر جب

برادری کے سامنے میں نے شہناز سے منگنی توڑنے کا اعلان کیا تو ان لوگوں کے ساتھ بہت جھگڑا اور تو تو میں میں ہوئی۔ لوگوں نے طرح طرح کی باتیں اور چہ میگوئیاں ہوئیں۔ میرے والدین کی خاصی بے عزتی اور رسوائی ہوئی۔ نجمہ کے بارے میں یہ فیصلہ اس کے سسرال والوں نے کیا۔ یہ اپنے شوہر کے ہاں رہے تو اس کی مرضی اگر میکے جانا چاہتی ہے تو اس کی مرضی لیکن جہاں رہے گی دوسری جگہ نہیں جائے گی۔ برادری کے علاوہ ہم نے نجمہ کو کہہ دیا کہ اپنے گھر بچوں اور شوہر کے ساتھ زندگی گزارو، جب حالات ٹھنڈے ہو جائیں گے پھر کوئی نہ کوئی صورت صلح کی پیدا ہو جائے گی، ہم تم کو خود لے جائیں گے۔ سب سے زیادہ دکھ اور رسوائی نجمہ کے حصہ میں آئی تھی۔ اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر سسرال والوں سے طعنے، دھکے اور نہ جانے کیا کیا ستم برداشت کئے تھے۔ مجھ پر کیا اثر ہونا تھا۔ میرے حواس پر تو صرف سمیرا کی ذات چھائی ہوئی تھی۔ سمیرا کی محبت میں میں نے وہ کیا کچھ نہیں کیا تھا جو مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔

اگلے روز صبح میں مظفر گڑھ اپنی ڈیوٹی اور سمیرا کے ہاں جانے کی تیاری کرنے لگا۔ امی، ابا سے عرض کیا تھا کہ وہاں جا کر ان لوگوں سے آپ کے آنے کا تذکرہ کروں گا۔ جس تاریخ کو آپ نے آنا ہو گا ایک دو دن پہلے میں آپ کو لینے گھر آ جاؤں گا تاکہ سمیرا کے والدین سے احسن طریقے سے میرے لئے رشتے کی بات کر سکیں۔ تقریباً اڑائی ماہ گزر جانے کے بعد میں مظفر گڑھ جا رہا تھا۔ دل میں عجیب قسم اور طرح طرح کے خیالات نے ہلچل مچا دی تھی۔ اپنی سمیرا کو کس طرح مناؤں گا۔ کیسے وہ مطمئن ہو گی۔ جب اسے خوشخبری دوں گا عنقریب میرے والدین اس کا رشتہ مانگنے آ رہے ہیں تو وہ کتنا خوش ہو گی۔ سیٹھ صاحب کی ناراضگی کا اندیشہ تھا مگر وہ اتنا سخت مزاج نہیں تھے کہ میرے مجبور حالات کو نظر انداز کر کے مجھ پر برہمی کا اظہار کرتے۔ صبح دس بجے میں اپنی دکان پر گیا۔ وہاں ایک نوجوان لڑکا بیٹھا نظر آیا۔ دفتر خالی تھا۔ سیٹھ صاحب [illegible] تھے۔ میں نے سلام کیا۔ سلام کا جواب پا کر اپنا بریف کیس ٹیبل پر رکھتے ہوئے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ جی فرمایئے! آپ کون ہیں اور کس سے ملنے آئے ہیں، کوئی کام کے سلسلے میں یا دو ویسے ہی؟ ایک ہی سانس میں اتنے سارے سوالات کی بوچھاڑ کر ڈالی تھی اس نوجوان نے۔ جی میرا نام وسیم ہے، میں یہاں کام کرتا ہوں۔ والدہ کی بیماری کی وجہ سے جلد نہ آ سکا لہٰذا اب آ گیا ہوں۔ سیٹھ صاحب کہاں ہیں اور طبع نازک پر گراں نہ گزرے تو پوچھ سکتا ہوں آپ کون؟ میں نے جواباً وضاحت کرنے کے بعد ایک دو سوال یکے بعد دیگر کر ڈالے۔ میرا نام احمد ہے۔ یہاں آپ کی جگہ کام سنبھالتا ہوں۔ مجھے یہاں آئے ہوئے تقریباً ڈیڑھ ماہ ہو چکا ہے اور سیٹھ صاحب تقریباً پندرہ روز سے دفتر نہیں آ رہے۔ اس نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ سر ہلاتے ہوئے سوچنے والے انداز میں زیر لب الفاظ دہرائے اور سیٹھ؟ ہاں، سیٹھ صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ شاید کچھ روز مزید دفتر نہ آ سکیں۔ اتنا کہہ کر وہ میرے لئے پانی لینے باہر چلا گیا۔ میرے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ نوجوان کی کیفیت اور تمام صورت حال کو جان کر یہ گمان سا ہونے لگا تھا کہ معاملات ٹھیک نہیں رہے۔ پانی لے کر وہ آیا، مجھے دیتے ہوئے پوچھا۔ وسیم صاحب! تمہیں بہت دیر ہو چکی ہے آنے میں اور کیوں آئے ہو لیٹ؟ میں نے محسوس کیا اسے سب حالات کا علم تھا جس کی وجہ سے اس نے سوال ہی ایسا کیا تھا۔ اپنا غم گسار جان کر اور اس کے حسین اخلاق کے پیش نظر بھی ماجرا میں نے اسے کہہ سنایا اور اسے عرض کیا کہ وہ بھی اب صحیح صورت حال سے آگاہ کرے۔ وسیم! تمہارے گھر جانے کے بعد ان لوگوں نے تمہارا بہت انتظار کیا خطوط بھی ارسال کئے مگر تمہاری طرف سے مسلسل خاموشی نے ان کے شک کو یقین میں بدل دیا کہ تم اب شاید نہیں آؤ گے۔ جس کی بیٹی گھر میں جوان ہو اس کے پاس روزانہ رشتہ کے لئے لوگ آتے ہیں۔ جب تمہاری طرف سے کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا تو سمیرا بی بی کی شادی رشید جو ان کا رشتہ دار تھا، اس سے کر دی گئی کیونکہ وہ لوگ خاندان سے باہر رشتے کی بات



کے لئے چکر لگا رہے تھے۔ شادی کی مصروفیات میں دکان و دفتر بھی بند رہنے لگا تھا۔ اوہ! وہی رشید جو میری شاعری سن کر داد تحسین ملنے پر جیلسی ہوا تھا۔ میں نے زیر لب سوچتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی طرف متوجہ ہوا جو کہہ رہا تھا۔ میری سیٹھ صاحب سے ملاقات ہوئی، نوکری کرو گے میرے ہاں؟ اس سوال نے میری مشکلات کو حل کر دیا کیونکہ عرصے سے میں بے روزگار تھا۔ میں اور کیا چاہتا تھا۔ ان کے گھر ایک روز گیا تو سمیرا بی بی نے مجھے اعتماد میں لے کر اپنے دل کا احوال کہہ سنایا کہ میں وسیم سے محبت کرتی ہوں۔ وہ گھر گئے ہوئے ہیں نہیں آ رہے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کروں۔ وگرنہ میری شادی کہیں اور کر دینا چاہتے ہیں۔ جو میں نہیں چاہتی مگر میں تو آپ کو نہیں جانتا تھا ویسے بھی سیٹھ صاحب مجھے جانے بھی کہیں نہیں دے رہے تھے۔ صرف دفتر اور دکان کی حد تک میری مصروفیات محدود تھیں۔ سمیرا بی نے بہت انکار کیا مگر خاندانی روایات کے آگے مجبور ہو گئی۔ اس کی شادی رشید سے کر دی گئی مگر رشید اسے وہ خوشیاں اور سکھ نہ دے سکا جو ایک کامیاب شوہر اپنی بیوی کو دے کر اس کا دل خرید لیتا ہے۔ چند روز بعد سمیرا بی بی نے گھر میں پڑی ہوئی زرعی سپرے پی کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا اور یہ بات کم از کم سیٹھ صاحب پر بجلی بن کر گری۔ بدنامی، رسوائی اور بیماری نے انہیں ذہنی اور دل کا مریض کر دیا۔ اب علاج معالجہ جاری ہے دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔

وہ جوان تنہا نے مزید کیا کہتا رہا میرا وہاں رہنا اب فضول تھا۔ دماغ ماؤف تھا، ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دینے لگا۔ سمیرا کے الفاظ میری سماعت تک گونجنے لگے۔ اگر تم میرے نہ ہو سکے وسیم میں مر جاؤں گی۔ بولو کیا چاہتے ہو۔ میری زندگی یا موت؟ تم باوفا ہو سمیرا میں بے وفا۔ مجھے معاف کر دینا۔ تمہاری محبت کو میں سلام کہتا ہوں، میرے دل و دماغ میں ایک جنگ سی برپا تھی۔ سمیرا دنیا سے منہ موڑ کر قبر میں جا سوئی تھی اور میں دنیا کے دکھ سہنے اور اس کی یاد میں زندگی گزارنے کے لئے تنہا رہ گیا تھا۔ کچھ عرصہ تو روز یونہی آوارگی میں ادھر ادھر پھرنے کے بعد آنسوؤں کا ہار سجائے اپنے گھر آ گیا۔ جہاں شہناز کی شادی کے ہنگامے میرا استقبال کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا غروب آفتاب زردی مائل کیفیت میں سسکتے ہوئے دھرتی کو الوداع کہہ رہا تھا۔

❋◆❋

## غزل

یہ راہ وفا کی صلیب پر، دو اٹھانے کا شکریہ
بڑا پرخطر تھا یہ راستہ، تیرے لوٹ جانے کا شکریہ
تیری یاد جانے کس نجیس میں
میرے شعر و نغمات میں ڈھل گئی
یہ کمال ہے تیری یاد کا، مجھے یاد آنے کا شکریہ
مجھے خستہ حال دیکھ کر،
تیرے پھول سے ہونٹ کھل اٹھے
مجھے غم نہیں اس بات کا، تیرے مسکرانے کا شکریہ
یہ زمانے بھر کا اصول تھا، وہ اصول تو نے نبھا دیا
یہی رسم ٹھہرے گی معتبر، مجھے بھول جانے کا شکریہ

☆......راجہ فیصل مجید-کراچی

## غزل

مجھے اپنا کر چھوڑ دیا چلو اچھا کیا
عہد وفا کو بھلا دیا چلو اچھا کیا
جب روشنی کی ضرورت پڑی تجھ کو
تو نے میرا ہی گھر جلا دیا چلو اچھا کیا
خود کے لئے بنا لیا پھولوں کا بستر
مجھے کانٹوں پہ سلا دیا چلو اچھا کیا
کھیل کھیل میں ہی میرے پیار کو
تماشہ جو بنا دیا چلو اچھا کیا
اپنی ایک خوشی کی خاطر تم نے ثانی
مجھے اتنا رلا دیا چلو اچھا کیا
میں نے چاہا تھا تجھ کو دیوانوں کی طرح
مجھے پاگل جو بنا دیا چلو اچھا کیا

☆......انتخاب: فاروق احمد ثانی-چکوال

# میرا مسیحا کون؟

محمد خاں انجم-لدھے وال، دیپالپور

اہل زمیں سے گلہ ..... کرتی ہیں یہ بیٹیاں ..... ہوس انساں کی بھینٹ کیوں چڑھا ..... کرتی ہیں یہ بیٹیاں ..... عبرت ناک بربادیوں کا ..... جہنم کھودنے والو سنو! ..... پیغمبروں، ولیوں کو جنم دیا ..... کرتی ہیں یہ بیٹیاں ..... بنت آدم رہی کرتی فریاد ..... ہے میرا مسیحا کون؟ ..... کسی لئے ہر روز لٹا ..... کرتی ہیں یہ بیٹیاں ..... معصوم کلیوں کو ملنے والو! ..... محسوس جو کر سکو تو کرو تم ..... تمہاری مائیں بہی پیدا ..... کرتی ہیں یہ بیٹیاں..... سسکتی تڑپتی ہوئی معاشرے کو جھنجھوڑ دینے والی کہانی

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

جب وقت کی بے رحم لہریں اور سنگلاخ ساعتیں انسان کو کھلونا بنا دیتی ہیں تو ظلم کی انتہا کر دیتا ہے۔ صنف نازک کے وجود سے ہی سینۂ کائنات روشنی کی کرنیں بکھیرتا ہے۔ عورت کی محبت ہی اس کا سب سے قیمتی گہنا ہوتی ہے۔ کبھی کبھی تو یہ محبت عورت کی عزت و عصمت کے لئے چادر اور چاردیواری کے فرائض سرانجام دیتی ہے لیکن بعض اوقات یہی الفت اس کی عصمت دری کرنے میں اپنی تمام تر حدیں کراس کر جاتی ہے۔ ہمیں قدم قدم پر جیتی جاگتی بنت حوا دکھائی دیتی ہیں جو ہم لکھنے والوں کے قلم کو بھی خون کے آنسو رُلا جاتی ہیں۔ لکھاری اور شاعر ہمیشہ دور کی سوچ رکھتا ہے، اس کے فہم و ادراک اور عقل و شعور کے دائرے بہت وسیع ہوتے ہیں۔ ان سے ظلم، ناانصافی، بربریت اور انسانیت کے ساتھ مذاق ہوتا ہرگز نہیں دیکھا جاتا۔ اہل قلم کو معاشرے کی بعض تلخیاں رقم کرتے ہوئے نجانے خود کتنی بار آب دیدہ ہونا پڑتا ہے۔ یہ آنسو صرف پڑھنے والوں کے محتاج دعا ہوتے ہیں بلکہ قلم کی اصلاح کی ایک کڑی ہوتے ہیں۔

آج بارہ ربیع الاول کا مقدس سورج طلوع ہو چکا تھا۔ ہر سال کی طرح 2012ء میں بھی ہمارا گاؤں لدھے وال پوری آب و تاب اور جشن عید میلاد النبی ﷺ کی تیاریوں میں مصروف عمل تھا۔ ہر طرف چراغاں اور لائٹنگ پیارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آمد مبارک کی خوشی کا اعلان کر رہی تھیں۔ بے شک ہم مسلمانوں کی یہی سب سے بڑی عید ہوتی ہے۔ سارا دن قافلۂ محمد مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا واپس گاؤں میں اختتام پذیر ہو چکا تھا۔

شام پانچ بجے میں ایسے ہی کچھ ہلکی سی تھکاوٹ کے باعث اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ بیٹا دیکھنا باہر کون ہے۔ امی نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ کوئی بھیک مانگنے والی تھی۔ بابو جی! نیک دن ہے کچھ صدقہ خیرات دے دو، کوئی پرانا جوتی کپڑا مل جائے، بابو جی اللہ تیرا بھلا کرے۔ ایک معمر سی بزرگ خاتون اور ایک پھٹے پرانے کپڑوں میں لپٹی جوان سی لڑکی تی جو مسلسل صدا کئے جا رہی تھیں۔ جب میں نے غور سے اس لڑکی کو دیکھا تو اس کا ماند پڑتا ہوا حسن بالوں میں جمی گرد اور ہاتھ میں بڑے بڑے میلے سے بھرے مٹی سے بھرے جوتوں کی قید سے آزاد پاؤں سوالیہ سی نگاہیں

میری توجہ کا مرکز بن گئیں۔ مجھے ایک لمحے کے لئے ایسا لگا جیسے کسی نے ہیرے کو گودڑیوں میں زبردستی لپیٹ رکھا ہو۔ بابو جی! کچھ دو گے یا ہم و ہہ دو جا معاف کر۔ میں واپس لوٹ آیا، امی سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ امی نے سسٹر کے کچھ پرانے کپڑے ان کو دے دیئے اور مجھ سے پچاس روپے لے کر دے دیئے، کچھ آٹا بھی دے دیا۔ وہ بہت ساری دعائیں دیتی ہوئی چلی گئیں۔ بڑی اماں تو شکل سے مانگنے والی معلوم ہوتی تھی مگر وہ لڑکی جیسے ان کے قبیلے کی مجھے نہ لگی۔ بہت سارے سوال ساری رات میرے ذہن میں گردش کرتے رہے جیسے وہ لڑکی نہ ہو ایک ہیرا ہو جسے نجانے کون سی مجبوریاں اور حالات کی ستم ظریفیاں در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر رہی ہوں۔ صبح ناشتہ وغیرہ کر کے میں اپنی شاپ پر جا رہا تھا کہ راستے میں وہ دونوں پھر مجھے بھیک مانگتی دکھائی دیں۔ میں نے ایک نظر اس کو دیکھا مگر اس کی نگاہیں صرف زمین کا طواف کر رہی تھیں جیسے حیا میں لپٹا ہوا کوئی مجسمہ ہو۔

اس دن میں نے معلوم کیا وہ ہمارے گاؤں کے ایک طرف اپنا ٹھکانہ بنا کر بیٹھے تھے جس طرح اکثر خانہ بدوش عارضی سی جھگیوں میں آتے رہتے ہیں۔ میں دوپہر کو گھر آنے کی بجائے سیدھا ان کے ٹھکانے کی جانب گامزن ہو گیا۔ وہ صرف صبح صبح یا پھر شام کو بھیک مانگتی تھیں، دوپہر کو گاؤں کا رخ نہیں کرتی تھیں۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو بڑی بی بولی۔ اے بابو خیر تو ہے اپنے کپڑے تو واپس لینے نہیں آ گیا تو۔ نہیں نہیں۔ پھر کیا بات ہے؟ ہم اس طرح کسی مرد کو اپنی جھگیوں میں نہیں آنے دیتے، ایسے ہماری بدنامی ہوتی ہے، ہم اکیلی ہیں۔ ہمارے ساتھ والے لوگ دوسرے گاؤں میں چلے گئے ہیں، صبح ہم بھی چلے جائیں گے۔ بڑی ماں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں بھی ماں اور بہن والا ہوں، نجانے آپ لوگوں کے دکھ کیوں سننے کو دل کیا اور ادھر آ گیا۔ بڑی بی کو کچھ حوصلہ ہو گیا تو اس نے مجھے ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ نیلو پتر! اس نے لڑکی سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ یہ بابو اچھا لڑکا لگتا ہے، تیرے بھائیوں جیسا ہے۔ اس لڑکی نے آگے بڑھ کر مجھے صرف اتنا کہا۔ سلام بابو صاحب! ارے نہیں تم مجھے بھائی کہہ سکتی ہو، بھائی۔ ہاں بھائی! تو اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اس کی آنکھیں جیسے برستے برستے رک سی گئی تمہارا پورا نام کیا ہے اور تم بڑی ماں کی بیٹی ہو کیا؟ بیٹی...... میں کسی کی بیٹی نہیں، میرا کوئی نہیں، میرا کوئی نہیں۔ اتنا کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگی۔ بڑی بی نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں مجھے کہا۔ بابو! تو کیوں اس کا دکھ سننا چاہتا ہے۔ بڑی اماں! میں ایک لکھاری ہوں۔ وہ کیا ہوتا ہے؟ میری بات کو جیسے وہ سمجھ نہ پائی۔ میرا مطلب ہے میں رسالے میں لکھتا ہوں۔ آپ جیسے لوگوں کے دکھ سننا میرا شوق بھی ہے اور شاید فرض بھی۔ تو کیا تو نیلو کی کہانی لکھے گا۔ ہاں اگر آپ لوگوں نے مجھے اجازت دی اور پوری کہانی سنائی تو۔ نیلو، جس کا نام نیلم تھا (فرضی نام ہے) تھوڑی دیر اپنے آنسوؤں میں ڈوبی رہی پھر کچھ یوں محو بیاں ہوئی۔

میں کراچی میں پیدا ہوئی۔ دنیا میں آنے سے قبل ہی باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا اور میں نصیبوں جلی صرف اپنی ماں کی پہلی اور آخری اولاد ثابت ہوئی۔ میرا تعلق بہت غریب گھرانے سے تھا۔ ماں نے محنت مزدوری کر کے بڑی مشکل سے پرورش کی تھی اور اس عالم افلاس میں میں صرف پرائمری تک ہی تعلیم حاصل کر پائی اور پھر ماں کے ساتھ ہی لوگوں کی کوٹھیوں میں کام کاج کرنے لگی۔ میری ماں بھی مجھے اکیلا نہیں چھوڑتی تھی۔ ہم لوگ کرائے کے کچے سے مکان میں رہتے تھے۔ جب میں سکول جاتی تھی تو میری ماں تب بھی مجھے سکول چھوڑنے اور لانے جاتی تھی۔ پھر تھوڑی بڑی ہوئی تو میں نے سکول چھوڑ دیا۔ ہمارے پاس دس بارہ کوٹھیوں کا کام تھا ہر جگہ ہم ماں بیٹی اکٹھی جاتی تھیں اور شام کو اپنے چھوٹے سے گھر میں واپس آ جاتی تھیں۔ وقت محو سفر رہا اور میں بچپن سے نکل کر جوانی میں قدم رکھ چکی تھی۔ خدا نے مجھے نجانے کس فرصت میں بنایا تھا میرا حسن دیکھ کر لوگ کہتے تجھے تو کسی کی رانی ہونا چاہیے تھا۔ مگر شاید یہ خوبصورتی ہی میری بہت بڑی دشمن تھی۔ سماج کے بھیڑیے ازل سے لے کر ابد تک ہمیشہ وجود زن کو نگاہ ہوس سے ہی دیکھتے ہیں۔ اب میری ماں ہر وقت ڈرتی رہتی تھی کہ میں نیلو کی حفاظت کتنی دیر کروں گی، کوئی اچھا لڑکا مل جائے تو اس کا نکاح پڑھا دوں گی لیکن ہر کوئی ہماری غربت سے نفرت کرتا تھا۔

جمیل صاحب کی کوٹھی میں جو سرونٹ کوارٹر تھے ان میں ایک لڑکا رہتا جس کا نام طاہر تھا میں اور ماں جب بھی اس کوٹھی میں کام کرنے جاتیں طاہر کی تیکھی نظریں مجھے بڑے غور سے دیکھتیں مگر میں نے کبھی طاہر پر توجہ نہ دی تھی۔ طاہر جمیل صاحب کا ڈرائیور تھا۔ ایک دن موقع پا کر وہ میرے پاس اندر آ گیا، میں کچن کی صفائی میں مصروف تھی۔ نیلو کبھی آنکھ اٹھا کر ہمیں بھی دیکھ لیا کرو۔ طاہر مجھے تنگ مت کرو، ماں نے دیکھ لیا تو وہ مجھے اس کوٹھی میں کام پر نہیں آنے دے گی۔ میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں۔ نیلو...... ارے او نیلو! کدھر ہو ذرا میرے کمرے کی صفائی کر دے۔ بیگم صاحبہ کی آواز پر طاہر وہاں سے بھاگ گیا اور میں بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی۔

وقت گزرتا رہا اور ماں گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ کافی کمزور اور بوڑھی ہوتی جا رہی تھی اور کافی بیمار بھی رہنے لگی تھی۔ باقی ساری کوٹھیوں والے لوگ ہمیں صرف ہماری محنت ہی دیا کرتے تھے لیکن اس کوٹھی والے صاحب اور بیگم صاحبہ ہمارے ساتھ بہت تعاون کرتے تھے۔ ماں کی ساری دوائیاں بیگم صاحبہ خود لے کر دیتی تھیں۔ ایک دن ماں کی حالت شدید بگڑ گئی۔ میری ماں کو ڈاکٹروں نے چند دن کی مہمان قرار دیا، وہ کینسر جیسے خطرناک مرض کا شکار ہو چکی تھی۔ ماں کی حالت دیکھتے ہوئے بیگم صاحبہ نے مجھے اور ماں کو باقی سب کوٹھیوں پر کام پہ جانے سے روک دیا اور ہم نے وہ کرایہ کا گھر بھی چھوڑ دیا۔ اب ہر روز ماں سے اور مجھ سے گھر سے چل کر بیگم صاحبہ کی کوٹھی پر نہیں آیا جاتا تھا اس لئے بیگم صاحبہ نے ہمیں اپنی کوٹھی کے ایک کوارٹر میں ہی رہنے کے لئے جگہ دے دی۔ اب صرف میں کام کرتی تھی اور ماں اپنی بیماری کے باعث کوارٹر میں ہی آرام کیا کرتی تھی۔ طاہر اکثر مجھے تنگ کرتا رہتا تھا۔ اپنی محبت کے بڑے بڑے دعوے کیا کرتا تھا۔ کہتے ہیں پتھر کے اوپر بھی ایک ایک قطرہ پانی کا گرتا رہے تو ایک دن اسے بھی سوراخ ہو جاتا ہے۔ میں بھی انسان تھی، میرے سینے میں بھی دل دھڑکتا تھا اور پھر اب میں اور طاہر ہر وقت ایک ہی کوٹھی میں ایک ہی جگہ پر رہتے تھے رفتہ رفتہ میں بھی طاہر سے مانوس ہونے لگی تھی، اب ہم بات کر لیا کرتے تھے۔ مجھے طاہر پر کافی اعتماد ہو چکا تھا، کبھی کبھی ہم مل بھی لیتے لیکن ہمارے جذبات کنٹرول میں رہتے تھے۔ ہم نے کبھی محبت کی ساری حدیں کراس نہ کی تھیں۔ مزید کچھ دن گزرے تو ماں شاید زندگی کی جنگ لڑنے کے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ میری دنیا اس رات اندھیر ہو گئی جس رات ماں نے کراہتے ہوئے مجھ سے پانی مانگا مگر آہ فرشتہ اجل نے انہیں پانی پینے کی مہلت بھی نہ دی اور میں دوڑ کر ماں سے لپٹ کر رہ گئی۔ ماں کا وجود بے جان ہو چکا تھا اور کمرے کے روشن دان سے میری بلند چیخوں کی آوازیں پوری کوٹھی میں گونج رہی تھیں۔ ماں ...... ماں...... اتنے میں طاہر بھی آ گیا۔ بیگم صاحبہ اور صاحب بھی آ گئے۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا، مجھ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ تقدیر میری بے بسی پر ہنس رہی تھی، آنکھیں پتھرا سی گئی تھیں۔

یہ کون ہے...... جس کے ہونٹوں کے ......
چیتھڑوں پر ...... نیلاہٹ جم چکی ہے ...... ہر
احساس سے عاری...... جس کی آنکھیں لہو...... رو
رو کر...... تھم چکی تھیں ...... جس کے چہرے کی
یاسیت دیکھ کر...... صحراؤں کی پیاس...... بھی منہ
چھپائے ...... گرد زمانہ سے اٹے ...... جس کے
گیسو...... زندگی کی تھرتھراہٹ ...... تقدیر کی کشمکش
کی طرح...... الجھے ہوئے ہیں...... یہ ماں کسی کی
تھی ...... یہ ماں کون تھی ...... کچے سے گھر کے
دروازوں ...... میں بھی جس کی آنکھیں...... اپنی

ننھی گڑیا کی ...... ہوا کرتی تھیں منتظر...... اب
آنے والوں...... کی راہ تکتے تکتے یہ...... شمعیں
بھی گل ہوئی ہیں ...... اب دہلیز کی کھوکھ......
آہٹ کی امید سے ...... بانجھ ہو چکی تھی ...... یہ
کون ہے جو گھر کے...... اجاڑ صحن میں سپاٹ......
آنکھیں سلے ہونٹ لئے ...... سو رہی ہے، ہاں
...... یہ تو میری ماں ہے...... یہ تو میری ماں ہے

خدا کے لئے کوئی میری ماں کو منا دے۔ میری آہیں اور سسکیوں کے شور میں سب کی آوازیں دب کر رہ گئیں مگر جانے والے کب رکا کرتے ہیں۔ میری آنکھوں کے سامنے میری جنت کو زمین کی گود میں اتار دیا گیا۔ میں تنہا ہو گئی، آج میری ماں اور میرا باپ دونوں مر گئے تھے۔ وہ میرے لئے سایۂ شجر تھی، وہ میری کل کائنات تھی۔ اس کے بغیر میرا مسیحا کون تھا؟

قارئین کرام! میں نے نیلم کے آنسو دیکھے ہیں، میں خود نجانے کتنا رویا۔ اس وقت مجھے دنیا کی مظلوم ترین لڑکی لگ رہی تھی۔ کتنی دیر وہ روتی رہی مجھے کچھ اندازہ نہ ہو سکا۔ جب اس کی آنکھوں کا غبار تھوڑا سا تھم چکا تو اس کے ہونٹ لرز رہے تھے جیسے وہ کہہ رہی ہو اے — اے ماں...... اے ماں...... اے ماں!

ہے کون سا دیس جہاں تم چلی گئی
کون سی راہ تم نے سنگ میل کر دی
میں خاک کو پھر خاک پر چھوڑ آئی
رضائے الٰہی کی یوں تکمیل کر دی

وقت بہتے دھارے کی طرح چپ چاپ گزر جاتا ہے۔ ماں کے جانے کے بعد میں بہت بکھر گئی۔ طاہر نے مجھے تھوڑا حوصلہ دیا کہ نیلو مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ بڑی مشکل سے دو کو سنبھالا، ماں کا رسم قل ادا کرنے تک میں نے کوئی کام نہیں کیا۔ جمیل صاحب اور بیگم صاحبہ نے میرا کافی حوصلہ بندھایا لیکن سچ ہے کہ دولت اور غربت کا فرق بہت ہوتا ہے۔ وہ لوگ مجھے اپنی سگی بیٹی تو نہیں بنا سکتے تھے انہیں اپنے سٹیٹس کا خیال بھی تو رکھنا تھا۔ طاہر نے ایک دن جمیل صاحب سے بات کر ڈالی کہ صاحب میں نیلم کو پسند کرتا ہوں چونکہ اب وہ دنیا میں اکیلی رہ گئی ہے اس لئے میں اس کا سہارا بننا چاہتا ہوں۔ جمیل صاحب نے بیگم صاحبہ سے مشورہ کیا تو وہ بھی رضامند ہو گئیں کہ چلو نیلم کو سنبھالنے والا کوئی تو ہے۔ اکیلی جوان لڑکی کو یہ معاشرہ کب جینے دیتا ہے۔ اس طرح میں طاہر کے نام سے منسوب کر دی گئی۔ ہمارا چونکہ ابھی نکاح نہیں ہوا تھا۔ ایک دن طاہر کہنے لگا نیلو! میں چاہتا ہوں میں تمہیں اپنے گھر لے چلوں اور اپنے گھر والوں سے ملواؤں اور وہاں ہی ہم شادی کر کے ایک ہو جائیں گے۔ میں نے کہا۔ بیگم صاحبہ سے پوچھ لو۔ طاہر نے بیگم صاحبہ سے بات کی تو انہوں نے ہمیں طاہر کے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ یکم تاریخ کو طاہر کو تنخواہ ملی تو ہم طاہر کے گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔ طاہر کے والدین بقول طاہر، کراچی کے قریبی شہر کے رہائشی تھے۔

آج زندگی میں پہلی بار گھر سے کسی مرد ذات کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ مجھے طاہر پر اندھا اعتماد تھا پھر بھی ایک انجانا خوف طاری تھا۔ ہم لوگ اڈے پر اتر چکے تھے، طاہر نے ایک آٹو رکشہ لیا اور رکشہ بڑی تیزی کے ساتھ شہر کی سڑکوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا ایک محلے میں داخل ہوا اور ایک گھر کے سامنے ہمیں اتار دیا۔ اندر داخل ہونے تو ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس گھر میں کسی عورت ذات کی کبھی کوئی وجود نہ رہا ہو۔ نہ کسی بچے کی آواز آئی، نہ کوئی شور تھا۔ ایک خوبصورت سے لڑکے نے آگے بڑھ کر طاہر سے سلام دعا کیا۔ دو کمرے تھے، ساتھ چھوٹا سا کچن، درمیانہ سا صحن اور ایک واش روم پر مشتمل یہ سادہ سا گھر دیکھ کر مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ طاہر یہ لڑکا کون ہے اور تمہارے امی ابو کدھر ہیں؟ یہ میرا چھوٹا بھائی ہے اور امی ابو ذرا کسی شادی کی تقریب میں گئے ہوئے ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے طاہر صاف جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ لڑکا شکل وصورت سے کسی طرح بھی طاہر کا بھائی نہ لگتا تھا۔ مجھے ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا اور وہ لڑکا اور طاہر باہر صحن میں خوش گپیوں میں مصروف ہو



گئے۔ وہ دونوں بڑے بے باک انداز میں باتیں کر رہے تھے اور خوب قہقہے لگا رہے تھے۔ میں نے ایک لمحے کے لئے ذرا ان کی باتوں پر توجہ دی تو میرے ہوش اڑ گئے۔ طاہر کہہ رہا تھا۔ دیکھ جانی کیسا پیس لایا ہوں، کراچی کا سب سے خوبصورت تحفہ ہے نیلو۔ اپنے تو دن رات رنگین ہو جائیں گے، خوب انجوائے کریں گے۔ مجھے چکر سا آ گیا مگر میں نے ہمت کر کے دروازہ زور سے کھول دیا۔ وہ مجھے ایک دم سامنے پا کر گھبرا گئے۔ طاہر کیا بکواس کر رہے ہو؟ اچھا تو تم نے سن لی ہیں ہماری باتیں۔ ہاں سن لی ہیں، پھر یہ بھی جان لو کہ میں صرف تمہیں شادی کا جھانسا دے کر یہاں لایا ہوں میرا گھر کسی اور شہر میں ہے جس کا جمیل صاحب کو بھی معلوم نہیں ہے۔ میرے ایک سے زیادہ شناختی کارڈ ہیں۔ جمیل صاحب کے پاس میرا ایڈریس لاہور شہر کا ہے مگر وہ بھی دو نمبر ہے۔ اس لئے تمہاری بیگم صاحبہ اور جمیل صاحب بھی مل کر مجھے تلاش نہیں کر سکتے۔ میرا تو کام ہی یہی ہے کچھ عرصہ کوٹھی پر جاب کرتا ہوں اور کسی نہ کسی دوشیزہ کو گھیر لاتا ہوں۔ تم میرا تیسرا شکار ہو۔ چپ چاپ اندر چلی جاؤ تو بہتر ہے، شور کرو گی تو یہیں مار کر گڑھا کھود کر اس صحن میں تمہاری لاش دبا دوں گا، جاؤ اندر۔ وہ بالکل وحشی لگ رہا تھا۔ میں نے دوڑ کر اس کے پاؤں پکڑ لئے۔ طاہر پلیز کہہ دو یہ سب جھوٹ ہے، تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور ہماری شادی ہو گی۔ تمہاری شادی ضرور ہو گی مگر چند دنوں کے لئے آہا محبت کون سی محبت؟ محبت کرتی ہے سالی...... چلو اندر۔ طاہر نے مجھے دھکیلتے ہوئے زبردستی کمرے میں بند کر دیا اور میں اپنی بدنصیبی پر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

شام ہو چکی تھی مجھے اپنی عصمت و عزت نیلام ہوتی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ آج مجھے ماں شدت سے یاد آ رہی تھی۔ ماں کاش! تو دنیا میں ہوتی۔ ماں تو مجھے ایک پل کے لئے بھی اکیلا نہ چھوڑتی تھی۔ اے میرے مولا آج ایک حوا کی بیٹی کو برباد ہونے سے بچا لے۔ مگر شاید قبولیت کے لمحے میری پہنچ سے بہت دور تھے۔ تقریباً رات کے نو بجے طاہر اور وہ لڑکا کمرے میں داخل ہوئے تو کھانا وغیرہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ نیلو! لے کھانا لے۔ مجھے نہیں کھانا، طاہر پلیز مجھے مار ڈالو مگر مجھے کچھ مت کہنا۔ یہ دیکھ میں اپنا دوپٹہ تیرے پاؤں میں رکھتی ہوں۔ مجھے کوئی داغ مت لگانا۔ ارے میری جان داغ دھل ہی جاتے ہیں اور وہ زور سے ہنس پڑا اور پھر...... اور پھر...... انسانیت کی سرعام تذلیل ہونے لگی۔ میری سسکیاں عرش عظیم تک نہ پہنچ سکیں، فرعون محبت نے وحشت کی انتہا کر ڈالی۔

اہل زمیں سے گلہ...... کرتی ہیں یہ بیٹیاں
...... ہوس انساں کی بھینٹ کیوں چڑھا...... کرتی
ہیں یہ بیٹیاں ...... عبرت ناک بربادیوں کا......
جہنم کھودنے والو سنو!...... پیغمبروں، ولیوں کو جنم
دیا...... کرتی ہیں یہ بیٹیاں ...... بنت آدم رہی
کرتی فریاد...... ہے میرا مسیحا کون؟...... کسی لئے
ہر روز لٹنا...... کرتی ہیں یہ بیٹیاں ...... معصوم کلیوں
کو ملنے والو!...... محسوس جو کر سکو تو کرو تم ......
تمہاری مائیں بھی پیدا...... کرتی ہیں یہ بیٹیاں

میں چلاتی رہی تڑپتی رہی اور واسطے دیتی رہی کہ طاہر تمہارے گھر میں بھی ماں اور بہن ہو گی، خدا کے واسطے مجھے برباد مت کرو مگر وہ تو درندہ بن چکا تھا، اس کی آنکھوں میں ہوس کے سائے مزید گہرے ہوتے چلے جا رہے تھے اور میں مسلسل ایک ماہ تک ہر روز جیتی اور ہر روز مرتی رہی۔ کئی بار خودکشی کرنے کی کوشش بھی کر ڈالی مگر شاید اوپر والے کو میری موت بھی ناقابل قبول تھی۔ میری آہیں اندر دب کر رہ گئیں، میرے سب واسطے بیکار جاتے رہے...... آہ میرے نصیب...... میں فلک کے مالک سے رو رو کر پوچھتی رہی۔ پروردگار اس جہاں میں میرا مسیحا کون؟ میرا ہمدرد کون؟ میرے سر پہ دوپٹہ واپس کرانے والا کون؟ میرے جڑے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھنے والا کون؟ ہائے ماں ہائے ماں تو کیوں مجھے تنہا کر گئی؟ آ کے دیکھ آج تیری نیلو اپنا تحفظ نہ کر سکی اور خود کو لٹا بیٹھی۔

قارئین کرام! بڑی دیر سے خود کو بڑی مشکل سے سنبھالے نیلم پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور میں بھی بنت آدم کی اتنی بے بسی پر اپنے آنسو ضبط نہ رکھ سکا۔ مگر مجھے

شاید اسے حوصلہ دینا تھا جو کوشش کے باوجود میں اسے دے نہیں پا رہا تھا۔ نیلو کے آنسوؤں نے میرے اندر کے انسان کو جھنجھوڑ ڈالا۔ جو قومیں اور جو معاشرے اپنی عزتوں کے پاسدار نہ رہیں ان پر ہمیشہ زوال آتے ہیں۔ قرآن پاک میں ایسی قوموں کی سرگزشت بڑے واضح الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ اگر ہم اپنی سوچ کا موازنہ کریں تو شاید ہم اشرف المخلوقات تو کیا انسان کہلانے کے حقدار بھی کبھی نہ ٹھہریں۔ بابو! کیا سوچ رہا ہے تو ہی نیلو کو چپ کرا ناں۔ بڑی بی کی آواز پر میں قدرے اپنی سوچوں سے باہر آیا تو نیلم ابھی تک رو رہی تھی۔ میں نے بڑے حوصلے کے ساتھ اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور غموں سے ماری نیلو کو کوئی سائباں مل گیا ہو۔ بڑی مشکل سے پھر وہ بولنے لگی۔

ایک دن جب طاہر اور اس کا وہ عیاش دوست بہت زیادہ شراب نوشی کی وجہ سے بے ہوش ہو چکے تھے میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور بے ہوش پڑے طاہر کی جیب سے باہر والے مین گیٹ کی چابی نکالی اور آہستہ سے لاک کھول کر چپ چاپ ان درندوں کی قید سے آزاد ہو کر انجانی منزل کی جانب روانہ ہو گئی۔ شام ہو چکی تھی، میری کوئی منزل نہ تھی، قدم قدم پر گماں ہونے لگا کہ نجانے طاہر کے روپ میں اور کتنے وحشیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں مر جانا چاہتی تھی، مجھے اپنا وجود اس پاک دھرتی پر لے کر چلنے کا شاید کوئی حق نہ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کسی مین روڈ پر چڑھ کر کسی ایکسیڈنٹ کا شکار ہوتی یا کسی کنویں میں چھلانگ لگا دیتی۔ اس محلے کی ایک گلی میں مجھے یہ اماں بھیک مانگتی دکھائی دی۔ مجھے شدید بھوک لگی تھی، میں نے ان سے کچھ کھانا مانگا۔ اے لڑکی تو اکیلی ہے کیا اور اتنی شام کو کہاں بھاگی جا رہی ہے، گھر سے لڑ کر نکلی ہو کیا؟ نہیں اماں میرا کوئی گھر نہیں۔ کیا مطلب؟ تو میں نے اماں کو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا سمجھ کر تھوڑا آگے نکل کر اپنی ساری کہانی سنا ڈالی۔ اماں میں مرنا چاہتی ہوں۔ خبردار لڑکی موت برحق ہے مگر مرنے کا فیصلہ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ آ تو میرے ساتھ چل، آج سے تم میری بیٹی ہو۔ میرا بھی اس دنیا میں کوئی نہیں، میں مانگ کر گزارہ کرتی ہوں۔ ایک تو تم میرے ساتھ میلے کچیلے لباس میں بھیک مانگنے والی بن کے رہو گی تو اب کوئی درندہ تمہیں اچھے لباس میں نہ پا کر تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ اماں پہلے تم جلدی سے اس علاقے کو چھوڑ دو کہیں وہ شیطان طاہر مجھے تلاش کرتا ہوا مجھ تک پہنچ نہ جائے، باقی پھر دیکھوں گی۔ ہم شام کے گہرے اندھیرے میں اماں کی جہاں پکھی لگی ہوئی تھی دونوں اس طرف بڑھتی چلی گئیں۔ کافی دور شہر سے باہر اماں کا ٹھکانہ تھا۔ اماں کی پکھی کے ساتھ اور بھی کافی پکھیاں لگی تھیں، باقی ساری پکھیوں والے مجھے عجیب و غریب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ بہرحال اماں نے سب کو میری کہانی سنا دی اور باقی لوگ قدرے مطمئن ہو گئے۔ زیادہ بچے اور عورتیں ہی تھیں جو جہاں بھی اپنا ڈیرہ ڈالتے صبح اور شام کو اسی علاقے میں ہی بھیک مانگنے لگتے۔ اماں صبح ہوتے ہی ہمیں یہ شہر چھوڑنا ہو گا۔ تو فکر نہ کر ہم صبح سویرے ہی اپنا سامان باندھ لیں گے۔ مجھے مدتوں بعد سکون ملا تھا جہاں میں اب بیٹھی تھی، وہاں کوئی مکان تو نہ تھا اچھا کھانا تو نہ تھا مگر یہاں بہت سکون تھا۔ میں ساری رات بڑی اماں کے پاؤں دباتی رہی۔ آج نجانے کیوں ماں مجھے کھل کر یاد آئی۔ اماں تو سارے دن کی تھکی ہوئی تھی سو گئی مگر میں اپنے ماضی کو یاد کر کے روتی رہی۔

صبح ہم نے کسی دوسرے شہر کا رخ کر لیا۔ اب میں رفتہ رفتہ اسی ماحول کو اپنا چکی تھی اور ایک دن میں نے اماں سے کہا۔ اماں اگر تم مجھے بھی کراچی جمیل صاحب کے گھر پہنچا دو تو تمہارا احسان کبھی نہ بھولوں گی۔ نیلو! تم جھلی ہو گئی ہو۔ ایک تو اتنے بڑے شہر میں ان کا کوئی اتا پتہ معلوم نہیں، دوسرا اگر تم وہاں پہنچ بھی گئی تو کل کو کیا پتہ تجھے کوئی اور درندہ مل جائے۔ بہتر ہے زندگی کے باقی جتنے دن ہیں میرے ساتھ گزارہ کر۔ اماں کی بات مجھے بہت اچھی لگی اور میں اب اماں کے ساتھ ہی رہتی ہوں۔ یہاں کم از کم میں محفوظ تو ہوں۔ بڑے لوگ آپ کی طرح اماں سے میرے بارے میں پوچھتے ہیں مگر اماں سب سے یہی کہتی ہے کہ نیلو میری سگی بیٹی ہے۔ مجھے ماں یاد تو آتی ہے لیکن پھر تقدیر کا لکھا سمجھ کر خاموش ہو جاتی ہوں۔ یہ میری ماں ہے اور میرا مسیحا بھی ہے بلکہ میری کل کائنات ہے۔ اب ہم زیادہ تر پنجاب کے علاقوں میں گھومتی رہتی ہیں۔ مجھے آج بھی کراچی اور اور سندھ کے علاقوں سے خوف آتا ہے اور میں اپنے ماضی کے بارے میں سوچ کر لرز جاتی ہوں۔ مجھے محبت اور اعتماد میں شکست ملی ہے۔ میری کہانی پڑھنے والی تمام بہنوں سے گذارش ہے کہ محبت صرف اپنے رب سے کریں، دنیاوی محبت صرف ایک دھوکہ ہے۔ میں نے ساری زندگی اس محبت سے پوچھا کہ ہے...... میرا مسیحا کون؟ ...... تو جواب یہی ملا صرف رب کی ذات ہی ہر کسی کا سب سے بڑا مسیحا ہے۔ میری دعا ہے کہ کوئی حوا کی بیٹی میری طرح نہ لٹے۔

محترم قارئین کرام! سورج غروب ہو رہا تھا، شام ہو چکی تھی میں نے ایک بار پھر نیلم کے سر پر دست شفقت رکھا اور بڑی بی سے اجازت لے کر گھر لوٹ آیا۔ ساری رات مجھے نیلم کے آنسو اس طرح نظر آتے رہے۔ صبح میں نے امی کو اپنے ساتھ لیا نیلم کے لئے ایک نیا سوٹ خریدا نئی جوتی خریدی، میں اور امی جان جب وہاں پہنچے تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہاں صرف ہمیں چند اینٹوں اور لکڑیوں کی راکھ کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ بڑی اماں اور نیلم شاید کسی اگلے گاؤں جا چکی تھیں۔ تب مجھے یاد آیا کہ بڑی اماں کل ہی کہہ رہی تھی ہمارے ساتھ والے آگے جا چکے ہیں صبح ہم بھی چلے جائیں گے۔ امی جان اور میں نیلو کو نئے کپڑے جوتی جو دینے کا ارمان دل میں لئے گھر لوٹ آئے۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا تو وہ جگہ جہاں نیلم اور بڑی اماں کی پکھی لگی تھی وہ زمین جیسے مجھ سے کہہ رہی ہو۔

یہ روتی ہوئی آنکھیں یہ تماشا کون؟
یہ بنت آدم کون یہ احتجاج سراپا کون؟
کون میرے سر پہ دوپٹہ ڈالے ہے
میرا مسیحا کون، میرا مسیحا کون؟

یہ کہانی لکھتے وقت میرا قلم خون کے آنسو رویا ہے۔ قارئین کی تنقیدی و تعریفی آراء کا منتظر رہوں گا۔

○❀○

## غزل

آیا تھا زندگی میں وہ آ کر چلا گیا
وہ شخص میرا آشیاں گرا کر چلا گیا
کہتا تھا خوشیاں بیچ کر خریدوں گا تیرے غم
عمر بھر کا غم میری زندگی کو لگا کر چلا گیا
کبھی جو لکھتا تھا ہواؤں میں میرا نام
اب اپنے دل سے میرا نقش مٹا کر چلا گیا
دنیا کی رونقوں میں کبھی جو ہمسفر رہا
صحراؤں کے رستے پہ مجھے لگا کر چلا گیا
لاتا تھا چمن سے چن کے میرے لئے وہ پھول
اب کانٹے میرے رستے میں بچھا کر چلا گیا
وہ بیچ کر میری وفاؤں کو سر عام
غیروں میں اپنی قیمت بڑھا کر چلا گیا
اس کے گھر میں رہیں گے چراغوں کو جگر کا خون
میری زندگی کے چراغ جو بجھا کر چلا گیا
سوچا تھا سنائیں گے اسے داستان دل
وہ میری ہی زندگی کا افسانہ سنا کر چلا گیا

## غزل

وہ اتنے نکلے آگے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا
ہم اس کے پیچھے بھاگے اس نے مڑ کر نہیں دیکھا
کرتے ہیں محبت اسے اس کی سوچ سے بھی زیادہ
جہاں روکا ہے وہاں کھڑے ہیں آگے بڑھ کے نہیں دیکھا
ہم نے اس کی چاہت میں خود کو کر ڈالا برباد
اب مریں گے کتنی بار پہلے مر کے نہیں دیکھا
کبھی ہے دنیا کرن چاہت ہوئی ناکام
ہم نے کبھی کسی سے پیار کر کے نہیں دیکھا

☆......کشور کرن۔ چنوکی

# قسمت کے کھیل نرالے

......راشدہ- پتوکی

جہاں اس نے بچہ پھینکا تھا دیکھا تو لڑکا اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے گھاس پکڑ کر کنارے پر ہے اس کا سر باہر تھا باقی پانی میں ڈوبا ہوا تھا لڑکی نے اپنے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کا بچہ زندہ تھا وہ سمجھی کہ اب اسے رحم آگیا ہے یہ نکال لے گا مگر اس نے نکالنے کے بجائے اس بچے کے سر پہ ہاتھ رکھ کر نیچے پانی میں ڈبونے کی کوشش کی تو اسے کسی چیز نے ڈس لیا وہ کنارے پر ہی گرا اور گرتے ہی کالا سیاہ ہو گیا

اس کہانی میں شامل تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔

قارئین! یہ جو کہانی میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہی ہوں بالکل سچ ہے یہ میری ایک دوست نے سنائی تھی جو میں آپ کو اسی کی زبانی سناتی ہوں۔

قارئین! میرا نام سجادہ ہے اور یہ کہانی میرا آنکھوں دیکھا واقعہ ہے۔ ہمارے گاؤں میں بلکہ محلے میں ایک لڑکی کی شادی دوسرے گاؤں میں ہوئی تھی وہ اپنے گھر میں بہت خوش تھی اتنی خوشی تو شاید اسے اپنے ماں باپ کے گھر نہ ملی ہوگی جتنی سسرال میں ملی، ملتی بھی کیوں نہ جو لڑکیاں اپنے ماں باپ کی عزت کا خیال رکھیں خدا ان کی خوشیوں کا خیال کرتا ہے وہ اپنے سسرال میں چمکتا ہوا چاند تھی جس کی لو سے پورے گھر میں چمک تھی کسی کی خوشی دنیا والے برداشت نہیں کرتے اسے اپنے سسرال میں ایک سال گزر چکا تھا جو راج کرتے کرتے اپنے گلشن کو مہکانے اور گل کھلانے تو تیار ہو گئی کسی کسی لوگوں میں یہ رسم و رواج ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو پہلے بچے کی پیدائش یہ اپنے گھر لے آتے ہیں اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا اس کا بچہ پورے دن کا تھا اس کے ماں باپ لے آئے پھر وہ اس دن کا بہت بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔ آخر وہ دن بھی آ گیا جب اس کا انتظار ختم ہوا اس کے دن پورے ہو گئے اس کے گھر میں امید کی کرن چمکتی ہوئی آئی

اس کی قسمت کا ستارا جگمگانے لگا اور خدا نے اسے ایک پھول جیسا خوبصورت بیٹا دیا جسے پا کر وہ دنیا بھر کی خوشیاں حاصل کر سکی اسے اپنا آپ بھول گیا اپنی تمام توجہ اپنے بیٹے پر رکھی اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی اور خدا کا شکریہ ادا کرتی اس کے سسرال میں پیغام بھیجا دونوں گھروں میں خوشی منائی گئی۔ باپ نے اپنے خاندان میں لڈو بانٹے سسرال نے اپنے میں ہوتے ہوئے وہ لڑکا ایک ماہ پندرہ دن کا ہو گیا یعنی سوا مہینہ پورا ہوا تو سسر لینے آ گیا۔ بہو بہت خوش تھی اپنے بچے کو تیار کیا اور اپنے سسر کے ساتھ چل پڑی گرمی کا موسم تھا وہ دونوں گاؤں سے پیدل نکلے اور گاؤں سے باہر آ کر سائیکل پہ بیٹھ گئے۔ سائیکل نہر کے ساتھ ساتھ ایک کچی سڑک پر لگا دی جو راستہ شارٹ کٹ تھا۔ تھوڑی دور جا کر سائیکل پنکچر ہو گئی وہ دونوں پیدل چلنے لگے لڑکی نے اپنے بچے کو گرمی سے بچانے کے لئے ایک کپڑا اس کے اوپر دے دیا اور سسر بہو باتیں کرتے چلتے جا رہے تھے کوئی انسان دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ آخر ایک موٹر سائیکل سوار گزرا جو پیچھے سے آیا تھا، ان کے پاس جا کر رکا اور بولا۔ بابا جی کہاں جانا ہے؟ بابا بولا۔ بیٹا ایک گاؤں چھوڑ کر دوسرے گاؤں جانا ہے تو وہ بولا۔ بابا بیٹھ جاؤ میں چھوڑ دوں گا۔ بابا بولا۔ نہیں بیٹا میں

اور میری بیٹی تو بیٹھ جائیں گے مگر سائیکل کا کیا کریں گے۔ وہ بولا۔ ہاں یہ بات تو ہے چلو ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں۔ بابا نے اسے دعائیں دیں وہ چلا گیا کچھ دور جانے کے بعد پھر واپس آ گیا بولا۔ بابا جی تم تو گرمی میں پیدل چلو اس بی بی کو بیٹا دو میں چھوڑ دوں گا اس کا چھوٹا سا بچہ ہے کہیں گرمی کی وجہ سے بیمار نہ ہو جائے بابے نے کچھ سوچا اور بولا۔ بیٹی تو جا میں آ جاؤں گا۔ بیٹی نے انکار بھی کیا مگر بچے کی وجہ سے اس نے بٹھا دیا لڑکی گھبرائی ہوئی بیٹھ گئی۔ وہ آدمی بہت دور نکل گیا یعنی وہ بابا جی سے بہت دور تھا ایک جگہ یہ رکا اور لڑکی سے بچہ چھیننے لگا لڑکی نے شور کیا مگر اس کا شور ویران جگہ میں کون سن سکتا تھا پھر مرد اور عورت کی طاقت کا زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ آخر اس نے عورت کو تھپڑ مارا اور بچہ چھین لیا چھوٹا معصوم بچہ لے کر اس ظالم نے نہر میں پھینک دیا اور عورت کو زبردستی بٹھا کر آگے چلا گیا کچھ دور جا کر پھر رکا عورت روتی رہی اور ڈرتی رہی کہ اب یہ درندہ پتہ نہیں کیا کرے گا اس نے بائیک موڑی اور واپس ہو گیا اسی جگہ پہ آیا جہاں اس نے بچہ پھینکا تھا دیکھا تو لڑکا اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے گھاس پکڑ کر کنارے پر ہے اس کا سر باہر تھا باقی پانی میں ڈوبا ہوا تھا لڑکی نے اپنے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کا بچہ زندہ تھا وہ سمجھی کہ اب اسے رحم آ گیا ہے یہ نکال لے گا مگر اس نے نکالنے کے بجائے اس بچے کے سر پہ ہاتھ رکھ کر نیچے پانی میں ڈبونے کی کوشش کی تو اسے کسی چیز نے ڈس لیا وہ کنارے پر ہی گرا اور گرتے ہی کالا سیاہ ہو گیا پھر کیا تھا وہ لڑکی خوش بھی تھی اور اس درندے کی لاش دیکھ کر پریشان بھی اور رو رہی تھی کہ اگر میں بچہ پکڑوں گی تو ہو سکتا ہے وہ چیز مجھے بھی ڈس لے اور میرا بیٹا پھر دنیا میں جینا بھی چاہے تو جی نہ سکے گا۔ اس نے روتے ہوئے پیچھے دیکھا دور سے اس کا سسر نظر آیا لڑکی نے اس کی طرف دوڑنا شروع کر دیا جب بابے نے دیکھا کہ میری بہو خالی ہاتھوں میری طرف آ رہی ہے تو اس نے سائیکل پھینکی اور دوڑ لگا دی۔ ایک دوسرے کے پاس آ کر وہ لڑکی نے بڑی مشکل سے اپنے الفاظ قائم کیے اور بولی کہ ابو جس کے ساتھ مجھے بٹھایا تھا وہ ایک انسانی روپ میں درندہ تھا جسے میرا بیٹا نہر میں پھینک دیا مگر بچہ ابھی زندہ ہے یہ سن کر دونوں دوڑے جب پاس آئے تو وہ بچہ باہر خشکی پہ تھا جسے ایک بہت بڑے سانپ نے بل دے کر بٹھا رکھا تھا اور اپنا منہ اس کے آگے کیا ہوا تھا جس کے ساتھ بچہ اپنا پریم جتا رہا تھا پھر اور پاس ہی اس کی سڑی ہوئی لاش پڑی تھی۔ ان دونوں نے رو رو کر برا حال کر لیا آس پاس کوئی مدد کے لئے بھی نہیں تھا وہ عورت اب اگر بچہ پکڑے تو سانپ اسے ڈسے گا دونوں روتے رہے خدا سے دعا کرتے رہے پھر آدمی نے سوچا میں کہیں جا کر کسی کو بلاتا ہوں اور پولیس کو اطلاع کرتا ہوں۔ پھر وہ دوڑا آگے کچھ دور سوسو مائنڈر تھا جہاں فون کی سہولت تھی وہ وہاں گیا سب تفصیل سے بتایا اور فون کیا پولیس کو بھی اور اپنے گاؤں میں بھی گاؤں میں فون ہوتے ہی اعلان ہو گیا اعلان سنتے ہی گاؤں والے دوڑے کچھ لوگ مدد اور کچھ تماشہ دیکھنے والے تھے ادھر پولیس آ گئی اب اس کشمکش میں تھے کہ اگر عورت بچہ پکڑے تو عورت کو سانپ ڈسے گا اگر سانپ کو مارا تو وہ بچہ کو مار دے گا عورت روتی رہی بچہ کھیلتا رہا پھر ایک پولیس والا جو دیکھنے میں مولوی لگتا تھا ایک ورد بتایا کہ بچہ کی ماں وہ پڑھ کر پھونک مارے اور آنکھیں بند کر کے اپنے بچے کو پکڑے تو عورت نے ایسا ہی کیا جیسے ہی اس نے بچہ کو ہاتھ لگایا سانپ غائب ہو گیا۔ سچ ہے جسے اللہ رکھے اسے کون مار سکتا ہے۔ ایک بے گناہ معصوم بچے کو خدا نے زندگی دے کر بھیجا ہے وہ ظالم کیسے مار سکتا تھا اور وہ سانپ تو خدا نے ایک فرشتہ سانپ کی شکل میں بھیجا تھا جس نے آتے ہی بچہ کو پانی سے باہر نکال دیا۔ پھر وہ لاش پولیس لے گئی اور بچہ ماں لے گئی۔

قارئین! حقیقت ہے آنکھوں دیکھا حال ہے اور لکھنے کا انداز کیسا لگا اپنی رائے سے آگاہ کریں اور آئندہ بھی حوصلہ افزائی کرنا۔





# "جواب عرض" کی ہردلعزیز شاعرہ کشور کرن کی شاعری

## غزل

مجھے ہنسا سکھا کر تم نہ پھر رستہ بدل جانا
نئے رستہ پہ لا کر تم نہ پھر رستہ بدل جانا
لوگوں کی نظر سے بچا کے رکھتے ہو کیوں خیال اتنا
میری خواہشیں بڑھا کر تم نہ پھر رستہ بدل جانا
دنیا چھین لیتی ہے اک دوجے سے محبوب کو
کسی کی باتوں میں آ کر نہ پھر رستہ بدل جانا
لڑیں گے ہم طوفانوں میں اک دوجے کی تھام کر باہیں
ہواؤں سے لڑ کر تم نہ پھر رستہ بدل جانا
زمانے میں ہیں بے شمار بدنام اونچے محل
میرا رہت کا گھر بنا کر تم نہ پھر رستہ بدل جانا
ہر اک چہرے پر غم کی داستاں لکھی ہے کرن
میرے سب غم مٹا کر تم نہ پھر رستہ بدل جانا

## غزل

روٹھا ہوا وہ شخص ہم منا ہی نہ پائے
اور اس کے تیور کو ہم بھلا ہی نہ پائے
غلطی بھی اس کی تھی اور روٹھا بھی وہی تھا
ہم سچے تھے پھر بھی اس سے نظر ملا ہی نہ پائے
دل پہلے ہی زخموں سے میرا چور چور تھا
ہم پھر کر یہ دل اسے دکھا ہی نہ پائے
چھپا ہے اک ساون میرے کاجل کی اوٹ میں
اس کے آگے اک اشک بھی ہم بہا ہی نہ پائے
لکھتے رہے مہندی سے ہتھیلی پہ اس کا نام
ہاتھوں کی لکیروں میں اسے بسا ہی نہ پائے
دیا جب درد اس نے بھی تو دل سے آہ سی نکلی
شاید کرن اب یہ دل اسے بھلا ہی نہ پائے

## غزل

زمانہ خوش ہوتا ہے ہونٹوں کی مسکان چھین کر
زمانہ نام بناتا ہے زبان سے نام چھین کر
ہم تب خوش ہوں گے جب ملیں تمہیں خوشیاں
ہم لے آئیں گے زمانے سے تیری خوشیاں تمام چھین کر
آکاش کے چمکتے ستاروں کو جوڑ کر
ہم آسماں سے لے آئیں گے تیرا نام چھین کر
جنگلوں میں کھلے تھے ہم نے جو تیرے لئے
لے آئیں گے ان ذروں سے پیغام چھین کر
میری خوشیاں میری ہنسی میری آنکھوں کے یہ سپنے
لے جاؤ کرن مجھ سے سانسیں تمام چھین کر

## غزل

شب تنہائی ہی اپنوں کو مار دیتی ہے
یار کی جدائی ہی اپنوں کو مار دیتی ہے
کوئی مرتا نہیں کسی کے نام کی موت کبھی
بس بے وفائی ہی اپنوں کو مار دیتی ہے
کیا صلہ دیتے ہیں انساں اک چاہت کا
یہاں رسوائی ہی اپنوں کو مار دیتی ہے
جس کے لئے جیتا ہے انسان کتنی خواہشیں لے کر
اس کی لاپرواہی ہی اپنوں کو مار دیتی ہے
جس کے لئے عمر بھر آنکھوں میں سجے ہوتے ہیں سپنے
کرن اسی کی آنکھوں کی آشنائی سپنوں کو مار دیتی ہے

## غزل

جذبوں کا اک لاوہ چھپا کر مسکرا بیٹھے
آگ اپنے ہی نشیمن کو ہم لگا بیٹھے
آیا جب وقت ہمارے امتحان کا
جو لکھا تھا انجانے میں وہ مٹا بیٹھے
دل نہ توڑا ہم نے کبھی کسی کا بھی
پھر بھی زمانے کو اپنا دشمن ہم بنا بیٹھے
چاند سے کی دوستی تو برا سا لگا ہمیں
سورج سے ہم دوستی کا ہاتھ بڑا بیٹھے
کر رکھے تھے قید ہم نے سپنوں کے پنچھی
کھول کر آنکھیں کرن وہ خود ہی اڑا بیٹھے

## غزل

پیار محبت عشق اور چاہت دھوکا ہے
خودغرضی کی دنیا میں کون کسی کا ہوتا ہے
کھو کر دیکھا سب کچھ ہی پانے کے قابل کچھ نہ رہا
یہاں جو بھی کسی کا ہوتا ہے وہ تنہا بیٹھ کے روتا ہے
کرتا ہے جو جان سے بڑھ کر پیار عمر نادانی میں
وہ انسان زندگی بھر رسوا دنیا میں ہوتا ہے
پیار جسے ہو بند آنکھوں سے وہی پچھتاتا رہتا ہے
رستے کی پہچان نہیں جتنا بھی دشوار ہوتا ہے

## قطعہ

جیتے جیتے انسان کو دعائیں سب ہی دیتے ہیں
دولت مند یارانے کو وفائیں سب ہی دیتے ہیں
نہ ہو اک وقت کی روٹی کسی غریب کے گھر میں
ایسے وقت میں اس کو سزائیں سب ہی دیتے ہیں
جلتا ہے جب دل کسی کا اپنے محبوب کی آتش میں
دیکھنے والے پھر اس کو ہوائیں سب ہی دیتے ہیں

[illegible]...... کشور کرن
چوکی

# گلشن ناز کی دکھوں بھری شاعری

## شہزادہ جی کے نام

"جواب عرض" کی جو شان تھا
جو ٹوٹے دلوں کی جان تھا
ہر فسانے کا وہ عنوان تھا
جو اندھیروں میں بھی روشنی پہ عیاں تھا
وہی دکھوں کی نگری کا سائبان تھا
جس کو تھی الفت ہماری تحریروں سے
وہی ہماری سوچوں کے گلشن میں رہبرو رہنما تھا
وہ مٹی سے بنا اک مجسمہ دلنشیں تھا
رہتا تو وہ زمیں پہ تھا
پر شیشے کے محلوں کا وہ مکیں تھا
سب کے دلوں پہ راج تھا جس کا
جو ہمارا کل تھا وہی ہمارا آج بھی ہے
دل جس کو سوچنے پہ مجبور ہے
وہی ٹوٹے دلوں کی جاگیر ہے
مانا کہ اب وہ شامل نہیں ہیں ہم میں
سچ ہے کہ جانے والوں کو نہ کوئی روک پایا ہے
نہ کوئی روک پائے گا
یہی تو جہاں دستور ہے
شہزادہ جی ایسا تو ہونا ہی تھا

## آس

کب سے تیرے ملنے کی آس لگائے بیٹھے ہیں
تیری سلگتی یادوں کو سینے میں دبائے بیٹھے ہیں
کبھی شام ڈھلے تو کبھی پیپل تلے
کبھی بارش میں تو کبھی ساون کی دھوپ میں
کبھی تم کو دیکھتے ہیں تو کبھی تم کو سوچتے ہیں
کبھی چاند کی روشنی میں اپنا نظریں کھو بیٹھے ہیں
تو کبھی سورج کی تپش سے اپنے دل کو جلاتے ہیں
کبھی ہاتھوں پہ تیرے نام کی مہندی لگاتے ہیں
تو کبھی ہتھیلی پہ بھی لکیروں کو مٹاتے ہیں
کبھی دل کے آئینے میں تم کو دیکھتے ہیں
تو کبھی خود سے بھی گھبرا جاتے ہیں
کیوں ہم سے تم دور ہوئے ہو
کیوں اس قدر مجبور ہوئے ہو
اب چھوڑو بھی یہ بے رخیاں اپنی
کبھی خود کو بھول جاتے ہو
اور کبھی ہم کو بھی یاد رلاتے ہو

## جینا مجھ کو سکھا گیا

اک شخص تھا ایسا میری زندگی میں
جو من کو میرے بھا گیا
آیا تھا وہ محفل غماں میں دل کا مہمان بن کر
اور مجھے مجھ سے ہی ملا گیا
جو اپنی مثال تو تھا ہی
مجھ کو بھی ہر گن اپنے سکا گیا
میں تھی چاہت کے نام سے انجان
وہ پیار کرنا مجھے سکھا گیا
اک شخص تھا ایسا میری زندگی میں
جو من کو میرے بھا گیا
میں تنہائی کے اندھیروں میں گم تھی
اک پل میں وہ مجھے خوشیوں سے ملا گیا
منزل رواں پہ ڈگمگا جاتے ہر قدم
وہ چلنا مجھ کو سکھا گیا
رکھا قدم اس نے جب سے میری زندگی میں
اک ہلچل سی مچا گیا
کس قدر پر سکون تھی زندگی اپنی
نجانے کس الجھن میں وہ پھنسا گیا
دل یاراں تھا کب سے خوشی کا منتظر
اچانک وہ غموں کی چادر اوڑھا گیا
وہ خود تو زندہ نہ رہا اے گلشن
پر جینا وہ مجھے کو سکھا گیا

## جینا دشوار ہو گیا

اے کاش! کوئی لمحہ ایسا بھی آئے
کہ یہ دل شکستہ ڈھونڈے تمہیں
اور تو میرے پاس آ جائے
اس سے پہلے کہ کچھ کہوں میں تم سے
کہنے سے پہلے ہی وہ بات تیری زباں پہ آئے
اے کاش! کوئی ایسا لمحہ بھی آئے
تجھے دیکھے بنا ہی میں سو جاؤں
زندگی میں ایسی کوئی رات نہ آئے
جھکا لوں سر اپنا سجدے میں
اور دعاؤں میں میری اثر ہو جائے
اے کاش! کوئی لمحہ ایسا بھی آئے
بن تیرے جینا دشوار ہو گیا ہے
آ جاؤ چپکے سے جیون میں تم
تو ویران زندگی میں بہار آ جائے
بھول جائیں ہم غم سارے
اور خوشیوں سے ملاقات ہو جائے
ملو ہم سے کچھ اس طرح سے تم
کہ بس یاد رہو تم اور دنیا بھول جائے
اے اے کاش! کوئی ایسا لمحہ بھی آئے

......گلشن ناز
[illegible]





# نوجوان نسل کے نمائندہ شاعر ملک عاشق حسین ساجد کی شاعری

## غزل

وہ، میں اور ہجر، ایک ساتھ
کس قیامت کا ہے سفر، ایک ساتھ
میری رسوائی اس کی تنہائی کی
پھیلی جہاں میں خبر، ایک ساتھ
اس کی بے رخی، زمانے کے ستم
دل ناتواں پہ ہے جبر، ایک ساتھ
میں اس کا ہوں وہ کسی اور کا
کیونکر ہو اپنی بسر، ایک ساتھ
اسے بھول کر زندہ رہوں ساجد
یہ ہو گا کیسے مگر، ایک ساتھ

## غزل

آ کبھی مثل صبا، آ کے اتر شام کے بعد
کتنا سنسان سا لگتا ہے یہ گھر شام کے بعد
دل کی آواز تیرا نام پکارے پل پل
جیسے پنچھی کو بلاتا ہے شجر شام کے بعد
زندگی کیسے گزرتی ہے تیری فرقت میں
آ کے اک بار دیکھ لے ادھر شام کے بعد
روز چوکھٹ پہ چراغوں کو جلا کر رکھوں
کوئی آتا ہی نہیں گھر میں مگر شام کے بعد
رتجگے کاٹ کے اکثر میں دعائیں مانگوں
کھو گیا دعاؤں کا اثر شام کے بعد
آپ ہی آپ قفل ٹوٹ کے کھل جاتے ہیں
چشم ساجد میں تری یاد کے در شام کے بعد

## غزل

زندگانی تو ہار بیٹھے ہیں
جان کر کے نثار بیٹھے ہیں
کون دل میں خلوص رکھتا ہے
سارے محفل میں میں یار بیٹھے ہیں
جن کو اپنا حبیب سمجھا تھا
لے کے دامن میں خار بیٹھے ہیں
اب بھلا دل میں زندگی کیسی
سارے جذبوں کو مار بیٹھے ہیں
اپنا دعویٰ تھا پیار کا ساجد!
اس لئے بے قرار بیٹھے ہیں

## غزل

صبح لکھتا ہوں شام لکھتا ہوں
زندگی تیرے نام لکھتا ہوں
خط کا مضمون جس گھڑی لکھوں
سب سے پہلے سلام لکھتا ہوں
تیرے چہرے کی تازگی کے لئے
چاہتوں کے پیام لکھتا ہوں
نام تیرا جہاں بھی آتا ہے
میں بصد احترام لکھتا ہوں
تو ہی سانسوں پہ حکمران ساجد
خود کو ترا غلام لکھتا ہوں

## غزل

اس دل کا دریچہ ہے کھلا شام سے پہلے
آنا ہے تو پھر لوٹ کے آ، شام سے پہلے
ہر ظلمت شب میں مری تسکیں کا سبب بن
آ، چراغ مرے دل کے جلا، شام سے پہلے
گم ہو گیا نجانے چھوڑ کے مجھے تنہا وہ
پیغام ملا درد بھرا، شام سے پہلے
سورج بھی گیا ڈوب گل رنگ لہو میں
دیکھا جو یہ انجام مرا، شام سے پہلے
اس طرح مرے دل میں تری یاد بسی ہے
جیسے بجھتا ہوا منڈیر کا دیا، شام سے پہلے
آتا ہے سر شام نیا درد نیا غم مرے پاس
لے ہاتھ میرا تھام ذرا، شام سے پہلے

## غزل

میرے قلم نئی روایتوں سے وفا کے موتی بکھر رہے ہیں
بہار آئی خوشی کے باعث اداس چہرے نکھر رہے ہیں
نوید آمد جو ان کی آئی تو ہم بھی سنور رہے ہیں
اجاڑ آنگن میں پھول مہکے سلامی دینے اتر رہے ہیں
نگاہ جاتی ہے سب نظارے خوب سے بھی خوب تر ہیں
حسین پیکر کا عکس لے کر دھنک کے چہرے ابھر رہے ہیں
اے میرے ہمدم میرے مسیحا چلے بھی آؤ یہ التجا ہے
تمہاری راہوں کو تکتے تکتے ہم اپنی جاں سے گزر رہے ہیں
اے رفا تجھی تمام باتیں، سیاہ زلفیں، شباب چہرہ
ازل سے اس کی [illegible] میں یاد شام و سحر رہے ہیں
ہے جب سے ان کو پیام آیا کہ پھر کبھی نہ [illegible]
انہیں یہ جا کر [illegible] کہ ہم بھی تو منتظر رہے ہیں
یہاں وفا کا یہ خواب ہمدم جو دیکھے کوئی تو کیسے دیکھے
ابھی ہے سانسوں کی جنگ جاری نہ جی رہے ہیں نہ مر رہے ہیں
وفا کے آنگن میں جب بھی دیکھا تو معتبر تھے یہ نام سارے
جنہوں نے قول وفا کا [illegible] تو ساجد ابھر رہے ہیں

......ملک عاشق حسین ساجد
حیدر بخاکی، ضلع مظفر گڑھ

# نرگس ناز کی درد بھری شاعری

## غزل

لگتا نہیں کہ ساتھ نبھائے گا دیر تک
لیکن وہ مجھ کو بھول نہ پائے گا دیر تک
جب بھی قریب آئے گا اس کے کوئی شخص
ضرور وہ میری دوستی ستائے گا دیر تک
وہ مجھے ان گلیوں میں اک دن ڈھونڈے گا
اور مجھ کو ڈھونڈ نہ پائے گا دیر تک
میں ساحلوں کی ریت پہ لکھوں گا اُس کا نام
وہ پانی پہ میرا نقش بنائے گا دیر تک
کس حال میں ہوں اس سے بچھڑنے کے بعد میں
سن کر اسے یقین نہ آئے گا دیر تک
رات چپ سے مگر خوش نہیں
کیسے کہوں کہ آج پھر ہوش نہیں
ایسا ڈوبا ہوں اس کی یاد کی گہرائی میں
آنکھوں میں نیند ہے مگر سونے کا ہوش نہیں

## غزل

سفر بے وفا کی رہ میں منزل جفا کی تھی
کاغذ کا گھر بنا کے بھی خواہش ہوا کی تھی
تھی جگنوؤں کے شہر میں تاروں سے دشمنی
معشوق چاند تھا اور تمنا صبح کی تھی
تم نے تو عبادت کا تماشا بنا دیا
چاہت نماز کی تھی پر عادت قضا کی تھی
میں نے تو زندگی کو تیرے نام لکھا تھا
شاید مگر کچھ اور مرضی خدا کی تھی
درد ہی دینا تھا تو پہلے بتا دیتے
ہم کو بھی ازل سے ہی تمنا سزا کی تھی

## دل کی حسرت

کبھی یاد آؤ تو اس طرح
میرے آس پاس کنول کھلیں
کبھی گنگناؤ تو اس طرح
میرے درد پھر سے غزل بنیں
کبھی دل دکھاؤ تو اس طرح
میری دھڑکنیں بھی لرز اٹھیں
کبھی بھول جاؤ تو اس طرح
نہ سسک سکوں نہ بلک سکوں
کبھی چھوڑ جاؤ تو اس طرح
نہ اجڑ سکوں نہ سنور سکوں

## تنہائی

اس کڑی دھوپ جلتے ہوئے پاؤں کی طرح
تو کسی اور کے آنگن میں ہے چھاؤں کی طرح
تو تو واقف ہے میرے جذبوں کی سچائی سے
پھر کیوں خاموش ہے پتھر کے خداؤں کی طرح
میں تو خوشبو کی طرح ساتھ رہا ہوں تیرے
تو بھٹکتا رہا بے چین ہواؤں کی طرح
وہ جو برباد ہوئے وہی بدنام ہوئے ہیں
تم تو معصوم رہے اپنی اداؤں کی طرح
غم تو یہ ہے کہ ہمیں کوئی خوشی راس نہیں
زندگی کاٹ رہے ہیں سزاؤں کی طرح

## اُداس تمنائیں

خوشیوں سے انجان ہوں میں
غموں کا جہان ہوں میں
کیا کہوں تجھے اے دوست
تمہارے غموں کی داستان ہوں میں

ڈر نہیں لگتا مجھے ہار جانے سے
ہارو گے تم میرے ہار جانے سے
آج پاس ہوں تو قدر نہیں کرتے
یقین ہے ٹوٹ جاؤ گے تم میرے چلے جانے سے
دل سے تری یادوں کے نقش مٹاؤں کیسے
تیری صورت تیرا لہجہ میں بھلاؤں کیسے
تیری جدائی کا غم تو کتنے برس جھیل گیا
تیرے ملنے کی دعا لب پہ نہ لاؤں کیسے
کتنا عجیب اپنی زندگی کا سفر نکلا
سارے جہاں کا درد اپنا مقدر نکلا
جس کے نام اپنی زندگی کا ہر لمحہ کر دیا
افسوس وہی ہماری چاہت سے بے خبر نکلا

.......نرگس ناز
سکھر

□○□

## غزل

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

.......منزل حسین صدا - کسووال





# رومینٹک شاعر انتظار حسین ساقی کی شاعری

## غزل

اب کیا ہوئیں وہ محبتیں اے دل، وہ بزم آرائیاں
بکھری پڑی ہیں شہر میں ہر سو تنہائیاں
اب دودھ کی تاثیر بھی مٹی میں مل کر رہ گئی
اب بھائیوں سے دشمنی کرنے لگیں ماں جائیاں
کس کس سے رکھئے دوستی، کس کس کو دشمن جانیے
چہروں میں گھر کر رہ گئیں، نادانیاں، نادانیاں
رستہ بتاتے ہیں مگر آنکھوں پہ پٹی باندھ کر
کچھ ہمسفر کرتے ہیں یوں بھی حوصلہ افزائیاں
سورج کسی کے ہجر کا ڈھلنے میں آتا ہی نہ تھا
یادوں کی گہری رات نے زلفیں بہت بکھرائیاں
محمل سجا کر چل پڑی بچی پرائے دیس کو
ہنستے رہے آنسو مرے روتی رہیں شہنائیاں
رشتوں کے بندھن توڑ کر ہم تم یونہی چلتے رہیں
روکا کریں گھر والیاں، پوچھا کریں ہمسائیاں
کتنی رتیں بیتیں مگر ساقی ابھی تک یاد ہیں
اک چاندنی اوڑھے ہوئے آنگن میں دو پرچھائیاں

## غزل

جب دھوپ مجھے پیکر آزار بنادے
سایا بھی مری راہ میں دیوار بنادے
لوگوں پہ بھرم کھل بھی چکا اس کی کشش کا
اب خود کو وہ بے سود پراسرار بنادے
سر اپنا ہتھیلی پہ لئے سوچ رہا ہوں
کیوں مجھ کو تماشا ترا بازار بنادے
کیوں پیڑ نہ سائل ہو رد موج ہوا میں
خود سرج ہوا شاخ کو تلوار بنادے
مایوں کو اس طرح سے تقسیم کریں ہم
کچھ میرا کفن، کچھ تری دستار بنادے
جی ہار کے پھرتا ہے تو قاتل سے یہ کہہ دو
آ پھر دلِ ناداں تجھے دلدار بنادے
آہٹ سے مرا سامعہ، سو حشر تراشے
تنکے کو مرا واہمہ، کہار بنادے
اے دیدہ پرخوں کوئی برسات کہ پل میں
قطرے کو گہر، دشت کو گلزار بنادے
وہ تیرا مقدر ہے مری راہ کہہ اکثر
سورج کے مقابل صفِ اشجار بنادے

## غزل

ہوس تو ہے کہ بلندی پہ تیرا گھر دیکھوں
نظر اٹھاؤں تو اپنے شکستہ پر دیکھوں
کسی طرح تو یہ تنہائیوں کا کرب کٹے
بلا سے اپنے ہی سائے کو ہمسفر دیکھوں
ترے قریب سہی، مضطرب ہے دل کتنا
ہوا کی چاپ جو ابھرے تو سوئے در دیکھوں
کچھ اس لئے بھی اندھیروں نے ڈس لیا مجھ کو
مجھے یہ شوق تھا رنگِ رخِ سحر دیکھوں
وہ لمس وہم سہی اس سے دل تو بہلاؤں
وہ جسم خواب سہی اس کو عمر بھر دیکھوں
میں لٹ چکا مرے رہزن بھی گم ہوئے لیکن
یہ کیسا خوف ہے پھر بھی ادھر ادھر دیکھوں
ہوائے شام سفر پہ سفر کہاں کا ہے؟
کہ ہر قدم پہ نیا رنگ رہگزر دیکھوں
گنوا دیا انہیں اب ان کی یاد کیوں آئے؟
میں دوستوں سے یہ رشتہ بھی توڑ کر دیکھوں
دھواں دھواں مری سانسیں ہیں زخم زخم بدن
خیال تھا کبھی اخلاص چارہ گر دیکھوں

## غزل

اجڑے ہوئے لوگوں سے گریزاں نہ ہوا کر
حالات کے قبروں کے یہ کتبے بھی پڑھا کر
کیا جانئے کیوں تیز ہوا سوچ میں گم ہے
خوابیدہ پرندوں کو درختوں سے اڑا کر
اس شخص کے تم سے بھی مراسم ہیں تو ہوں گے
وہ جھوٹ نہ بولے گا مرے سامنے آ کر
اب دستکیں دے گا تو کہاں اے غم احباب
میں نے تو کہا تھا کہ مرے دل میں رہا کر
ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کر دے
تنہائی کے لمحوں میں کبھی رو بھی لیا کر
وہ آج بھی صدیوں کی مسافت پہ کھڑا ہے
ڈھونڈا تھا جسے وقت کی دیوار گرا کر
برہم نہ ہو کم ظرفی کو نظروں پہ
اے قامت فن اپنی بلندی کا گلا کر
اے دل تجھے دشمن کی بھی پہچان کہاں ہے؟
تو حلقہ یاراں میں بھی محتاج رہا کر
میں مر بھی چکا، مل بھی چکا موج ہوا میں
اب ریت کے سینے میں مرا نام لکھا کر

## قطعہ

ہنس ہنس کے زندگی کی دعا دے گیا مجھے
وہ شخص بھی عجیب سزا دے گیا مجھے
میرے بدن پہ کتنا پرانا لباس تھا
تیرا پیار رنگ نیا دے گیا مجھے

.......انتظار حسین ساقی
تاندلیانوالہ، فیصل آباد

# غزلیں نظمیں

## ہم کیا کرتے؟

محبت بھی راس نہ آئی کیا کرتے؟
تھی قسمت میں ہی تنہائی کیا کرتے؟
سوچا تھا دے گا عمر بھر ساتھ جو
دی اُس نے ہی جدائی کیا کرتے؟
ہوا جو رخصت تو ہم نے موڑی آنکھیں
تیرے بعد ہم یہ بینائی کیا کرتے؟
جب وہ اک شخص ہی ہمیں نہ ملا
لے کر ہم ساری خدائی کیا کرتے؟
☆ ......... عمران انجم راہی- سمہ پائی

## میں پیار تم سے ہی کرتا ہوں

میں پیار تم سے ہی کرتا ہوں تم گنوائی دو
میں اپنے خون سے لکھتا ہوں تم گنوائی دو
اب دوبارہ نہ کبھی دل یہ دیوانہ ہو گا
آخری اپنی محبت کا فسانہ ہو گا
جو کہا میں نے مسکرا کے ایک بار کہو
میری دھڑکن میرے اس دل کے آس پاس رہو
دیا ہے درد صنم مجھ کو تم دوا بھی دو
میں پیار تم سے ہی کرتا ہوں تم گنوائی دو
میں نہ بھولوں گا زندگی بھر یہ وعدے قسمیں
جان دے کے میں نبھاؤں گا پیار کی رسمیں
تیری چاہت میں زمانے کو بھلانے آیا
راہِ الفت میں ہر شے کو لٹانے آیا
رکھوں گا یاد تمہیں چاہے تم بھلا بھی دو
میں اپنے خون سے لکھتا ہوں تم گنوائی دو
☆ ......... مزمل پردیسی- عارفوالہ

## غزل

کبھی مشکلوں کا تھا سامنا کبھی راحتوں میں گزر گئے
وہ دن تھے جو مرے شباب کے بڑی چاہتوں میں گزر گئے
تری جستجو میں رواں دواں کبھی سنگ تھے کبھی کہکشاں
وہ دن بھی کتنے حسیں تھے جو مسافتوں میں گزر گئے
کبھی کوہ و دشت کے مرحلے کہیں برق تھے کہیں زلزلے
کبھی فصل گل کے تھے زمزمے کبھی آفتوں میں گزر گئے
مرے ہمدموں کی نوازشیں یہ نوازشیں تھیں یا سازشیں
وہ جو روز و شب تھے وصال کے وہ شکایتوں میں گزر گئے
کبھی راز داں نے تم کیا کبھی میں رقیب سے جا ملا
وہ جو لمحے تھے مرے پیار کے وہ رقابتوں میں گزر گئے
کبھی دل گیا کبھی جاں گئی کبھی روح بدن سے نکل گئی
جو پرنس لمحے تھے پیار کے وہ حماقتوں میں گزر گئے
☆ . پرنس عبدالرحمٰن گجر- گاؤں نین لانجھ

## رباعی بعنوان یاد+ جدائی

کسی کی یاد دل کو بے قرار کرتی ہے
نظر تلاش اسے بار بار کرتی ہے
گلہ یہ نہیں کہ ہم ہیں دور ان سے
اُن کی تو جدائی بھی ہم سے پیار کرتی ہے
☆ ......... شعیب شیرازی- جوہرآباد

## غزل

تم روٹھ جاؤ ایسا کبھی نہ کرنا
میں اک نظر کو ترسوں ایسا کبھی نہ کرنا
میں پوچھوں اور ہار جاؤ سوال کر کے
تم کوئی جواب نہ دو ایسا کبھی نہ کرنا
مجھ سے مل کر بچھڑنا مجھ سے مل کر رونا
مجھ سے بچھڑ کر جی لو ایسا کبھی نہ کرنا
تم چاند بن جاؤ میں دنیا میں دیکھتا رہوں
کسی روز تم نہ چمکو ایسا کبھی نہ کرنا
☆ ......... خرم شہزاد سحر- لیہ

## غزل

نہ پھول خوشبو نہ رنگ جگنو نہ تتلیاں ہیں
ہماری آنکھوں میں ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں ہیں
وہ پیار لمحے تو خواب ٹھہرے خیال ٹھہرے
جو درمیاں ہیں ہمارے وہ باقی تلخیاں ہیں
وہ جان کر بھی فریب کھاتی ہیں چاہتوں کے
عجیب سادہ طبیعتوں کی یہ لڑکیاں ہیں
جو چاند چہرے تھے چلمنوں میں چھپے ہیں سارے
تمام بستی کی سونی سونی سی کھڑکیاں ہیں
حوالے دے کر تمہارے مجھ کو وہ چھیڑتی ہیں
شرارتی ہیں جو میری سکھیاں سہیلیاں ہیں
قدم قدم پہ نئے حوادث ملے ہیں زہرہ
یہ روز و شب ہیں حیات کے یا پہیلیاں ہیں
(زہرہ جنید) ... پرنس افضل شاہین- بہاولنگر

## نہ پوچھ

اس کی نظروں کا کمال نہ پوچھ
اب جو ہوا ہے میرا حال نہ پوچھ
ہو گئی اس کے سامنے زبان بند میری
پھر کیا کیا اس نے پوچھا مجھ سے سوال نہ پوچھ
ملتا ہے ہر روز خواب میں مزاری
اسے ہی میرا کتنا خیال ہے نہ پوچھ
تیرے سنگ جو وقت گزرا معلوم نہیں
جدائی میں جو گزرا وہ سال نہ پوچھو
تاجر ہوں تو میں محبت کا علی نواز
ہوا کس طرح سے کنگال نہ پوچھ
☆ ......... علی نواز مزاری- گھوٹکی

## غزل

میں شاعر ہوتا تو ہجر کی شام لکھتا
تیرے نام محبت کے پیغام لکھتا
تیری آنکھوں کے سمندر میں ڈوب کر
تیری آنکھوں کا ساغر تمام لکھتا
جب کبھی تو میری آنکھوں کو چومتا
تیرے ہونٹوں کی حد کو جام لکھتا
اگر تیری بدنامی کا نہ ہوتا ڈر
محبت کی کہانی سر عام لکھتا
اگر اجازت دے دیتا میرا خدا
تو اپنی زندگی تیرے نام لکھتا
☆ ......... محمد سلیم عاصی- جمال پور

## غزل

جفا کے دیپ وفاؤں کا ہمیں یوں چھوڑ مت دینا
تم سے ناطہ ہے یہ جنموں کا یہ ناطہ توڑ مت دینا
ٹھکرا کر زمانہ ہم تیری خاطر چلے آئے
ہمیں اب اس زمانے کی خاطر چھوڑ مت دینا
دو گے جتنے زخم تم بھی ہنس ہنس کے سہہ جائیں گے ہم
مگر اب تم میرے زخموں کو یوں جھنجھوڑ مت دینا
عبادت جان کر ہم تیری محبت کو اپنایا
میری بھی عبادت سے تم رخ کو موڑ مت دینا
میرا تم سے جو رشتہ ہے دل کا دھڑکن کے جیسا ہے
میرے دل میں رہو لیکن میرا دل توڑ مت دینا
☆ رئیس صدام حسین ساحل- خان بیلہ

## ہم چلے جائیں گے

ٹھکرا کر محبت میری کہاں جانے کا ارادہ ہے
مجھے تنہائی کے کس موڑ پہ لانے کا ارادہ ہے
یہ جو محبت دینے چلے ہو تم مجھے
یہ پیار کا مزاج ہے یا چھوڑ جانے کا ارادہ ہے
جاتے جاتے یہ تو بتا جا اے جان جہاں
میرے پیار میں کمی تھی یا کسی اور سے دل لگانے کا ارادہ ہے
میرے بعد میری یاد آئے تو مڑ کے نہ دیکھنا اے ہمسفر
کیونکہ تیرے بعد میرا بھی اس دنیا کو چھوڑ جانے کا ارادہ ہے
☆ ......... رئیس ساجد کاوش- خان بیلہ

## غزل

گر گئے پتے سارے پھول بھی مرجھا گئے
کیسی یہ اچانک پت جھڑ آ گئی ہے
مہکتے میرے گلشن کو ایسا لگا ہے
جیسے کسی ظالم کی نظر کھا گئی ہے
تھوڑی سی جو کرن تھی میری روشنی کی
لگتا ہے اُس پر بھی گھٹا چھا گئی ہے
سمندر کی دلدل میں میری آج کشتی
لگتا ہے زیادہ ہی چکرا گئی ہے
بنائی تھی یہ جھونپڑی مدت میں مشکل سے
جس کو ظالم ہوا کیسے بکھرا گئی ہے
بے رخی تھی اس کی پتہ بھی تھا مجھ کو
مگر وہم میں تھا کہ شرما گئی ہے
آج اس کا منتی میں آیا پیغام مجھ تک
پتہ لگا بلوچ ہم کو وہ ٹھکرا گئی ہے
☆ ......... بہادر عاربانی بلوچ- گھوٹکی

## خواب نگر

ہیں دسمبر کی ٹھٹھرتی شامیں...... تھی وہ بھی
گزشتہ برس کی شام ...... جب آئے
تھے وہ...... کی تھیں بہت سی باتیں ......
کچھ تیز تلخ ...... کچھ شیریں دلنشیں ......
پیار بھری اقرار کی...... وعدے تھے......
چاہت تھی ...... نئے نئے جذبے تھے
...... سب اپنے تھے...... ہم تھے...... وہ
تھے...... ہلکی ہلکی بارش...... ٹھنڈی ٹھنڈی
ہوائیں ...... گرم گرم کافی ...... انجانے
میں ہاتھوں میں ہاتھ ...... اپنائیت کا
احساس ...... دھیرے سے گنگناتا لہجہ
...... سرشار کرتے الفاظ ...... کتنا اچھا
لگ رہا تھا
☆ ......... رئیس ارشد- خان بیلہ

## غزل

اگر یقین نہیں تو آزما مجھے
یا خود کرشمہ کوئی دکھا مجھے
چاہت ہے اگر تیرے دل میں
پہلو میں اپنے لے جا مجھے
پتھروں کی طرح خاموش کیوں ہو
اپنوں کی طرح گلے لگا مجھے
ہر وقت خوش فہمی میں رہتا ہوں
نفرت سے اپنی تو رولا مجھے
کیا ملا سکون مجھ سے دور جا کے
آ کبھی دل کی کتاب دکھا مجھے
☆ ......... محمد اسحاق انجم- کنگن پور

## غزل

ہر زخم کو سینے پر سجا لیتے ہیں
ہر درد کو دل میں بسا لیتے ہیں
تم پھولوں کی بات کرتے ہو
ہم کانٹوں کو گلے لگا لیتے ہیں
وہ روٹھی سی ادائیں اب بھی یاد ہیں
کہ رو رو کر اب بھی یہ دن گزارے ہیں
☆ ......... محمد ہارون قمر تج پور ہزارہ

## کیسے

تجھے بھلا دوں مگر کیسے
تیرے خط جلا دوں مگر کیسے
تو نے تو بڑی آسانی سے کہہ دیا کہ
میں کسی اور کی امانت ہوں
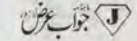
اب میں امانت میں خیانت کروں تو کیسے
تو نے تو کہہ دیا محبت نہیں ہے مجھے تم سے
میں یہ بات اپنے دل کو سمجھاؤں تو کیسے
مان لیا کہ تم مشرقی لڑکی ہو مجبور ہو
پر میں کیا کروں تم میری ہر سانس میں ہو
تجھے موت سے پہلے دل سے نکالوں تو کیسے
دل ٹوٹا ہے تیری الفت میں اے صنم
اس ٹوٹے ہوئے دل میں کسی اور کو بساؤں تو کیسے
تنہا کو ٹھکرایا ہے تو نے
تجھے بخش دوں تیری بے وفائی
مگر خود کو تجھ سے کر کے جدا زندہ رہوں تو کیسے
اک بار ہی سہی تو کہہ دے چلا جا اس شہر سے
میں خود بخود تیرے شہر سے چلا جاؤں تو کیسے
☆ ..... امداد علی عرف ندیم عباس تنہا- میرپور خاص

## کاش ایسا ہو

کاش ایسا ہو نصیب ہمارا
بچھڑے ہوئے ہم ملے دوبارہ
ہو نہ زندگی میں کوئی رنج و الم
ایسا خوشیوں سے چمکے ستارہ
یوں کٹے گی کیسے جوانی
چاہئے مجھ کو تیرا سہارا
کچھ ایسے بھی نادان جو کہتے ہیں
اگر وہ دشمن جان تو کر لو کنارہ
اب تو کٹتا ہے دن زندگی کے سجاد
نہ بھول سکا بے وفا کو غموں مارا
☆ ....... سجاد حسن جھولے والا- ملتان

## دل دکھانے والے کے نام

جن راستوں پر چلا کرتے تھے
رات دن پیار کی باتیں کیا کرتے تھے
یہ تو سوچا بھی نہ تھا کہ بچھڑ جائیں گے
ہم تو ایک ہونے کے وعدے کیا کرتے تھے
اب بچھڑ گئی ہے تو لوگ کیوں خاموش ہیں
جب تھی وہ اپنی تو لوگ یہ سب باتیں کیا کرتے تھے
آج دل بہلانے کو انہی راستوں پر چل نکلا ہوں
تم سے ملنے سے پہلے جو اجنبی ہوا کرتے تھے
آج دل یہ سوچ کر غمگین ہو جاتا ہے بے وفا
کہ ہم بھی کسی شخص کو چاہا کرتے تھے
بہت پیار کرتے ہیں تم کو صنم
قسم چاہے لے لو خدا کی قسم
بہت پیار کرتے ہیں تم کو صنم
☆ ...... سفیر اداس موہری- پنج کوٹ

## غزل

درد میں ڈوبا دیکھ کر وہ مسکرا کر چلا گیا
میرے دل پر اک نیا زخم لگا کر چلا گیا
میرے مقدر کی خوشیاں بھی چھین لیں اس نے
میری رکتی زندگی کا چراغ بجھا کر چلا گیا
میں ڈھونڈ نہ لوں اسے دنیا کی بھیڑ میں
میری راہوں میں وہ کانٹے بچھا کر چلا گیا
اسے میری ضرورت تھی نہ میرے پیار کی طلب
میرے سب ارمانوں کو وہ جلا کر چلا گیا
میرے لبوں کی مسکراہٹ بھی اسے گوارا نہ تھی
ہجر غم میری آنکھوں میں تھما کر چلا گیا
ساتھ کھائی تھیں جو اس نے وفا کی قسمیں
ڈکھی وہ سب وعدے قسمیں بھلا کر چلا گیا
☆ .......... اظہر سیف ڈکھی- سکھیکی

## Too Late.....

آدھی رات کے سناٹے میں ...... کس نے فون کیا کیا ہے مجھ کو...... جانے کس کا فون آیا ہے...... فون اٹھا کر یوں لگتا ہے...... اُس جانب کوئی گم صم گم صم اکھڑا اکھڑا ...... دھیرے دھیرے کانپ رہا ہے...... اٹکی ہوئی ایک خاموشی، چپ خاموشی ...... لیکن اس خاموشی میں بھی گونج رہے ہیں...... ٹھنڈی سانسیں، بارش آنسو...... خاموشی سے تھک کر اُس نے سانس لیا تو...... چوڑی کھنکی ...... اُف یہ کھن کھن ...... اک لمحے میں سارے بدن میں پھیل گئی ہے...... تیرے علاوہ کوئی نہیں ...... لیکن اتنے برسوں بعد......!
☆ ........... راجہ محمد ذوالفقار- پونچھ

## اظہار محبت

تجھے اظہار محبت سے اگر نفرت ہے
تو نے ہونٹوں کو لرزنے سے تو روکا ہوتا
بے نیازی سے مگر کانپتی آواز کے ساتھ
تو نے گھبرا کے میرا نام نہ پوچھا ہوتا
تیرے بس میں تھی اگر مشعل جذبات کی لو
تیرے رخسار میں پھول نہ بکھرا ہوتا
اپنے ٹوٹے ہوئے فقروں کو تو پرکھا ہوتا
اپنے بدلے میری تصویر نظر آ جاتی ہے
تو نے اس وقت اگر آئینہ نہ دیکھا ہوتا
☆ ... سردار محمد اقبال خان مستوئی- سردار گڑھ

## غزل

بچھڑا ہے تو احساس ہوا
درد مجھے بے حساب ہوا
کون ہو گا تیرے جیسا
آج مجھے بہت ملال ہوا
رنگین تھی دنیا تیرے سنگ
بچھڑے بعد نہ مجھ سے کوئی ہمکلام ہوا
تو ہے اپنوں میں اے دوست بیٹھا
کبھی سوچنا تیرے غم میں کیا حال ہوا
پڑتا رہتا ہے بہت سے لوگوں سے واسطہ
پر نہیں کوئی میرے دل کا مہمان ہوا



لوٹ آ جانے والے ابھی وقت ہے
میرے مقبرے کا نہیں پورا سامان ہوا
اجڑا ہے بہت بری طرح سچا
بتا تیرا تو نہیں کوئی نقصان ہوا
☆ .............. ایم وائی سچا- جدہ

## غم زندگی

مفلسی نے ہم کو کس قدر ستا رکھا ہے
دل پھر بھی اپنا گلستان بنا رکھا ہے
پوچھے تو ذرا دنیا میں کیا رکھا ہے
اک خدا اک صنم اپنا بنا رکھا ہے
محبت کا مزہ سا بھی چکھا ہے
وفائیں کر کے خود کو سزا کے لئے رکھا ہے
ہمیں کوئی محبت کرے بھی تو کیسے عشرت
ہم نے خود کو خود سے جدا رکھا ہے
تیرا غم دکھائی دے بھی تو کیسے فاروق اشی
تو نے اس سے دل میں بٹھا رکھا ہے
سب کچھ خرچ کر کے اشی زندگی بچی ہے
اسے بھی موت کے لئے بچا رکھا ہے
☆ . انتخاب. فاروق احمد شانی- چکوال

## تیرے نام

کیا لکھوں تیرے نام بجا
تمہیں سوچوں صبح شام بجا
نیلی جھیل کا پانی ہو تم
محبت کی کہانی ہو تم
پیار کے میٹھے بول ہو تم
ہر اک سے انمول ہو تم
میرے من کی جیت ہو تم
میرے لبوں کا گیت ہو تم
چمن میں کھلتا گلاب ہو تم
چاہت کی لکھی کتاب ہو تم
میرے لبوں کا تبسم ہو تم
جو ٹوٹ نہ سکے وہ قسم ہو تم
☆ ........ شہزاد سلطان کیف- الکویت

## اشک غم

تمہارے دل کی دنیا کو بسانا چاہتا ہوں
وہی لذت غم پانا چاہتا ہوں
میرے قریب آ کر پیاسے دل کو تھام لو
آج بھی ویران دل کی دنیا کو بسانا چاہتا ہوں
روٹھنے کی عادت تو برسوں پرانی ہے تیری
لیکن پھر بھی تیرے دل میں ہلچل مچانا چاہتا ہوں
جو زخم تو نے بخشے ہیں وہ وفا کے ملے ہوئے ہیں
لیکن پھر آج ایک نیا زخم پانے کو جی چاہتا ہے
نہ چھیڑ شاہد کی بھولی ہوئی محبت کی باتوں کو
کہ پھر دل جلانے کو جی چاہتا ہے
سکون دل سے اپنا ہاتھ دے دے شاہد کو
کہ پھر اپنی ہستی مٹانے کو جی چاہتا ہے
☆ ................ شاہد سلیم- کچے موڑ

## اچھا لگتا ہے

جب سے تم کو چاہا ہے...... سب کچھ اچھا لگتا ہے...... تمہاری یادوں میں کھوئے رہنا...... ہر پل ہر لمحہ تجھے یاد کرنا اچھا لگتا ہے...... تجھے پا کر پا لیا سارا جہاں ...... تیری چاہت سے بڑھ کر کچھ نہیں میرے لئے ...... جب سے تم کو چاہا ہے...... تم سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے...... تو نہ ملا تو مر جائیں گے ہم...... کچھ بھی نہیں میری زندگی تیرے بن...... تیرے بنا سب کچھ سونا سونا لگتا ہے...... جب سے تم کو جانا ہے سب کچھ اچھا لگتا ہے...... جب سے تم کو چاہا ہے سب کچھ اچھا لگتا ہے
☆ ................. شہناز مجید

## پاگل محبت

محبت جرم ہے زمانے کی نگاہوں میں
حقیقت میں عبادت ہے خدا کی بارگاہوں میں
ہمدرد اگر نہ ہوتے تو میں کب کا مر جاتا
تجھ دیکھنے کی چاہ میں تیرے گھر کو چلا آتا
مت سوچ میرے آنے کا خیال اپنے دل میں
میں اپنے شہر میں تیرے لئے کب سے پاگل ہوں
بے بسی میں بھی طبیعت جدا لگتی ہے
کبھی مجھ سے ناراض تو کبھی مجھ سے خفا لگتی ہے
سانس لیتا ہوں تو زخموں کو ہوا لگتی ہے
اے زندگی بتا تو میری کیا لگتی ہے
ذرا تو ہی بتا دے یاسر وہ بے وفا تیری کیا لگتی ہے
☆ ............. یاسر ساقی- مانسہرہ

## غزل

محبت کی روانی نے ہم کو یوں بدل دیا
وفا پر اب بھی قائم ہوں مگر محبت چھوڑ دی ہم نے
گزرتے ہیں آج بھی ہم انہی راستوں پر
مگر تم کو دیکھنے کی حسرت چھوڑ دی ہم نے
وہ ہر ایک سے کرتے تھے ساتھ دینے کے وعدے
ایک وعدے کی خاطر سارے وعدے توڑ دیئے ہم نے
وہ محبت کی رانی ہے ایک سے یونہی کہتی تھی
وفا کی محبت میں آئی تو سارے غرور توڑ دیئے ہم نے
وہ تو ہر وقت اداس اداس رہتی تھی
پیار سے جینا اور رہنا سکھا دیا ہم نے
وہ تو مرجھائے ہوئے پھولوں کی طرح تھی
کلیوں کی طرح مہکا دیا ہم نے
☆ ....... مسز ایم ارشد وفا- گوجرانوالہ

## تیرے بنا

بنا تیرے جینا مشکل لگتا ہے
زہر زندگی کا پینا مشکل لگتا ہے
ہوتی بات ایک لمحے کی تو اور بات تھی
عمر بھر تنہا رہنا مشکل لگتا ہے

کٹ جاتا زندگی کا سفر تم ساتھ ہوتے اگر
یہ راستہ تیرے بنا دلدل لگتا ہے
نہیں تو یہاں اس میں نہیں رہنا
یہ شہر بنا تیرے جنگل لگتا ہے
توڑ دیتا دل کے بدلے دل مگر کیا کروں
تیرا دل بھی اپنا دل لگتا ہے
دیکھ کر مجھے اٹھا لئے پتھر سب نے
لوگوں کو غازتی تو کتنا پاگل لگتا ہے
☆... عبدالصمد ایس کے گبول-کراچی

## غزل

ٹوٹا جو دل تو دل کے ٹکڑے ہزار تھے
تیرے دیئے ہوئے زخم دل کے آر پار تھے
کروں کیا ذکر تیری بے رخی کا میں
بنے وہی دشمن جو کل غمخوار تھے
کیا شکوہ تجھ سے کریں اے دل کو جلانے والے
ہم ہی کرتے تھے ہم ہی سزاوار تھے
تو مان یا نہ مان اے میرے دوست
ہم تو تجھ سے ہی سدا کے وفادار تھے
☆... بے وفا ایم زیڈ اے گبول-کراچی

## غزل

دیکھ کر تنہا مجھ سے پوچھا بہاروں نے
کہاں گیا تیرا وہ ہم سفر
تجھے تو بڑا ناز تھا اُس پر
یہ سن کر میں چپ رہا مگر
میرے آنسوؤں نے جواب دیا
مانا قسمت میں بچھڑنا نصیب تھا
وہ مجھ سے اتنا دور ہو گیا
جتنا وہ میرے قریب تھا
☆............ محمد عمیر ساقی-نور جمال

## غزل

اُسے کہنا تم بھی لوٹ آنا دسمبر لوٹ آیا ہے

ایک بار آ کر مل جانا دسمبر لوٹ آیا ہے
اُسے کہنا کہ بن تیرے بہت عرصہ گزارا ہے
ایک بار تو ملنے آ جاؤ دسمبر لوٹ آیا ہے
اُسے کہنا جدائی سے محبت کم نہیں ہوتی
یہ دنیا کو بتلا جاؤ دسمبر لوٹ آیا ہے
اُسے کہنا کہ چاہت کا بھرم نہ ٹوٹنے پائے
تم اپنی محبت نبھاہ جاؤ دسمبر لوٹ آیا ہے
☆....... وسیم صابر خٹک-کراچی کینٹ

## غزل

سامنے منزل تھی اور پیچھے اس کی آواز
رکتا تو سفر جاتا چلتا تو بچھڑ جاتا
میخانہ بھی اس کا تھا میکدہ بھی اس کا
اگر پیتا تو ایمان جاتا نہ پیتا تو صنم جاتا
سزا ایسی ملی مجھ کو زخم ایسا لگا دل پر
چھپاتا تو جگر جاتا سناتا تو بکھر جاتا
میرے غم کی دوا نہ تھی سوائے یار کے کوچے کے
میں جاؤں تو کدھر جاؤں میں جاتا تو کدھر جاتا
☆............ شاہد اقبال خٹک-کرک

## غزل

اک انجان کو میں جان تمنا سمجھی
سب کہیں غیر ہے پر میں اسے اپنا سمجھی
لب نہ کھل پائیں اگر تو ہو مقابل میرے
یہ حسن تیرے کا میں اک کرشمہ سمجھی
اک پل کو جو تیرے پیار کی بارش رکے
میں سمندر کو بھی سو سال کا پیاسا سمجھی
فائدہ کوئی نہیں تیرے بنا محفل میں
رونق بزم تیرے علاوہ کسی اور کو سمجھی
تیرے چہرے نے مجھے ڈال دیا مشکل میں
میں تجھے چاند سا یہ چاند کو تجھ سا سمجھی
☆........ مس آرناز طاہر-راولپنڈی

## یاد

تیری یاد میں پل پل مرتا ہے کوئی
ہر سانس کے ساتھ تجھے یاد کرتا ہے کوئی
فرصت کبھی ملے تو تنہائی میں سوچنا
کتنی خاموش محبت تم سے کرتا ہے کوئی
جب یاد آتی ہے تیری مسکرا لیتا ہوں
کچھ پل کے لئے ہر غم بھلا دیتا ہوں
کیسے بھیگ سکتی ہیں صنم پلکیں تمہاری
تمہارے حصے کے آنسو میں چرا لیتا ہوں
تیرے خیالوں سے جی چراؤں کیسے
آگ سی دل میں لگی ہے بجھاؤں کیسے
میری ہر سانس تیری یاد سے ہے وابستہ
پھر تو ہی بتا دے تجھے بھول جاؤں کیسے
☆..... خلیل احمد ملک-شیدانی شریف

## غزل

اپنی حسین آنکھوں میں چھپا لو مجھ کو
محبت اگر کرتے ہو تو چرا لو مجھ کو
کھونے کا اگر خوف ہے تو میری جان
دل کی ہر دھڑکن میں بسا لو مجھ کو
تیرے ہر دکھ کو سہہ لیں گے ہنس کر ہم
اپنے بدن کی چادر اگر بنا لو مجھ کو
ساحل سے پہلے چھوڑ تو نہ دو گے وعدہ کرو
تم ابھی آغاز سفر میں بتا دو مجھ کو
زندگی بھی تیرے نام کر دوں گا میں سحر
بس چند لمحے سینے سے لگا لو مجھ کو
☆... رائے اطہر محمود سحر-فورٹ عباس

## محبت بے وفا نہیں

کاش! میں تیرے ہاتھ کا کنگن ہوتا
تو بڑے پیار سے مجھے چڑھاتی
تمنا کھینچ لاتی ہے تیرا دیدار کرنے کو
یہ دل مجبور کرتا ہے تجھ سے پیار کرنے کو
ٹوٹے دل کو اور مت توڑو ساجن



غم قید سے ہمیں اک بار تو چھوڑو ساجن
سورج کی ہر کرن روشنی دے آپ کو
پھولوں کی ہر کلی خوشبو دے آپ کو
اس راز محبت کو عام نہیں کرنا
چاہت کے جذبوں کو بدنام نہیں کرنا
اس راز محبت کو عام نہیں کرنا
ایسی محبت کو بے وفا نہ کہنا
پھول تو بنا لیا خوشبو کیسے بھروں
ساجن تو بنا لیا ملاقات کیسے کروں
☆............ ذوالفقار تبسم-92/15-L

## غزل

اس کی آنکھ میں محبت کا ستارہ ہو گا
اک دن آئے گا وہ ہمارا ہو گا
زندگی اب میرا ہم نہ شامل
گر یہ طے ہے کہ یہی کھیل دوبارہ ہو گا
جس کے ہونے سے میری سانسیں چلا کرتی تھیں
کس طرح اس کے بغیر اب گزارا ہو گا
یہ اچانک جو اجالا سا ہو جاتا ہے
دل نے چپکے سے تیرا نام پکارا ہو گا
جو میری روح میں بادل سے گرجتے ہیں
اس نے سینے سے کوئی درد اتارا ہو گا
بات مشکل ہے مگر جیت ہی لوں گا اس کو
میرے مولا کا وہی جونہی اشارہ ہو گا
☆... رانا وارث اشرف عطاری-وزیر آباد

## تیری یادوں سے کیا نہیں سیکھا؟

بے سبب تو نہ تھیں تیری یادیں
تیری یادوں سے کیا نہیں سیکھا
ضبط کا حوصلہ بڑھا لینا
آنسوؤں کو کہیں چھپا لینا
کانپتی ڈوبتی صداؤں کو
چپ کی چادر سے ڈھانپ کر رکھنا
بے سبب بھی کبھی کبھی ہنسنا
جب بھی ہو بات کوئی تلخی کی
موضوع گفتگو بدل دینا
بے سبب تو نہیں تیری یادیں
تیری یادوں سے کیا نہیں سیکھا
(وسی شاہ)..... مس صوبیہ کنول علی تنہا-بھکر

## وعدہ کرلوں

کیوں نہ پھر اس سے ملنے کا ارادہ کر لوں
زخم یہ صدیوں پرانا تھوڑا تازہ کر لوں
پھر سے کہہ دوں اسے کہ تم میری عقیدت ہو
پھر سے گزری محبت کا اعادہ کر لوں
سونپ دوں اب یہ اپنی شوخ طبیعت اس کو
سوچتا ہوں کہ خود کو اس سادہ کر لوں
یا اسے پا کے بھلا دوں میں درد و غم اپنے
یا اس کے ہجر کا غم اور بھی زیادہ کر لوں
دو تو ہر ایک قسم ہنس کے توڑ جاتا ہے عرفان
پھر نیا کس طرح اس سے وعدہ کر لوں
☆............ ملک عرفان-عبدالحکیم

## غزل

اسے احساس کہتے ہیں یہی تو پیار ہوتا ہے
تمہارا لب جو دکھتا ہے ہمیں بھی درد ہوتا ہے
تمہیں ملتی تھیں جب خوشیاں ہمارے لب بھی ہنستے ہیں
تمہیں درپیش ہو مسئلہ دعا کو ہاتھ اٹھتے ہیں
خدا کو یاد کرتے ہیں تمہیں آباد رکھے وہ
ہمیشہ شاد رکھے وہ تمہیں غم نہ کوئی آئے
خوشی کو ساتھ رکھے وہ کہ تم کو زندگی دے وہ
کہ تم کو ہر خوشی دے وہ اسے احساس کہتے ہیں
اسے احساس کہتے ہیں یہی تو پیار ہوتا ہے
☆............ عمر یز بشیر گوندل-گوجرہ

## غزل

خوشی سے آج بھی کھا آدمی کا مطلب ہے
سمجھ سکو تو یہی زندگی کا مطلب ہے
نفس نفس پہ ہوا احساس کمتری مجھ کو
میرے لئے یہی تیری ہنسی کا مطلب ہے
اجالا اب بھی اندھیرا دکھائی دیتا ہے
ذرا بتاؤ تو کیا روشنی کا مطلب ہے
الٰہی خیر ہو اے اپنے دل شکستہ کی
سمجھ رہا ہوں جو چارہ گری کا مطلب ہے
یہی کہ بن کے بکھر جائیں راہ الفت میں
یہی تو ایک تیری دوستی کا مطلب ہے
یہ کون آیا ہے واجد غریب خانے پر
ضرور مجھ سے کوئی اب کسی کا مطلب ہے
☆.. پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی-کراچی

## غزل

یہی تمنا ہے دل در بھٹک رہا ہوں کہ کب آؤ گے تم
محبت کے دیپ جلائے ٹھہر رہا ہوں کہ کب آؤ گے تم
چاہت کے تو نے پھول جو لے بیٹھا ہوں تیری یاد میں
محبت کے پنچھی بن کے رہا ہوں کہ کب آؤ گے تم
تم سے ملنے کی ہمیشہ سے مجھے حسرت رہتی ہے
دل میں اک خواب سجائے ٹھہر رہا ہوں کہ کب آؤ گے تم
☆............ مجاہد ناز عباسی-سنجر پور

## تم کیوں چلے گئے

تم کیوں چلے گئے ..... تازہ تمام زخم بہاروں نے کر دیئے ..... ہر پھول کا سوال ہے کہ ..... تم کیوں چلے گئے ..... ہنسنا تو خیر ہماری قسمت میں نہ تھا کبھی ..... رونا بھی اب محال ہے کہ ..... تم کیوں چلے گئے ..... تم نے جاتے جاتے ملاقات تک نہ کی ..... اب تک یہی ملال ہے کہ ..... تم کیوں چلے گئے ..... تم ہی بتاؤ کہ ..... میں اس طرح اٹھاؤں دکھوں کے بوجھ ..... سارا جسم نڈھال

ہے کہ تم کیوں چلے گئے ...... ماضی تھا اپنا لاعلمی میں ڈھل گیا افسوس ...... ہر پل رہتی تیری انتظار ہے کہ ...... تم کیوں چلے گئے ...... پل پل کی نسبت سال بیت گئے مگر ...... کم نہ ہوا تم سے پیار ہے کہ تم کیوں چلے گئے ...... نہ پوچھ مجھ سے یہ زندگی کی داستان ہمراز ...... یہ وہ آگ ہے جو سلگتی تا حال ہے کہ ...... تم کیوں چلے گئے، تم کیوں چلے گئے

☆ ... سید ہمراز نرائن کشمیری - مظفر آباد

## بے وفا کے نام

لگا کے دل چار دن تو نے ساتھ چھوڑ دیا ہے ...... ساز وفا کا تو نے توڑ دیا ہے ...... تجھ سے وفا کی امید کیا رکھنا اب اے بے وفا ...... واپسی کا راستہ ہم نے چھوڑ دیا ہے ...... دل تیری چاہت میں ٹوٹ چکا ہے ...... تیرے ہاتھ سے دامن وفا کا چھوٹ چکا ہے ...... اب تیرا یہ پچھتانا کیسا ...... اب جدائی کے نیر بہانا کیسا ...... تیری نظر میں، میں اب اجنبی ہو چکا ہوں ...... تیری خاطر سب کچھ کھو چکا ہوں ...... تو میرا شہر چھوڑ کر جا رہی ہے لیکن ...... تجھے پل پل میری یاد تڑپائے گی ...... تو جہاں کہیں بھی جائے گی ...... چین کبھی نہ تو پائے گی ...... ہو کر دنیا سے تو بے بس ...... میری گلی میں آ کر سر کو جھکائے گی

☆ ......... محمد عابد رآرزو - وینہ، جہلم

## غزل

کسی اجنبی سے دل لگایا نہیں کرتے
سوئے [illegible] کو کسی جگایا نہیں کرتے
یہ دنیا تو مشکلات کا سنگھم ہے
ان مصیبتوں سے کبھی گھبرایا نہیں کرتے
اچھے دوست جب ملیں زندگی میں
تو اُن کو کبھی رلایا نہیں کرتے
ٹوٹا ہو جو دل اک بار کسی کا
وہ بھری محفل میں بھی مسکرایا نہیں کرتے
لکھ دیا ہو دل پہ جب نام کسی کا
پھر وہ دل سے مٹایا نہیں کرتے
اچھے ساتھی بہت کم ملتے ہیں اس دنیا میں
باوفا دوستوں کو کبھی ٹھکرایا نہیں کرتے
اجنبی لوگوں سے کبھی پیار نہ کرنا
یہ لوگ کبھی وفا نبھایا نہیں کرتے

☆ ............ صنوبر اختر - وینہ، جہلم

## غزل

اشک رواں ہیں اتنی شدت دیکھی
پہلے کبھی تو دل کی یہ حالت نہیں دیکھی
ہر شخص کی آنکھوں میں لہو دیکھا ہے میں نے
تیرے شہر کے لوگوں میں چاہت نہیں دیکھی
تو کنارے کا شجر ہے تلاطم سے بے خبر
تو نے کبھی لہروں کی بغاوت نہیں دیکھی
ایک مدت سے یہ آنکھ سوئی نہیں فراز
ایک عرصے سے یار کی صورت نہیں دیکھی

☆ ......................... راشد علی

## غزل

تم اپنے دل میں جگہ دو مجھ کو
اور تھوڑی سی وفا دو مجھ کو
پیار کرنا اگر ہے جرم کوئی
میں ہوں مجرم سزا دو مجھ کو
پاس اپنے تم مجھے پاؤ گی
دل سے اگر کوئی صدا دو مجھ کو
اگر نہیں تمہیں محبت مجھ سے
تو پھر مرنے کی دعا دو مجھ کو

☆ ............ نوید اختر سحر - کبیر والا

## غزل

جو دل میں ہے آنکھوں کے حوالے نہیں کرتا
خود کو کبھی خوابوں کے حوالے نہیں کرتا
اس عمر میں خوش فہمیاں اچھی نہیں ہوتیں
اس عمر کو وعدوں کے حوالے نہیں کرتا
اب اپنے ٹھکانے پر رہتا ہی نہیں کوئی
پیغام پرندوں کے حوالے نہیں کرتا
دنیا بھی تو پاتال سے باہر کا سفر ہے
منزل کبھی راستوں کے حوالے نہیں کرتا

☆ ............ کرن خان - خشخصہ قریشی

## غزل

مجھ سے گلہ ہے مجھ پہ بھروسہ نہیں اسے
یہ سوچ کر ہم نے بھی روکا نہیں اسے
وہ شخص کبھی چاند ستاروں سے یہ پوچھے
ہے کون سی رات جب سوچا نہیں اسے
الفاظ تیر بن کر اترتے رہے دل میں
سنتے رہے چپ چپ کر ٹوکا نہیں اسے
یہ محبت نہیں اصول وفا ہے
ہم جان تو دیں گے مگر دھوکا نہیں اسے

☆ ............ مظاہر عباس تنہا - عبدالحکیم

## غزل

تیری صورت کو نگاہوں میں چھپا کر رکھوں
دل یہ کہتا ہے تجھے تجھ سے چرا کر رکھوں
تجھے دیکھوں تجھے چاہوں تجھی سے پیار کروں
تیرے رنگ روپ کو میں سب سے چھپا کر رکھوں
کر لوں قید اپنے دل میں تیرے جیون کو
تجھے میں عشق کی زنجیر پہنا کر رکھوں
کوئی بھی جان نہ پائے تیری آنکھوں کی گہرائی کو
میں تجھے ایسی [illegible] بنا کر رکھوں
دل یہ کہتا ہے تیرے بعد کوئی تجھ سا نہ ہو
میں تجھے آخری تحریر بنا کر رکھوں

☆ .. حماد ظفر بادی - منڈی بہاؤالدین

## غزل

درد سو جائے تو یادوں کو جگا دیتا ہے
دل بھی کیسا ہے محبت کی سزا دیتا ہے
اپنا یہ حال کہ ہر حال میں مرنا ٹھہرا
اور تو ہے ہمیں جینے کی دعا دیتا ہے
دنیا ایسی کہ محبت کو بجھانا چاہے
دل وہ بے درد کہ پھر آگ لگا دیتا ہے
اپنی قسمت ہے کہ سمجھا نہیں تو نے ہم کو
ورنہ آنسو تو ہر اک بات بتا دیتا ہے
تیری صورت سے ملتی ہے صورت اُس کی
رات کا چاند ہمیں کیسی سزا دیتا ہے

☆ انتخاب: خان افسر خاکسار - دنیاپور

## دِل کا پیار

میری محبت میری چاہت بن کر میرے ساتھ چلو گی
چلو نئی دنیا بساتے ہیں میرے ساتھ چلو گی
پیار میں بہت سی رنجشیں آئیں گی میرے ساتھ چلو گی
دنیا کی بھیڑ میں اکیلا نہ چھوڑنا میرے ساتھ چلو گی
دنیا پیار کرنے والوں کو جینے نہیں دیتی میرے ساتھ چلو گی
ساری عمر ساتھ دینے میرے ساتھ چلو گی
پھولوں سے باتیں کرنے میرے ساتھ چلو گی
پیار کی خوشبو کو کبھی بکھرنے نہ دینا میرے ساتھ چلو گی
ہمیشہ پیار کی حفاظت کرنے میرے ساتھ چلو گی

☆ ............... مظفر دل - سیالکوٹ

## غزل

نگاہوں ہی نگاہوں میں ہمیں بولنا تھا
ہونٹ تھے بند آخر ہمیں کچھ کہنا تھا
طے یہ ہوا تھا کہ کچھ نہ بولیں گے
غیر کے سنگ دیکھ کر چپ نہیں رہنا تھا
ذرا سی بات پہ وہ ہوا ہم سے ناراض
وہ مانے نہ مانے ہمیں منانا تھا
اندھیری شب راستہ نہ بھول پڑے وہ
راستے میں اک چراغ ہمیں جلانا تھا
وہ چھوڑ گیا تو کیا ہوا عمران
محبت کا غم ہمیں کھانا تھا

☆ انتخاب: محمد عمران بٹ - ڈھوک ڈل

## ماں تجھے سلام!

کسی نے ماں سے سوال کیا ...... کہ اگر آپ کے قدموں سے ...... جنت لے لی جائے ...... اور ...... آپ سے کہا جائے ...... کہ کچھ اور مانگ لو تو ...... آپ خدا سے ...... کیا مانگو گی ...... تو ماں نے بہت خوبصورت جواب دیا ...... کہ ...... میں اپنی اولاد کا نصیب اپنے ...... ہاتھوں سے لکھنے کا حق ...... مانگوں گی ...... کیونکہ ان کی خوشی کے آگے ...... میرے لئے ...... ہر جنت چھوٹی ہے ...... ماں تجھے سلام!

☆ ............. ایم شفیع تنہا - امرہ خورد

## غزل

اے زندگی آپ سے کیا شکوہ کروں
اے دوست آپ سے کیا شکایت کروں
یہ تو میری بدنصیبی تھی جو آپ مجھ سے ہوئی خفا
اے محبوب اب آپ سے امید رکھا کیا کروں
جو آپ کی دوستی چار دن کی تھی
تو آپ کی محبت کا اعتبار اب کیا کروں

☆ ............... حفیظ اللہ لاسی - لسبیلہ

## مجھے جینا نہیں آتا

مجھے رہنا نہیں آتا ...... مجھے کھونا نہیں آتا ...... کہ تم بن جینا مشکل ہے ...... جو درد تم دینا چاہتی ہو ...... مجھے سہنا نہیں آتا ...... تم تو رہ لو گی ساتھ کسی اور کے ...... مگر میں کیا کروں کہ مجھے راستہ بھولنا بھی نہیں آتا ...... تم تو واقف ہو، مجھے تو بات کرنے کا طریقہ بھی نہیں آتا ...... تم تو جیت جاتی ہو ساری رات کو بھی ...... میں دکھاؤں کیسے تمہارے بن مجھے جینا نہیں آتا

☆ ......... محمد انور لاسی - بابا آدم پیر

## غزل

اوّل اوّل کی دوستی ہے ابھی
اک غزل ہے کہ ہو رہی ہے ابھی
میں بھی شہر وفا میں نووارد
وہ بھی رک رک کے چل رہی ہے ابھی
میں بھی ایسا کہاں کا زود شناس
وہ بھی لگتا ہے سوچتی ہے ابھی
دل کی وارفتگی ہے اپنی جگہ
پھر بھی کچھ احتیاط سی ہے ابھی
گرچہ پہلا سا اجتناب نہیں
پھر بھی کم کم سپردگی ہے ابھی
کیسا موسم ہے کچھ نہیں کھلتا
بوندا باندی بھی دھوپ بھی ہے ابھی
خودکلامی میں کب یہ نشہ تھا
جس طرح روبرو کوئی ہے ابھی
قربتیں لاکھ خوبصورت ہوں
دوریوں میں بھی دلکشی ہے ابھی
فصل گل میں بہار پہلا گلاب
کس کی زلفوں میں ٹانکتی ہے ابھی
(فراز) ............ ہیبتان خان - بگٹی

دل کسی سے تب ہی لگانا جب دلوں کو پڑھنا سیکھ لو
ہر اک چہرے کی فطرت میں وفاداری نہیں ہوتی

☆ .......... محمد فاروق - رحیم یار خان

# دکھ درد ہمارے

''دکھ درد ہمارے'' کالم کے لئے جو قارئین بھی اپنا دکھ شائع کرانا چاہتے ہیں وہ اپنے دکھ لکھ کر ہمراہ اپنے شناختی کارڈز کی کاپی بھی ارسال کریں۔ ''دکھ درد ہمارے'' کالم کے لئے جن قارئین کے شناختی کارڈز کی کاپی ہمراہ نہیں آئے گی ان کو ''دکھ درد ہمارے'' کالم میں جگہ نہیں دی جائے گی۔ ایسے تمام قارئین کے آئے ہوئے خطوط ضائع کر دیتے ہیں۔ ......ایڈیٹر

☆......میں اس دنیا میں اکیلا ہوں، نہ میرا کوئی بہن بھائی ہے اور والدین بھی اللہ پیارے ہو چکے ہیں۔ میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہوں۔ میں دن رات انہی سوچوں میں رہتا ہوں کہ میرا کوئی بہن بھائی ہوتے تو آج میں اپنے آپ کو یوں اکیلا نہ سمجھتا۔ میں نے زندگی میں بہت سے دکھ دیکھے ہیں۔ پہلے تو اپنے باپ کی وفات کا دکھ جب میں ابھی سات سال تھا کہ میرے باپ کو نامعلوم افراد نے ان کو قتل کر دیا اور یوں میں اور میری ماں اس دنیا میں رہ گئے۔ میری ماں نے دن رات محنت کر کے مجھے پڑھایا لکھایا اور مجھے باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ ابھی میری پڑھائی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ میری ماں کو ایک موذی مرض لاحق ہو گیا جس کی وجہ سے وہ کچھ ماہ ہسپتال میں زیر علاج تھی کہ ہسپتال میں ہی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اس طرح آج پھر مجھے دوسری بار باپ کی یاد آئی اور یوں میں ماں اور باپ کے سایہ سے محروم ہو گیا۔ ماں کی وفات کے بعد سے آج تک میں اکیلا ہی ہوں۔ اب میں نے اپنی زندگی کی گاڑی خود ہی سنبھالنے لئے دربدر کی ٹھوکریں کرنے لھانے لگا۔ آج ایک فیکٹری کے چکر لگا تو دوسرے دفتر میں دھکے کھاتا روزگار کے لئے۔ انہی حالات میں مجھے چند ایک ایسے مطلبی قسم کے لوگ ملے جنہوں مجھے روزگار کا جھانسہ دے کر مجھے لوٹا۔ آخر اللہ کے فضل سے مجھے ایک فیکٹری میں ایک جاب مل گئی اور آج میں اپنی زندگی میں مصروف ہوں۔ (محمد افضال علی- ساہیوال)

☆......میری زندگی میں میں ہمیشہ دکھ ہی دکھ شامل رہے ہیں۔ میں ایک امیر باپ کی بیٹی تھی کہ بہت پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے کہ اچانک ایک ایسا طوفان آیا کہ میرے والد صاحب کی سارا کاروبار تباہ و برباد ہو گیا اور یوں ہماری تمام جائداد اور تمام بینک بیلنس ختم ہو گئے اور ہم بھکاریوں کی طرح دربدر کی ٹھوکریں کھانے لگے۔ اس طرح میں ہمیشہ ذہنی طور پر ٹینشن کا شکار رہتی کہ کہاں وہ دن تھے کہ چار چار گاڑیاں ہوتی تھیں اور نوکر چاکر ہوتے کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہوتی تھی اور آج کا دن کہ ہم دو وقت روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھا سکتے۔ آج میرے باپ کو ایک ایسی بیماری لاحق ہے کہ ان سے چارپائی سے اٹھا بھی نہیں جاتا۔ میری ماں اور میں دن رات لوگوں کے گھروں میں کام کر کے اپنے باپ کا علاج کروا رہی ہوں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مشکلیں آسان کرے۔ (نعم احسان- ملتان)

☆......آج میں ایک اچھی زندگی نہیں گزاری رہی تو کیا ہوا اللہ نے ہمیں بہت کچھ دیا ہوا شاید یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ایک امتحان ان شاء اللہ ایک دن اللہ ہمیں پھر وہی مقام دیں جو ہم سے چھن گیا ہے۔ میں ایک زمیندار ماں باپ کی اولاد ہوں، ہوا کچھ یوں کہ میرا باپ کے پانچ بھائی، باپ والد صاحب اپنے والد کی وفات کے بعد ان کی جگہ جانشین بنے کیونکہ میرے باپ سب سے بڑے تھے بس تو یہی جائداد میرے باپ کی دشمن ثابت ہوئی۔ میرے چاچو لوگ چاہتے تھے کہ ہمیں سرداری ملے جس کی وجہ سے ان لوگوں نے میرے باپ کو قتل کروا دیا اور یوں انہوں نے ساری جائداد پر قبضہ کر لیا اور ہم ماں بیٹھی اور میرے چھوٹے بھائیوں کو گھر سے بے دخل کر دیا اور یوں ہم اپنا گھر بار چھوڑ کر دوسرے شہر آ کر آباد ہو گئے۔ آج میں اپنی ماں سے [illegible] کرا نے بھائیوں کو پڑھا رہی ہیں اور اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔ آخر ایک نہ ایک دن ضرور [illegible] ملے گا اور ہم پھر اپنے گھر والے بن جائیں گے۔ (شیم اختر- لاہور)



# رشتے ناطے

''رشتے ناطے'' کالم کے لئے ہر ماہ بہت سے رشتے وصول ہو رہے ہیں۔ جو خواتین و حضرات اپنے رشتے فوری شائع کروانا چاہیں وہ اپنے شناختی کارڈز کی فوٹو کاپی بھی ارسال کریں۔ رشتے ناطے کالم میں اپنے رشتے شائع کرانے کے لئے اپنے خطوں کے رشتے ارسال کرتے وقت اپنے شناختی کارڈز کی فوٹو کاپی ضرور ارسال کریں۔ جن رشتوں کے ہمراہ شناختی کارڈز کی فوٹو کاپی نہیں ہو گی وہ رشتے شائع نہیں کئے جائیں گے۔

☆......میرا دوست ایک پرکشش شخصیت کا مالک ہے اور اس کا اپنا کاروبار ہے اور اللہ دی ہوئی ہر چیز ہے گاڑیاں، بنگلہ، فیکٹریاں، نوکر چاکر اور دنیا کی ہر آسائش گھر پر موجود ہے کمی ہے تو صرف گھر میں ایک مالکن کی کمی ہے جس کو پورا کرنے کے لئے وہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ خواہشمند حضرات یا لڑکیاں خود رابطہ کریں کر سکتی ہیں۔ (صدیق اللہ بھٹی- لاہور)

☆......ایک خوبصورت نوجوان لڑکی کے لئے رشتہ درکار ہے۔ لڑکی ایک سرکاری آفس میں ملازمہ ہے اور اچھی خاصی تنخواہ بھی لیتی ہے۔ لڑکی کی عمر تقریباً تیس سال ہے۔ خواہشمند حضرات رابطہ کریں۔ (رانا عارف انعام- گجرات)

☆......میرا دوست امریکہ میں مقیم اور اپنا پٹرول پمپ ہے۔ اچھی خاصی آمدن ہے دنیا کی ہر چیز موجود ہے۔ وہ کسی پاکستانی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میرے دوست کی عمر تقریباً پینتیس سال ہے اور اچھے کردار اور ہر دلعزیز قسم کی شخصیت کا مالک ہے۔ جس محفل میں جاتا پھر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔ خواہشمند والدین اور لڑکیاں خود بھی رابطہ کریں۔ (عرفان علی میاں- نارووال)

☆......ایک اٹھائیس سالہ بیوہ کے لئے رشتہ درکار ہے وہ کینیڈا میں مقیم ہے اور وہاں اپنا سپر سٹور چلا رہی ہے۔ گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ کوئی ایماندار اور پیار کرنے والا آدمی ہو جو اس کے ساتھ اس کے سٹور کو چلا سکے اور میری زندگی کا ساتھی بن جائے۔ ذات برادری کی کوئی قید نہیں۔ خواہشمند حضرات رابطہ کریں۔ (بشارت امتیاز کھوکھر- اسلام آباد)

☆......ایک خوبرو دوشیزہ کے لئے اچھے خاندان سے رشتہ درکار ہے۔ لڑکی ایک گورنمنٹ کالج میں پروفیسر ہے اور اچھی اپنی اکیڈمی ہے۔ لڑکی اچھا خاصا کما لیتی ہے اور کسی چیز کی کمی نہیں۔ لڑکا ایماندار اور اچھے کردار کا حامل ہو اور ذات برادری کی کوئی قید نہیں۔ لڑکی کی عمر پچیس سال ہے۔ (ملک امین علی چراغ- صادق آباد)

☆......میرے دوست کی اپنی فیکٹری ہے اور کوٹھی، گاڑیاں اور دنیا کی ہر آسائش گھر پر موجود ہے کمی صرف ایک پیار کرنے والی بیوی ہے جو گھر کو سنبھال سکے اور میرے دوست چاہتا ہے لڑکی خوبصورت اور اچھی سلجھی ہوئی اور کم از کم ایف اے پاس ہو۔ خواہشمند لڑکیاں یا والدین رابطہ کریں۔ (آفتاب الدین خان- نواب شاہ)

☆......ایک خوبصورت نوجوان جو ایک اخبار میں رپورٹر ہے اور اچھی شخصیت کا حامل ہے۔ نوجوان کی عمر پچیس سال ہے اور بی اے پاس ہے۔ اچھی خوبصورت اور سلجھی ہوئی لڑکیاں یا ان کے والدین رابطہ کریں۔ ذات برادری کی کوئی قید نہیں۔ (سفیر احمد کمبوہ- عارف آباد)

# پسندیدہ اشعار

## آ

آیا ہوں تیری چوکھٹ پر محبت کی بھیک مانگنے
گدا ہوں تیرا کہیں خود سے نہ روٹھ جاؤں
☆---- ایم افضل کھرل - ننکانہ صاحب

## ا

انداز عشق ہے یا شوق عشق
کہ جسے دیکھو مجنوں بنا پھرتا ہے
☆---------- ظفر نور بھٹو - سندھ

اپنے مقدر کا تو مل ہی جائے گا اے خدا
وہ چیز عطا کر جو قسمت میں نہ ہو
☆---------- کراچی

اس کی زندگی میں میری اہمیت اک کھلونے جیسی ہے فراز
دل کرتا ہے کھیلتا ہے دل بھرتا ہے توڑتا ہے
☆---------- کراچی

اس نے تو پھر بھی سیکھ لیا زمانے کے ساتھ جینا اے فراز
ہم تو کچھ بھی نہ کر سکے اس سے محبت کے سوا
☆------ قیصر مسعود - چوآ سیدن شاہ

انسان کی فطرت کو سمجھتے ہیں پرندے محسن
جتنی بھی محبت سے بلاؤ پاس نہیں آتے
☆--- عبدالصمد ایس کے گبول - کراچی

الفت دوستی میں خدا سے اور کیا مانگوں تیرے لئے
بس دعا ہے کہ تو دعاؤں کا بھی محتاج نہ ہو
☆---------- پرنس مظفر شاہ - پشاور

اپنے کاموں میں کھو کے کہیں
بھول نہ جانا مجھے اے دوست
کہ ہم مٹی کے حوالے بھی ہو جائیں
اور آپ کو خبر تک نہ ہو
☆---- نوید احمد خان جرنیجہ - اسلام آباد

احساس کے انداز بدل جاتے ہیں ورنہ
آنچل بھی اسی تار سے بنتے ہیں کفن بھی
☆---------- محمد خورشید اجنبی - مالکین

انسان کی خواہش کی کوئی انتہا نہیں
دو گز زمین چاہئے دو گز کفن کے بعد
☆---------- کاشف گلونہ - بنوں

اپنی محبت سے تمہیں چاند بنا دیں گے
کرو اعتبار کبھی نہ تم کو دغا دیں گے
☆---------- ظفر نور - اوبلاوڑہ

انجام محبت سے اپنا گھر چھوڑ دیا فراز
ورنہ یہ عمر پردیس کے قابل نہیں تھی
☆---------- نعیم شہزاد - بورے والہ

اس دنیا کو میں ہی ملا ہوں
اک بے وقوف دھوکہ کھانے کے لئے
یہ دنیا نہ تیری ہے نہ میری ہے
یہ دنیا تو دوغلی ہے شاد
☆-- محمد آفتاب شاد - کوٹ ملک دوکوہ

## ب

بہت اٹھائے تھے جس کے ناز ہم نے زمانے میں
رضا ہم کو تنہا دیکھ کر وہ رستہ بدل گیا
☆---------- اے ڈی ناز - ساہیوال

بس اپنے ارمانوں کی تصویر بنانے کے لئے
ہم نے تو پیار کیا ہے صرف آنسو بہانے کے لئے
☆---------- واصف علی - بھریا روڈ

## پ

پھول روتے ہیں کہ آئی نہ صدا تیرے بعد
غرق خوں ہے بہاروں کی ردا تیرے بعد
آندھیاں خاک اڑاتی ہیں سر صحن چمن
لالہ و گل ہوئے شاخوں سے جدا تیرے بعد
☆------- صادق سکندر بلوچ - تربت

پیتے تھے جس کے ساتھ وہ ساقی بڑا حسین تھا
عادی بنا کے بے وفا نے میخانہ بدل لیا
☆---------- نوید اقبال - سرگودھا

## ت

تڑپ کے دیکھو کسی کی چاہت میں
تو پتا چلتا ہے کہ پیار کیا ہوتا ہے
یونہی مل جائے اگر کوئی بنا تڑپے
تو کیسے پتہ چلے کہ پیار کیا ہوتا ہے
☆---- رئیس محمد ساجد کاوش - خان بیلہ

تیری یادیں مجھے اب جینے نہیں دیتی ناز
کچھ دن کے لئے ان کو اپنے پاس ہی بلا لو
☆---------- عثمان غنی - قبولہ شریف

تیری راہوں میں ہم بچھے ہیں
کئی صدیوں سے بہار بن کر
کبھی تم بھی تو جل کر دیکھو
ہم پتھر تھے کس قدر موم بن گئے ہیں
☆---- عبدالوحید ابرار بلوچ - آواران

تڑپ کے دیکھو کسی کی چاہت میں
تو پتہ چلے کہ انتظار کیا ہوتا ہے
یونہی مل جائے کوئی پتہ چاہئے
تو کیسے پتہ چلے کہ پیار کیا ہوتا ہے
☆---------- محمد اسحاق انجم - کنگن پور

تم کو شہرت ہو مبارک ہمیں رسوا نہ کرو
خود بھی بک جاؤ گے اک روز یہ سودا نہ کرو
☆------ سیف الرحمٰن زخمی - سیالکوٹ

تجھے پانے کی حسرت میں کب تک [illegible] رہوں ساقی
کوئی ایسا دے دھوکہ کہ میری سانس ٹوٹ جائے
☆---------- ایم یعقوب - چکوال

تیری بے رخی کے صدقے تری ہر جفا پہ قربان
کرے غیر کو جو سجدے وہ سر کہاں سے لاؤں
☆-------- مدثر عمران ساحل - سوہدرہ

## ٹ

ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری
☆-------- عمران بلوچ - تاندلیانوالہ

## ج

جدھر بھی دیکھو آزاد عاشق بیمار بیٹھے ہیں
ہزاروں مر گئے ہیں مگر لاکھوں تیار بیٹھے ہیں
☆------ محمد اسماعیل آزاد - گھر یونگ

جب بھی کبھی ضمیر کا سودا ہو دوستو!
قائم رہو حسینؑ کے انکار کی طرح
☆---------- عارف حسین - جام پور

جان کر بھی وہ مجھے جان نہ پائے
آج تک وہ مجھے پہچان نہ پائے
خود ہی کر لی بے وفائی ہم نے
تاکہ اُن پر کوئی الزام نہ آئے
☆-- بے وفا ایم زیڈ اے گبول - کراچی

جسے چاہوں اسے احساس خدائی دے دو
رشتہ پیار کا رکھوں تو عبادت جیسا
ہم بھرے شہر میں تنہا تو نہیں تھے
کوئی رشتہ نہ ملا پھر تیری چاہت جیسا
☆---------- ایم شفیع تنہا - امرہ خورد

## چ

چلے جانے دو اس بے وفا کو کسی غیر کے ہاتھوں میں شاہد
جوانی چاہت کے بعد بھی میرا نہ ہوا کسی اور کا کیا ہو گا
کیا وفا ملتی ہے ان مٹی کے حسین انسانوں سے فراز
یہ لوگ اپنا مطلب کے خدا کو بھی یاد نہیں کرتے
☆---------- شاہد اقبال خٹک - کرک

چاند کی چاندنی ہو گی ستاروں کی بارات ہو گی
خوشی اس دن ہو گی جس دن آپ سے ملاقات ہو گی
☆---------- حافظ شفیق عاجز - کوٹلی

## خ

خواب میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں اس کا دکھانا مشکل ہے
آئینے میں پھول کھلا ہے ہاتھ لگانا مشکل ہے
☆---- محمد خادم ننگ - ڈیرہ مراد جمالی

خوب نام ہے، نام محمدؐ اے مومنو!
جس میں نقطہ بھی رب کو گوارا نہیں
☆---------- محمد اعوان - گوجرہ

## د

درد اتنا ہے کہ ہر رگ میں ہے محشر برپا ساتول
اور سکون ایسا کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے
☆---------- بشیر ساتول - واہ کینٹ

دلنشین نہ ہو چاہے دلربا نہ ہو
محبوب مگر بس میرا بے وفا نہ ہو
☆---------- ندیم احمد ساحر - حیدرآباد

دکھ یہ نہیں کہ اس نے نگاہ بدل لی مجھ سے ستار
غم تو یہ ہے کہ وہ جینا سیکھ گیا میرے بغیر
☆---------- فاروق احمد ستانی - چکوال

دیکھا مجھے تو ترک تعلق کے باوجود
وہ مسکرا دیا یہ ہنر بھی اسی کا تھا
☆---------- تنویر خالد - دوکوٹہ

دل میں اتنے زخم ہیں آزاد جس کا اندازہ نہیں
کھول کر کیسے دکھاؤں اس کا دروازہ نہیں
☆- محمد اشرف زخمی دل - ننکانہ صاحب

## ر

رونے سے نہیں حاصل کچھ اے دل سودائی
آنکھوں کی بربادی ہے دامن کی رسوائی
ہم لوگ سمندر کے بچھڑے ہوئے ساحل ہیں
اس پار بھی تنہائی اس پار بھی تنہائی
☆---------- یاسر ساقی - مانسہرہ

## ز

زندگی یونہی گزر جائے گی اپنی رفتہ رفتہ گلزار
اک حسرت سی رہے گی تجھے پا نہ سکا میں
☆----- ساگر گلزار کنول - فورٹ عباس

زمانے سے بگاڑی تھی تجھے اپنا بنایا تھا
یہ میری سخت غلطی تھی کہ تجھ سے دل لگایا تھا
☆---------- محمد صفدر دکھی - کراچی

## س

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے
☆------- شعیب شیرازی - جوہر آباد

سنتا تھا وہ بھی سب سے پرانی کہانیاں
شاید رفاقتوں کی ضرورت اُسے بھی تھی
☆---------- محمد خاں انجم - دیپالپور

سارا شہر شناسائی کا دعویدار تو ہے لیکن
کون اپنا کون پرایا ہے وقت ملا تو سوچیں گے
ہم نے ہی اسے لکھا تھا کہ ملنے کی کچھ تدبیر کرو
جواب میں اس نے لکھا ہے وقت ملا تو سوچیں گے
☆----- نثار احمد حسرت - نور جمال شمالی

سطر لکھتا ہوں خون سے میری آرزو خاموش ہے
آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں مگر میری قلم بے ہوش ہے
☆- عبدالغفور نقشبندی کیلانی - حافظ آباد

## ش

شہر احساس میں پتھراؤ بہت ہے عمران
دل کے شیشے کو جھروکوں میں سجایا نہ کرو
☆------- محمد عمران بٹ - ڈھوک ڈل

## ط

طوفان ہے تو کیا غم مجھے آواز تو دیتے
کیا بھول گئے آپ مرے پیچھے کھڑے وہ
☆---- پرنس عبدالرحمٰن گجر - نمین لانجھ

## ع

عجیب ہیں الجھن میری عجیب طرز زندگی ہے
کبھی غم ہے اپنا سایہ کبھی بے نام سی خوشی ہے
کس پہ کروں بھروسہ کس سے کروں میں شکوہ
سب نام کے ہیں رشتے برف چہروں پہ جمی ہے
☆..... محمد خادم ہنگ-ڈیرہ مراد جمالی

عمر بیت گئی وفا کرنی نہ آئی
تیرے دل کی گلیوں میں صدا کرنی نہ آئی
ہاتھ اٹھا کر اپنے رب سے ہر بار جس کو مانگا
وہ کہتی ہے تجھے دعا کرنی نہ آئی
☆.......... محمد عارف بروہی-حب

عشق ہو پیار ہو اظہار نہ ہو تو کیا فائدہ
دل ہو جان ہو دلدار نہ ہو تو کیا فائدہ
یار ہو دلدار ہو دیدار نہ ہو تو کیا فائدہ
☆..... تنہا امداد علی گبول-میرپور ماتھیلو

عشق نہیں کوئی جرم جو کسی سے چھپایا جائے
ہم نے اُن کو چاہا ہے لاکھوں میں کہتے ہیں
☆.............. ایم وائی سچا-جدہ

## غ

غضب آنکھیں ستم آبرو عجب منہ کی صفائی ہے
اللہ نے اپنے ہاتھوں سے تیری کیسی صورت بنائی ہے
☆.......... عبدالرشید بزنجو-گڈانی

## ف

فنا اتنا ہو جاؤں میں تیری عبادت میں یارب
جو مجھ کو دیکھ لے اسے تجھ سے محبت ہو جائے
☆.............. عمران فنا-حب ڈیم

یہ روز روز کی خوشیاں تجھے برباد کر دیں گی ورد کی
اکثر سوکھ جاتا ہے وہ درخت جو سدا پانی میں رہے
☆....... ظفر اقبال دردی-پاک پتن

## ق

قسمت نے [illegible] پردیس تو وطن و برباد کیا [illegible]
جہاں [illegible] ہو وہاں فریاد کیا کرتا

☆.............. محمد محسن ساغر-عارفوالہ

## ک

کوئی الزام کوئی طنز کوئی رسوائی
دن بہت ہوئے یاروں نے عنایت نہیں کی
☆..... کھوکھر ندیم شوکت-کلرسیداں

کبھی زندگی سے وفا کر کے روئے
تو کبھی موت کی دعا کر کے روئے
عجیب سلسلے ہیں نماز عشق کے بے درد
کبھی روا کر کے روئے کبھی وفا کر کے روئے
☆.................. اللہ دتہ بے درد

کچھ وقت کی روانی نے ہمیں یوں بدل دیا باذی
وفا پر اب بھی قائم ہیں لیکن محبت چھوڑ دی ہم نے
☆............... حماد ظفر بادی-گوجرہ

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں
☆.......... مریز بشیر گوندل-سکوال

کہا تھا ناں ہم نے یوں نفرتیں نہ پال کنول
اب لاوا اُبل پڑا ہے تو زلزلے بھی دیکھ
☆......... آتش گورمانی-مظفرگڑھ

کسی کا ساتھ مل جائے میری تقدیر بن جائے
میں بن جاؤ مصور کوئی میری تصویر بن جائے
☆..... فنکار شیر زمان پشاوری-پشاور

کچھ لوگ دیکھتے ہی روٹھ جاتے ہیں
کچھ لوگ دیکھتے ہی دل میں اتر جاتے ہیں
☆....... محمد لقمان اعوان-سریانوالہ

کچھ تو آنکھوں کا بھی حسن شامل ہوتا ہے
سحر لوگ اتنے حسین نہیں ہوتے
☆.............. غلام شبیر سحر-بھلوال

کسی کی کیا مجال کہ کوئی ہمیں خرید سکے طیب
ہم تو وہ سوداگر ہیں جو خریداروں کو خرید لیتے ہیں
☆..... ملک طیب اعوان-حسن شریف
کوئی کیوں جہاں انتظار کرے گا

اپنی زندگی میرے لئے بیکار کرے گا
ہم کون ہے کسی کے لئے ناس ہیں تجر
کیا سوچ کر کوئی ہمیں یاد کرے گا
☆.............. مجید احمد جائی-ملتان

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر کے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے
☆...... فیاض احمد چانڈیہ-مظفرگڑھ

کوئی تو ہو جسے میں اپنے سمجھ کے رولوں
ڈسنے والے تو سبھی یار نظر آتے ہیں
☆..... صنم جمال شاہ-احمد پور سیال

کبھی رات کو سونے سے پہلے مجھے یاد کرنا
کچھ پا کر کھونے سے پہلے مجھے یاد کرنا
قدم قدم پر دنیا ستم کرے گی بہت
کسی بات پہ رونے سے پہلے مجھے یاد کرنا
☆.............. حسن رضا-رکن شی

## گ

گرچہ [illegible] میں گے رات خواب میں تنہا
تو سو جائیں گے [illegible] کی پھر آنکھ ہماری
☆.......... زبیر حسن الیس-میلسی

## م

میں تمہیں پڑھ کر کسی اور کو کیوں چاہوں گی
تمہی پہ ختم ہے قصہ میری چاہت کا
☆.............. نیلم شہزادی-فتح جھنڈ

میرے سجدوں میں کمی تو نہ تھی فراز
کہا مجھ سے بھی پڑھ کر کسی نے مانگا تھا اس کو
☆.............. عابد رشید-راولپنڈی

میں نے یہ سوچ کر بوئے نہیں خوابوں کے درخت
کون صحرا میں لگے پیڑ کو پانی دے گا
☆........ محمد اقبال رحمن-سہکی بالا
میرا [illegible] تو مجھے عشق ہونے کی کیا خبر
[illegible] بدل دیے
☆... [illegible]

میں جانتا تھا کہ وہ بے وفا ہے کامران
چاہا تھا اسے اس لئے شاید اس کی فطرت بدل جائے
☆.............. زاہد عباس-ویہاڑی پور

مانا کہ میری ذات میں سو عیب ہیں مگر
بکتے نہیں ہم فقیر لوگ ہیں
☆......... محمد ہارون قمر ضیح پور ہزارہ

مر جائے انسان تو بڑھ جاتی ہے قیمت
زندہ رہو جینے کی سزا دیتی ہے دنیا
☆ سید عبادت کاظمی-ڈیرہ اسماعیل خان

میرے پاس سے وہ گزرے میرا حال تک نہ پوچھا
میں کیسے مان جاؤں کہ وہ دور جا کے روئے
☆۔ عاشق حسین طاہر-منڈی نوتانوالی

منزل اور راستہ تمہارا ہو گا
بس بھٹکنے والا قدم ہمارا ہو گا
ہم سے اتنی نفرت نہ کرو سانول
آخر کوئی تمہیں جان سے پیارا ہو گا
☆........ آصف سانول-چشتیاں

مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں
لیکن تھا میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ
☆......... محمد عباس جانی-چیچہ وطنی

مانا کہ تیرے شہر میں ہم سے غریب کم ہوں گے
پر اگر تیری وفا تو پہلے خریدار ہم ہوں گے
تجھ کو خبر نہ ہو گی اپنی قیمت کی
تجھے پا کر سب سے امیر ہم ہوں گے
☆.......... قمر عباس-مانڑہ خاص

میں تم سے کچھ نہیں کہتا بس اتنی سی گذارش ہے
کہ اتنی بار مل جاؤ جتنا یاد آتی ہو
☆.. زیب ظہور احمد بلوچ-ڈیرہ مراد جمالی

محبت آنکھوں میں بسنے تو سجاتی ہے
محبت عمر بھر کے لئے روگ بھی تو بن جاتی ہے
☆.............. عبدالمجید احمد

میں تو سمجھا تھا اصول ہے تری ہستی
تو [illegible] ہے مجھے معلوم [illegible]

☆.............. اشتیاق ساغر-پیرپور
میں دل پے جبر کروں گا تجھے بھلا دوں گا
مروں گا خود بھی تجھے بھی کڑی سزا دوں گا
☆.......... سردار اقبال-سردار گڑھ

## ن

نام محمد سے خوشبو وفا آتی ہے
ان کے روضے سے امتی امتی کی صدا آتی ہے
جب بھی بیٹھتے ہیں ہم مدینے کی گلیوں میں
ایسا لگتا ہے کہ جنت سے ہوا آتی ہے
☆...... ندیم عباس ڈھکو-ساہیوال

## و

وہ میرے دل پہ سر رکھ کر سوئی ہوئی تھی
ہم نے دھڑکن ہی روک لی کہیں اس کی نیند نہ ٹوٹ جائے
☆..... مسز ایم ارشد وفا-گوجرانوالہ

وہ کیسا وقت جدائی تھا تجھے الوداع بھی نہ کہہ سکے
تیرے پاس ہم نے کیسا رہنا تیرے شہر میں بھی نہ رہ سکے
☆..... مدد حسین حسین بلوچ-عارفوالہ

وہ محفل میں اپنی وفا کا ذکر کر رہا تھا
نظر جو ہم پر پڑی تو موضوع ہی بدل دیا
☆.............. محمد نعمان نومی-لاہور

وہ آتا ہے ہر روز میری قبر پر اپنے ہمسفر کے ساتھ
کون کہتا ہے مرنے کے بعد جلایا نہیں جاتا
☆........ غلام عباس-محمد پور دیوان

## ہ

ہزار عنوان گفتگو تے رہ گئے یہ سوچ کر ہم ناز
یہ بات اُسے ناگوار ہو گی یہ لفظ اُسے ناپسند ہو گا
☆.......... علی ناز دکھی-ڈھوک مراد

ہوتی نہیں قبول کوئی بھی دعا ہماری
شاید خدا بھی ہم سے روٹھا ہے
☆.............. اے آر راحیلہ منظر

ہماری پیاس کا اندازہ ہی نرالا ہے ساگر
کبھی دریاؤں کو ٹھکرا دیتے ہیں کبھی آنسو تک پی جاتے ہیں

☆...... خان انصر ایس ساقی-مانسہرہ
ہماری یاد آپ کو نہ ہی ہوتی ہو گی
تم کو کیا پتہ ہو گا میری آنکھیں کتنی روتی ہوں گی
☆....... امجد وکی کورونانہ-لکڑیانوالہ

ہم تو وہ ہیں جو تیری آواز سن کر جیتے ہوئے اشفاق
وہ کوئی اور ہیں جو تیرے دیدار کو ترستے ہیں
☆.............. اشفاق دکھی-میلسی

ہزاروں ٹکڑے کر دیئے میرے دل کے فراز
خود ہی رو پڑا ہر ٹکڑے پہ اپنا نام دیکھ کر
☆......... محمد حسین تنہا-دوبیر بالا

یہ بھی آنا تھا کڑا وقت تیری چاہت میں
کہ تو نہیں گرچہ میرے پاس مگر زندہ ہوں
☆.............. عابد محمود-ملکہ ہانس

## ی

فلک کے چاند کو سوچت نہیں میرے چاند پر
اسے میں روز دیکھتی ہوں اسے برسوں نہیں دیکھا
☆.............. ثوبیہ کنول-جوہر آباد

یہ میری بھول تھی جو میں نے تمہیں پیار کیا
نہ ملنے والی محبت کا انتظار کیا
☆......... سلیمان خان-آمان کوٹ

یوں تو پتھر کی بھی تقدیر بدل سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ اسے دل سے تراش جائے
کسی کے غم کو کہاں تک میں اپنے پاس رکھوں
یہ جس کا ہو وہ نشانی بتا کے لے جائے
☆.......... عبدالغفار تبسم-چونی

یہ چند آنسو یہ چند آہیں ہواس کے ماتم کیا ہے
زمانہ ہم نے کیا نہیں ایک کسی نے ہم کو [illegible]
☆.......... فضل شہزاد بلوچ-تربت

یہی کہیں رہتا تم
میں زمانہ بدل کر آتا ہوں
☆......... عمران بشیر گوندل-گوجرہ

# شعری پیغام اپنے پیاروں کے نام

**این کوئٹہ کے نام**

جب بھی تیرا جی چاہے تو پاس میرے آ جانا
میرا پیار میں تیرے لئے ہے تو نہ کبھی گھبرانا
بزنجو تو پہلے سے دکھی ہے نہ مزید کر کے جانا
جان ایک رات ٹھہر جا کل عید کر کے جانا
عبدالرشید بزنجو-گڈانی

**R ڈیرہ بگٹی کے نام**

ہم بھول گئے رے ہر بات مگر تیرا پیار نہیں بھولے
کیا کیا ہوا دل کے ساتھ مگر تیرا پیار نہیں بھولے
یار محمد پیروزانی بگٹی-ڈیرہ بگٹی

**R کسووال کے نام**

تم تو ہوش میں تھے اور ہمیں پہچان نہ سکے
ہم تو نشے میں بھی تیرا نام لیا کرتے ہیں
عامر سہیل-دنیاپور

**اجنبی دوست منڈی بہاؤالدین کے نام**

مجھے تم سے تمہیں تمہاری روح سے محبت ہے ناز
وہ اور ہوں گے جو جسم کے پجاری ہیں
علی ناز-ڈھوک مراد

**K ٹھٹھہ قریشی کے نام**

محبت چاہت وفا کچھ بھی نہیں
زندگی غم کے سوا کچھ بھی نہیں
تمہارے پاس مرے سوا سب کچھ ہے
میرے پاس تمہارے سوا کچھ بھی نہیں
ثمر اعجاز ممریز گوندل-گوجرہ

**ایف ظفروال کے نام**

تم کیا ساتھ دو گے سکتے ہو میری وفا کا
ہمیں تو اس شخص نے بھی تنہا چھوڑ دیا تھا

جس کا نام ہم نے اعتبار رکھا تھا
رئیس صدام ساحل-بستی خان بیلہ

**ایس احمد آباد کے نام**

مجھ سے مفلس ناواقف میرے جذبات سے تھا
اس کا رشتہ تو فقط اپنی مفادات سے تھا
اب جو بچھڑے ہیں تو کیوں روئے جدائی پر تیرے
یہ اندیشہ تو ہمیں پہلی ملاقات سے تھا
شاہد اقبال خٹک-کرک

**این گبول کے نام**

سکون ہو تمہارے لال میں اس طرح
پھولوں میں ہوتے ہیں خوشبو جس طرح
خدا تمہارے زندگی میں دے اتنے خوشیاں
زمین پے ہوتی ہے بارش جس طرح
عبدالصمد SK گبول-کراچی

**A گبول کراچی کے نام**

آسمان کے تارے اکثر پوچھتے ہیں ہم سے
کیا تمہیں آج بھی انتظار ہے اس کے آنے کا
اور یہ دل مسکرا کر کہتا ہے
مجھے تو اب تک یقین نہیں ہوا اس کے جانے کا
بے وفا ایم زیڈ اے گبول-کراچی

**ایس کلرسیداں کے نام**

تو کتنی خوبصورت ہے اس چاند سے پوچھ
تو کتنی پیاری ہے اس زمین سے پوچھ
چاند تارے تیری تعریف کرتے ہیں
تم اس لمبی رات سے پوچھ
محمد خادم جنگ-ڈیرہ مراد جمالی

**گوجرانوالہ کی ایف کے نام**

اے خط پرواز کر خدا تیرا مددگار ہو گا
راستے میں رک نہ جانا میرے محبوب کو تیرا انتظار ہو گا
ڈاکٹر محمد ایوب بوہڑ-جعفر آباد

**کسی اپنے کے نام**

کیا تھی کمی میری محبت میں
جو تم مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کے چلی گئی
مصطفیٰ گل-لیاری

**کسی دوست کے نام**

محبت کا پتہ بتایا نہیں جاتا
کسی دوست کو کبھی بھلایا نہیں جاتا
تجھے رکھا ہے دل میں اس جگہ پے
جہاں پر ہر کسی کو بسایا نہیں جاتا
محمد عمیر مظہر سنی-تبکیاں

**ثناء ماہ نور بہاولنگر اور سلمیٰ ہری پور کے نام**

بے تاب سی رہتی ہوں تیری یاد میں اکثر
رات بھر نہیں سوتی تیری یاد میں اکثر
جسم میں درد کا بہانہ سا بنا کر شونوں جی
میں ٹوٹ کے روتی ہوں تیری یاد میں اکثر
ثوبیہ کنول-بھکر

**پھول نگر کی این کے نام**

الفاظ تو بہت ہیں میری محبت بیان کرنے کے لئے
پر جو میری خاموشی نہیں سمجھتا وہ میرے الفاظ کیا سمجھے گا
کیا پتہ پھر کبھی تم لوٹ کے آؤ اور یہ جسم مٹی میں خاموش ہو
عثمان غنی-قبولہ شریف

**لیاری کے مصطفیٰ گل کے لئے**

اداسیوں میں جینا عادت بن گئی ہے
جن سے واسطہ تھا [illegible] وہ [illegible] مصروف رہتے ہیں
عمران وفا-[illegible]



**چوہدری عمیر انور اور شعیب انور کے نام**

دل اداس ہو تو بات کر لینا
دل چاہے تو ملاقات کر لینا
ہم رستے میں آپ کے دل میں گلاں والو!
کبھی وقت ملے تو تلاش کر لینا
فاروق احمد شانی-چکوال

**نور زیب گوجرانوالہ کے نام**

جب تمہیں چاہا ہے روح کی گہرائی میں
کیسے ممکن ہے کہ دن ہو یا رات ہو میں تمہیں یاد نہ کروں
زیب ظہور احمد بلوچ-ڈیرہ مراد جمالی

**سب دوستوں کے نام**

کبھی اس طور سے ہنسنا کہ دنیا کو رلا دینا
کبھی اس رنگ میں رونا کہ خود پر مسکرا دینا
اللہ دتہ بے درد-راولپنڈی کینٹ

**ایس آزاد کشمیر کے نام**

کتنے مجبور ہیں تقدیر کے ہاتھوں فراز
نہ اسے پانے کی اوقات رکھتے ہیں نہ کھونے کا حوصلہ
مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں
تو میرا شوق دیکھ میرا انتظار دیکھ
رئیس ساجد کاوش-خان بیلہ

**فیصل آباد کے رانا نبیل احمد کے نام**

اس نے اچھا وقت گزارنے کے لئے ہم سے کی تھی دوستی
ہم سمجھے ہماری چاہت میں گہرائی بہت ہے
عبدالمجید احمد-فیصل آباد

**A ڈیرہ غازی خان کے نام**

وہ تمہارا پیار سے مسکرانا آج بھی یاد ہے
تجھے روٹھے ہوئے کو منانا آج بھی یاد ہے
جان تنہا مجھے تنہا چھوڑ کر نہ جاؤ ابھی
تمہاری جدائی میں تنہا آنسو بہانا مجھے یاد ہے
سیف الرحمن زخمی-سیالکوٹ

**T بورے والا کے نام**

دو باتیں ہو سکتی ہیں صنم تیرے انکار کی
یا دنیا سے تو ڈرتی ہے یا قدر نہیں میرے پیار کی
نعیم شہزاد-کوہاٹ

**این کراچی کے نام**

چمن چمن اداس ہے پھولوں میں وہ خوشبو نہیں
اس زندگی کا کیا مزہ جس زندگی میں تو نہیں
محمد صفدر دکھی-کراچی

**ایس منڈی بہاؤالدین کے نام**

محبت موسموں کی قید سے آزاد ہوتی ہے
سنو سورج نکلنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا
اب بھی تیری یاد میں آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
پرانی راکھ جلنے کا کوئی موسم نہیں ہوتا
محمد خان انجم-لدھے وال

**قلمی دوستوں کے نام**

ہم باوفا تھے اس لئے نظروں سے گر گئے
شاید تمہیں تلاش کسی بے وفا کی تھی
امین مراد انصاری-کراچی

**پشاور کے حمزہ کے نام پرنس مظفر کا پیغام**

مانگا ہے تجھے رب سے ہم نے التجا کر کے
اب دور نہ جانا کبھی مجھے تنہا کر کے
نظر نہ لگے ہمارے پیار کو کسی دشمن کی
نکلتے ہیں گھر سے دوست یہی دعا کر کے
پرنس مظفر شاہ-پشاور

**واہ کینٹ کے اپنے کسی چاہنے والے نام**

کاغذ کے ہر ٹکڑے پر تیرا نام لکھوں
محبت کی راہوں میں تجھے ہمقدم رکھوں
میری عمر مجھ سے وفا کرے نہ کرے
میں زندگی کی آخری سانس تک تجھے یاد رکھوں
وصی مغل-واہ کینٹ

**الیف اور ایم کوٹ خوش حال کے نام**

تمہاری مسکراہٹ نے غضب کر ڈالا
میری حسین زندگی کو بدل ڈالا
جب عادی ہو گئے تیری مسکان کے ہم
کہو اپنا ہم سے کیوں بدل ڈالا
عمر دراز بادشہ-377 گ ب

**کسی اپنے کے نام**

لگتا ہے کہ راتوں کا جاگا تھا مصور محسن
تصویر کی آنکھوں میں تھکن جاگ رہی ہے
ایم اشفاق بٹ-لالہ موسیٰ

**اے اٹک کے نام**

دل والے محبت سے کنارہ نہیں کرتے
سہہ جاتے ہیں غم مگر لب سے پکارا نہیں کرتے
خود سر پہ اٹھا لیتے ہیں الزام زمانہ
مگر محبوب کی رسوائی گوارا نہیں کرتے
جنید اقبال-اٹک

**A فیصل آباد کے نام**

ذرا چھڑک دے اس پر جو تو اپنے پیار کا رنگ
رگ خزاں سے ٹپکنے لگے پھر بہار کا رنگ
مدثر عمران ساحل-سوہدرہ

**مجید احمد جائی ملتان کے نام**

تمہاری وفاؤں کا حساب بھی دیں گے
کانٹوں کے ساتھ گلاب بھی دیں گے
یہ مت سوچنا کہ تم سے سوال ہی کریں گے ساقول
تمہاری سبھی باتوں کے جواب بھی دیں گے
آصف ساقول-بہاول نگر

**اپنے دوستوں کے نام**

میں کیوں اسے پکاروں کہ لوٹ آؤ محسن
کیا اُس خبر نہیں میں کچھ نہیں ہوں ان کے بغیر
نامعلوم

**ایس چکسواری کے نام**

اب لوٹ بھی آؤ اور واپس آ جاؤ
ان آنکھوں سے اور ترسا نہیں ہوتا
یہ دل اور تری جدائی نہیں برداشت کر سکتا

تجھے قسم ہے عباس کے پیار کی جلدی واپس آ جاؤ
عباس علی گجر-چکسواری

### آر جھمرہ سٹی کے نام
اب نہ تیرے جانے کی خوشی
نہ تیرا دامن چھوڑ جانے کی خوشی
وہ وقت اور تھا کہ ہم آپ سے بے خبر تھے
اب سو دیکھ تو دل سے دیکھ
اب آ کہ تیرے آنے کی بہت خوشی
عبدالوحید ابرار-آواران

### عبدالرؤف کمبوہ چک F/69 کے نام
وقت کے اک اک پل میں یاد آتے ہو تم
سانس کی اک اک لہر کو چھو جاتے ہو تم
جب ہوتی ہے رات نکلتے ہیں تارے
چاند میں مسکراتے نظر آتے ہو تم
ظہیر عباس انجم کمبوہ-حاصل پور

### این پشاور کے نام
لوگ محبت کو گل نایاب کہتے ہیں
ہم تمہاری دوستی کو سلام کہتے ہیں
کریم بخشی-سوئی گیس فیلڈ

### انتظار حسین ساقی تاندلیانوالہ کے نام
ساقی تیری نوازش ہے
آنکھوں سے پلا دیتے ہو
ساقیا تیرے مے کدے میں
نام ساغر ہے اور مے کو ترستے ہیں
پھول جی-لالہ موسیٰ

### درد دل رکھنے والوں کے نام
لٹ چلے میری امیدوں کی طرح حرف مگر
آج تک تیرے خطوں سے تیری خوشبو نہ گئی
محمد احمد امان اللہ-بورے والہ

### ایم کے نام
بہار سے ہماری کوئی مجبوری نہیں ہوتی

کبھی اپنوں کی کبھی پوری نہیں ہوتی
دلوں کا جدا ہونا ایک الگ بات ہے
نظروں سے جدا ہونا کوئی دوری نہیں ہوتی
حسن رضا-رکن سٹی

### ایس ملتان کے نام
دل کی بساط تھی نگاہ جمال میں
شیشہ سا دل ٹوٹ گیا تیرے خیال میں
محمد محسن ساغر-عارف والہ

### سب رائٹر کے نام
کیوں ہجر کے شکوے کرتا ہے
کیوں درد کے مارے روتا ہے
اب عشق کیا ہے تو صبر بھی کر
اس میں تو یہی کچھ ہوتا ہے
مدثر عمران ساحل-سوہدرہ

### آئی اے کے نام
جینے کو تو جی رہا ہوں تیرے بغیر بھی لیکن
سزائے موت کے مایوس قیدیوں کی طرح
تا حشر تیرے سائے کو ترس گئی نگاہیں
یوں تجھ سے بچھڑنے کا نہ تھا وہم گمان بھی
مجید احمد ملتانی-ملتان

### ایم کے نام
خاموش پلکوں سے جب آنسو آتے ہیں
آپ کیا جانیں کہ آپ کتنے یاد آتے ہیں
آج بھی ہم کھڑے ہیں اسی موڑ پر
جہاں آپ نے کہا تھا ٹھہرو، ہم ابھی آتے ہیں
صنم جمال شاہ-حضرت پیر عبدالرحمن

### ایس جام پور کے نام
تیری اک جھلک کو دل ترس جاتا ہے میرا
قسمت والے ہیں وہ لوگ جو تجھے روز دیکھتے ہیں
غلام عباس جتوئی-محمد پور دیوان

### بحریار روڈ کے دوستوں کے نام

اک حسین چہرے کو میں پا نہ سکا
کبھی چاند کو اپنے آنگن میں بلا نہ سکا
وہ ہم سے اتنا دور چلا گیا ہے دوست!
اس کی یادوں کو بھی سینے سے لگا نہ سکا
واصف علی آرائیں-بحریار روڈ

### ایم کوصلہ سیدان کے نام
آج ٹوٹ کر اس کی یاد آئی تو احساس ہوا
اتر جائیں جو دل میں وہ بھلائے نہیں جاتے
عبادت علی-ڈی آئی خان

### رحمت جی کراچی کے نام
کاش اس کے دل میں ہمارے لئے جگہ ہوتی فراز
آج ہم پرندوں کی طرح بے گھر نہ ہوتے
اے ڈی ناز-ساہیوال

### زیڈ ایس چکوال کے نام
ابھی تو چلنا ہے سمندر کی مسافت میں
کنارے پر ہی دیکھیں گے کنارہ کون کرتا ہے
ایم یعقوب-چکوال

### فیصل لاہوری لاہور کے نام
تم ساتھ تھے تو ہم بھی تھے منزل سے آشنا
اب تم نہیں تو لگتے ہیں رستے عجیب سے
شعیب شیرازی-جوہر آباد

### EN پشاور کے نام
وعدہ کیا تھا پانچویں دن کا
سنا ہے دنیا چار دن کی ہے
محمد ہارون قمر تیج پور ہزارہ

### خورشید زوہیب آزاد کشمیر کے نام
ان کو دیکھنے سے چہرے پہ آ جاتی ہے رونق
وہ سمجھتے ہیں بیمار کا حال اچھا ہے
اشتیاق مسافر-میر پور

### آر فیصل آباد کے نام
آج جب ہاتھ اٹھائے ہم نے دعا کے لئے



تو ہمیں مت بھولنا خدا کے لئے
کیا پتہ ہمارے نصیب کی خوشیاں
منتظر ہوں آپ کی دعا کے لئے
عمر یز بشیر قمر گوندل-گوجرہ

### زیڈ گوجرہ کے نام
وہ دل ہی کیا جو تیرے ملنے کی دعا نہ کرے
میں تجھ کو بھول کر زندہ رہوں خدا نہ کرے
یہ سچ ہے نہیں مرتا کوئی جدائی میں
مگر خدا کسی کو کسی سے جدا نہ کرے
محمد افضل اعوان-گوجرہ

### اعجاز سلیم لاہور کے نام
دل کے ٹوٹنے کی آواز نہیں آتی
لگتا ہے محبت منزل نہیں پاتی
یہ کیسی لہریں ہیں یہ کیسی لہریں ہیں
جو کبھی ساحل سے مل نہیں پاتی
محمد آفتاب شاد-کوٹ ملک دوکوٹہ

### ثمر اعجاز گوندل گوجرہ کے نام
مل ہی جائے گا ہم کو بھی کوئی ٹوٹ کر چاہنے والا
اب سارے کا سارا شہر بے وفا تو نہیں
حماد ظفر بادی-منڈی بہاؤالدین

### وکی ایس کے نام
آنکھیں بدل جائیں تو انسان جدا ہو جاتے ہیں
آنکھیں لال ہو جائیں تو آنسو نکل آتے ہیں
آنکھوں ہی آنکھوں میں بے حال کر جاتے ہیں
دل کا حال تو پوچھتا ہے ہم تو آنکھ پہچان پاتے ہیں
محمد لقمان اعوان-شیخوپورہ

### پی ایم تھانہ احمد یار کے نام
سنا تھا دل سمندر سے بھی گہرا ہوتا ہے مدثر
پھر کیوں نہیں سمایا اس میں کوئی تیرے سوا اور
مدثر پردیسی-عارف والہ



### زیڈ این کیچ مکران کے نام
بھول گئے مجھے بچھڑنے کے بعد
جو ہمیشہ یاد رکھنے کی قسم کھاتا تھا
غمشاد اسے یاد کیسے نہ کروں میں بتا دلبر
اس نے تو مجھے آدھے راستے میں چھوڑ دیا
الٰہی بخش غمشاد-تربت

### الف ایم کراچی کے نام
اک بے جان سا وجود لے کر جی رہے ہیں آج کل صنم
وہ شخص ہی تو زندگی تھا جو چھوڑ گیا مجھے
آمنہ-راولپنڈی

### زیڈ راجگاں کے نام
اپنوں نے تیر مارے غیروں نے لاش اٹھائی
جنازے سے میرا جنازہ چلا وہاں تو نے عید منائی
بوٹا دکھی-ہیڈ راجگاں

### L.N اسلام آباد کے نام
ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہوں گے
نگاہیں ہم کو ڈھونڈتی ہوں گی نجانے ہم کہاں ہوں گے
غلام مصطفیٰ خاں بھٹی-چونیاں

### K نواب شاہ کے نام
نجانے اتنی محبت کہاں سے آ گئی تمہارے لئے وسعی
کہ میرا دل ہی تمہاری خاطر مجھ سے روٹھ جاتا ہے
عمران فنا-بلوچستان

### رئیس ارشد سعودی عرب کے نام
وہ رخصت ہوا تو ہاتھ ملا کر نہیں گیا
وہ کیوں گیا یہ بھی بتا کر نہیں گیا
یوں لگ رہا ہے جیسے وہ ابھی لوٹ آئے گا
کیونکہ وہ جلتے ہوئے چراغ بجھا کر نہیں گیا
رئیس ساجد کاوش-خان بیلہ

### گوجرانوالہ کے رائٹروں کے نام
نشہ ضروری نہیں زندگی کے لئے



یہ صرف شراب ہی نہیں خودی کے لئے
کسی کی مست آنکھوں میں ڈوب جاتا دوستو!
بڑا ہی گہرا سمندر ہے خودکشی کے لئے
سسر ایم ارشد وفا-گوجرانوالہ

### نواز رند حب چوکی کے نام
وہ ملے بھی تو فقط خدا کی دربار میں ملے فنا
اب تم ہی بتاؤ عبادت کرتے یا محبت
عمران فنا-حب ڈیم

### S.A رینالہ خورد کے نام
درد کے بدلے ہر خوشی لے لو
آنسوؤں کے بدلے ہماری ہنسی لے لو
ہم سے دیکھا نہ جائے گا آپ کا اداس چہرہ
مظہر اگر کام آ سکے تو ہماری زندگی لے لو
مظہر علی کھچی-ساہیوال

### KK چوکی کے نام
یہ میری کتاب زیست ہے اسے دل کی آنکھ سے پڑھ ذرا
میں ورق ورق تیرے سامنے تیرے روبرو تیرے پاس ہے
تنویر خالد-دوکوٹہ

### A اٹک کے نام
مانگنا بھولوں نہیں تجھے ہر نماز کے بعد
یہی سوچ کے نام تمہارا دعا رکھا ہے
جنید اقبال-اٹک

### کسی اپنے کے نام
میری ہر دعا گئی بکھر فراز
جانے کس شخص نے شدت سے چاہا تھا اسے
نیلم شہزادی عرف رانو-فتہ بھنڈ

### انتظار حسین ساقی تاندلیانوالہ کے نام
آنکھوں کی پیاس وہم کے زنداں میں لے گئی
صحرا چمک اٹھا تو سمندر لگا مجھے
محمد اشرف زخمی دل-ننکانہ صاحب

## این کے نام

پھول پتے سے جدا ہے خوشبو سے نہیں
تم مجھ سے جدا ہو میرے دل سے نہیں
(عابد رشید-راولپنڈی)

## ایم خالد محمود سانول کے نام

آپ کی سبق آموز کہانیاں پڑھنے سے یقین مانیں ہمیں بہت کچھ مل جاتا ہے۔ بے شک آپ ہمیشہ ہی ایسے اپنے قلم کو ''جواب عرض'' کے لئے برقرار رکھیں۔ (عبدالوحید ابرار لوچ-آواران)

## قارئین کے نام

میں تمام قارئین کے ساتھ دوستی کرنا چاہتا ہوں، خلوص دل کے ساتھ جو بھی مجھے خط لکھے گا اسے میں خلوص کے ساتھ جواب دوں گا۔ (سیف الرحمن زخمی-مقابر شریف)

## جان کے نام

جان زندگی رک جاتی ہے خود کو نامکمل محسوس کرتا ہوں جب تم میرے پاس نہیں ہوتی ہو، تمہارے بغیر یہ زندگی عذاب ہے جان خدا کی قسم۔ (محمد افضل اعوان-گوجرہ)

## ایس گوجرہ کے نام

میں تمہاری نظروں میں انسان نہیں، مجھے وفا تمہاری یادیں آنسو بن کر میری زندگی کو تڑپاتی رہیں گی میں آج بھی تمہارے نام پر تڑپ اٹھتا ہوں تم کبھی آؤ تو سہی تمہارا منتظر ہوں جانو! (ممریز بشیر گوندل-گوجرہ)

## قارئین کے نام

زندگی بھر اور باوفا دوستی کے لئے رابطہ کریں۔ ان شاء اللہ مایوسی نہیں ہو گی۔ چوبیس گھنٹے کسی وقت بھی کال یا ایس ایم ایس پہ بات کر سکتے ہیں۔ (منظور اکبر اداس جھنگوی-جھنگ)

## قارئین کے نام

ان تمام دوستوں سے عرض ہے جو ''جواب عرض'' پڑھتے ہیں، شہزادہ عالمگیر کے حق میں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں اور ان کے لئے لازمی قرآن مجید پڑھ کر دعا کرتے رہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں رکھے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (محمد اسحاق انجم-کنگن پور)

## کسی اپنے کے نام

محبت بھی کیا چیز ہے مجھے بھی چھوڑ کر گزر گئی، اب دل بے چین اس کی یاد میں رہتا ہے۔ (رانا محمد احمد-لنڈے والہ)

## ایڈیٹر کے نام

اگر مختصر اشتہار کی تحریریں شائع نہیں کرنی تو اس کا کوپن بھی بند کر دیں۔ کیا فائدہ اس میں لکھنے کا اگر شائع نہیں ہونا؟ تو شائع بھی کیا کریں ورنہ بند کر دیں۔ (پرنس عبدالرحمٰن گجر-نین لانجھ)

## KK کے نام

میڈم میں آپ کا بہت پرانا فین ہوں اور آپ ہیں کہ کسی کا جواب ہی نہیں دیتے آپ میرے ساتھ پلیز رابطہ کریں۔ میں آپ کا بہت شکر گزار رہوں گا۔ (مسٹر ایم ارشد وفا-گوجرانوالہ)

## قارئین کے نام

میں تمام قارئین سے قلمی دوستی کرنا چاہتا ہوں پہلے میں ''جواب عرض'' نہیں پڑھتا تھا لیکن اب ایک دفعہ پڑھنے کو ملا تو ''جواب عرض'' کا دیوانہ ہو گیا ہوں۔ میں ہر ماہ ضرور پڑھوں گا۔ میری حوصلہ افزائی ضرور کرنا۔ (سرفراز ڈاہر-لکڑیانوالہ)

## فیصل آباد کے دوستوں کے نام

شاید آپ کی فطرت میں بے وفائی لکھی ہوتی ہے جو آپ کو کسی بات کا یقین نہیں آتا۔ (بشیر سانول-واہ کینٹ)

## ایس ایم سیالکوٹ کے نام



میں اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کروں تو پھر بھی آپ کے ایک ایک احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ شاز یہ آپ کے مجھ پر بہت زیادہ احسان ہیں۔ (ایم افضل کھرل-ننکانہ صاحب)

## شہزادہ التمس کے نام

بھائی میں آپ سے بہت ناراض ہوں میں نے اس سے پہلے آپ کو دو خط لکھے ہیں میں نے کہا میری غزل شائع کیا کرو لیکن آپ نے ابھی تک شائع نہیں کی۔ (بے وفا ایم زیڈ اے گبول-کراچی)

## رضا محمد، مسعود ہری پور کے نام

بھائیو! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ ہم آئیں گے آپ نہیں آئے، اب کیا پروگرام ہے کب آنے کا پروگرام ہے۔ (محمد ہارون قمر تبیج پور ہزارہ)

## شہزادہ انکل کے نام

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی ...... فنا اک شخص پوری ''جواب عرض'' کی محفل کو ویران کر گیا۔ (عمران فنا-بلوچستان)

## شہزادہ التمش کے نام

ماہ فروری 2012ء کے جواب عرض میں میری کہانی شائع ہوئی مگر کہانی پڑھ کے بہت ہی افسوس ہوا کہ میں نے اتنی محنت سے کہانی لکھی مگر کہانی کو کاٹ کاٹ کر کہانی کا ستیاناس کر دیا۔ (رانا وارث اشرف عطاری-گوجرانوالہ)

## زیڈ سرگودھا کے نام

یہ سچ ہے کہ آپ بے وفا نہیں پھر یہ بھی تو ذرا سوچو جو سراج دن رات کا آغاز ہی آپ کے نام سے کرتا تھا وہ اب کیا کرے گا۔ تم تو چلی گئی کسی غیر کی بانہوں میں۔ (سراج خان-کرک)

## کسی بے وفا کے نام

مجھے اپنوں نے ایک عورت پر قربان کر دیا ہے اور میں اپنوں سے شدید نفرت کرتا ہوں اور محبت کی تلاش میں ہوں کوئی ایسا ہو جو میرے دکھ درد سمجھے اور مجھے اپنا جانے۔ (محمد آفتاب شاد-کوٹ ملک دوکوٹہ)

## اک بے وفا کے نام

اے بے وفا لاہور کے لوگ تو پیار دینے والے ہیں، خوشیاں دینے والے ہیں تو میرا بھرم کیوں توڑا، تنہا چھوڑا اور ہمیں اکیلا کر دیا۔ (عمر دراز بادشاہ-جڑانوالہ)

## ایس ڈبلیو گجرات کے نام

میں آپ سے قلمی دوستی کرنا چاہتا ہوں، امید ہے آپ مایوس نہیں کریں گی۔ (ایم ایچ راجہ-معرفت راجہ محمد رفیق کریانہ سٹور، محلہ قاضی آباد، ڈھوک چراغ دین، راولپنڈی)

## قارئین کے نام

مجرب دعائے حاجات و دیگر دعائیں حاصل کرنے کے لئے رابطہ کریں۔ جوابی لفافہ ضرور بھیجیں۔ (راجہ محمد مختار حسین-معرفت راجہ جنرل سٹور، دکان نمبر 22، مریڑ حسن، راولپنڈی)

## A چیچہ وطنی کے نام

آپ کو چودہ مارچ کو سالگرہ کی بہت بہت مبارک باد قبول ہو۔ خدا تعالیٰ آپ کو ایسی ہی ہزاروں سالگرہ دیکھنے اور منانے کی توفیق عطا فرمائے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ (محمد اشرف زخمی دل-بچیکی، ننکانہ صاحب)

## یہی کہنا محبت ہے

اجالا جو کہیں دیکھو یہی کہنا محبت ہے
کسی کے خواب میں ابھرو یہی کہنا محبت ہے
فضاؤں میں جو بس جاؤ تو تھامو ہاتھ چاہت کا
اداسی میں کبھی اترو وہ یہی کہنا محبت ہے
کوئی تم سے جو پوچھے کیوں سفر یہ باندھ رکھا ہے
جو دریا پار جاتا ہو یہی کہنا محبت ہے
ستارے جو کبھی اتریں کسی کا نام آتے ہی
دکھوں میں ڈوبتی آنکھو یہی کہنا محبت ہے
کنارے ڈوب جائیں گر سمندر صرف زندہ ہو
جدائی میں بسے لوگوں یہی کہنا محبت ہے
بشارت روح کو ہو گی نئے جذبوں کے موسم کی
اگر تم ٹوٹ بھی جاؤ یہی کہنا محبت ہے
بس جب کوئی اور اس دیکھ کر تجھ سے پوچھے رضا
تو حال دل نہ کہنا انہیں فقط یہی کہنا محبت
☆......محمد احمد رضا-صلالہ عمان

میں کس طرح کسی رستے پہ سر اٹھا کے چلوں
کہ میرے سر پہ تو رکھتا ہے خواہشات کا تاج
میری غزل سے ہی پہچان مجھے اے دوست!
میری غزل سے ہی جھلکتا ہے میرے فن کا خراج
☆......افتخار حسین ساقی-تاندلیانوالہ

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں۔ یہ تو میرے دوست ہی بتا سکتے ہیں کیونکہ اپنے منہ میں تعریف کرنا اچھی نہیں لگتی۔ (ایم افضل کھرل- ننکانہ صاحب)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** اس بات کا میں سو فیصد سچ کہتا ہوں کہ میں ایک اچھا اور سچا دوست ہوں، کوئی لالچ نہیں اور نہ ہی مجھے کوئی لالچی انسان پسند ہے۔ (عبدالرشید بزنجو- گذانی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں۔ میرے دوست بھی بہت ہی اچھے ہیں اگر انسان خود اچھا ہو تو دوسرے اس کے لئے خود بخود اچھے بن جاتے ہیں۔ (عامر سہیل جگر- سمندری)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں کیونکہ میرا حلقہ احباب وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے اپنے مخلص دوستوں کے توسط سے اپنے اندر کی سب غلطیوں کمزوریوں کی اصلاح کی ہے۔ (خلیل احمد ملک- شیدانی شریف)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں، مجھے اپنے سارے دوست بہت اچھے لگتے ہیں۔ (ایم ٹی نور- بلوچستان)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں تو کیا لکھوں جس سے دوستی ہے وہی بتا سکتے ہیں۔ (اکبر علی شاہین- چولستان)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** مجھے کوئی پتہ نہیں، اچھے دوستوں کے ساتھ بہت اچھا ہوں اور برے لوگوں کے ساتھ بہت برا، بس میں ایسا ہی ہوں اور ایسا ہی رہنا چاہتا ہوں۔ (ایم خالد محمود ساتول- مروٹ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں کیونکہ میں اپنے دوستوں کو نہ صرف ٹائم دیتا ہوں بلکہ ٹائم نکال کر ان کو ملنے بھی جاتا ہوں۔ (رئیس صدام حسین ساحل- خان بیلہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں اور جواب عرض پڑھنے والوں کے لئے تو بالکل مخلص ہوں کیونکہ اس میدان میں ہم سارے ایک دوسرے کے لئے جی رہے ہیں۔ (پرنس مظفر شاہ- پشاور)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** جی نہیں میں ایک اچھا دوست نہیں پر میں اچھا دوست بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ (محمد شہباز گل- گوجرانوالہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** اپنی دوستی کا میں خود فیصلہ نہیں کر سکتا، اچھا ہوں یا برا یہ فیصلہ کال کرنے والے ہی کر سکتے ہیں۔ (علی نواز مزاری- گھوٹکی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں یا نہیں لیکن میں ہمیشہ دوسروں کی خوشی چاہتا ہوں اور دوستوں کے راز ایک دوسرے کو نہیں بتاتا۔ (شفیق اقبال- کرک)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں، یہ تو میرے دوست ہی بتا سکتے ہیں لیکن میں اپنی طرف سے کوشش کرتا ہوں کہ کوئی دوست مجھ سے ناراض نہ ہو۔ (فخر سانول- کانوکی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں، مجھے بھی ایسے دوستوں کی ضرورت ہے جن میں احساس ہو، احساس ہی ایسی چیز ہے جو دوستی سے جڑی ہوئی ہے۔ (شوکت علی وفا- ماہی چوک)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں۔ (ایم وائی سجا- جادہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں کیونکہ میں دوستی کرتا ہوں اس کو پورا کرتا ہوں راستے میں نہیں چھوڑتا چاہے اس کے لئے مجھ کو کچھ بھی کرنا پڑے پر میں اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں۔ (عدنان حیدر- چونیالہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** نہیں ہوں، نہیں چاہئے مجھے کسی کی دوستی، نہیں چاہئے اپنی پرسکون زندگی میں کوئی دراڑ۔ (شہزادہ سلطان کیف- الکویت)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں۔ اگر کسی بہن اور بھائی کو شک ہو تو وہ مجھ سے رابطہ کر سکتا ہے یا میرے دوستوں سے پوچھ سکتا ہے۔ (محمد ہارون قمر تیج پور ہزارہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں تو اپنے آپ کو اچھا ہی سمجھتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میرے دوست بھی مجھے اچھا ہی سمجھتے ہوں گے کیونکہ میں نے کسی دوست کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ (مہر محمد عرفان- پسرور)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** اچھی دوست تھی پر اب نہیں کیونکہ میری اس الجھی ہوئی زندگی میں اب وہ مزہ نہیں رہا، میں اپنے دوستوں کو وہ ٹائم نہیں دے پا رہی جو دینا چاہئے تھا۔ (گلشن ناز- خشخہ قریشی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** کیونکہ میں دوستوں کو قدر کی نگاہ سے ہی دیکھتا ہوں اور ہر دوست کی عزت کرتا ہوں، یہ سب دوست بتائیں گے۔ (سردار اقبال مستوئی- سردار گڑھ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں اچھا ہوں یا برا یہ میرے دوست ہی بتا سکتے ہیں۔ (محمد اقبال رحمٰن- سہیکی بالا)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں اگر کوئی جواب عرض کے ذریعے مجھ سے کوئی لڑکی دوستی کرے وہ مجھے مخلص پائے گی۔ (رخسانہ آفتاب- موضع چھٹہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہو بھی سکتا ہوں اور نہیں بھی کیونکہ ابھی تک کسی سے خاص دوستی نہیں ہوئی۔ (تنویر خالد- وردکوٹ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں یا نہیں مگر میں دوستی کو سچے دل سے نبھاتا ہوں اور بے وفائی نہیں کرتا۔ (محمد زبیر شاہد- ملتان)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں واقعی ایک اچھا دوست ہوں کیونکہ میں ہر انسان کو پیار کرتا ہوں کوئی بھی مجھے برا نہیں کہتا۔ (مظہر علی کچھی- ساہیوال)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہم تو اچھے دوست ہیں لیکن آج تک ہمیں اچھا دوست کوئی نہیں ملا۔ (اظہر سیف دکھی- سلکھیکی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں اور اچھا بننے کی کوشش کرتا ہوں خدا ہر کسی کو اچھا دوست عطا کرے۔ (میاں شکیل کشور- خان پور)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں مجھ سے دوستی کر کے دیکھ لو میں اچھے دوستوں کی تلاش میں ہوں۔ (غلام عباس جتوئی- محمد پور دیوان)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں یا نہیں میں جہاں بھی جس کے پاس جاتا ہوں تو مجھے واپس جانے نہیں دیتے مگر مجھے اپنے تمام دوستوں کی محبت چاہئے۔ (الٰہی بخش غمشاد- کیچ مکران)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں یا نہیں مگر انسان کسی سے ایسا سلوک کرے کہ دوسرے اسے پیار کرنے پر مجبور ہو جائیں تو مزہ پھر آتا ہے۔ (ظہیر عباس انجم کمبوہ- حاصل پور)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** کون اچھا دوست ہے اور کون نہیں اس طرح آپ کو کبھی پتہ نہیں چلے گا جب تک آپ اس سے دوستی نہیں کریں گے۔ (عثمان غنی- قبولہ شریف)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ایک اچھا دوست ہوں۔ (محمد عرفان بنگش- دبئی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں یا نہیں ہوں میرے دوست ہی بتا سکتے ہیں، میں تو دوستی پر اپنی جان قربان کر سکتا ہوں۔ (منظور اکبر اداس- جھنگ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** یہ تو میری دوستیں ہی بتا سکتی ہیں کہ میں اچھی دوست ہوں یا نہیں۔ (نیلم شہزادی- فتہ بھنڈ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں بھی اچھا ہوں اور میرے دوست بھی اچھے ہیں۔ (شفقت جاوید- شور کوٹ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** جی ہاں میں ایک اچھا دوست ہوں یا نہیں یہ میرے دوست ہی آپ کو میرے بارے میں بتائیں گے۔ (محمد محسن ساغر- عارف والہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں ایک بہت اچھا دوست ہوں میں سب سے دل سے وفا کرتا ہوں۔ (سیف الرحمٰن زخمی- مقابر شریف)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں، ان شاء اللہ اور میرے جتنے بھی دوست ہیں سب انمول ہیں۔ (یاسر ساقی- مانسہرہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** جی ہاں میں ایک اچھا دوست ہوں لیکن ان کے لئے جو اچھے ہیں۔ (حسنین کاظمی-رکن سٹی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میرے سب دوست مجھے اچھا دوست کہتے ہیں۔ (اشفاق دکھی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں اچھا دوست ہوں کہ نہیں وہ میرے دوستوں کو پتہ ہوتا ہے لیکن میری کوشش ہے کہ میں ایک اچھا دوست بنوں۔ (علی حسن بندیجہ-لسبیلہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** کیوں کہ میں نے جس کے ساتھ دوستی کی ہے مرتے دم تک ان شاء اللہ اُس کا ساتھ دوں گا اگر زندگی نے وفا کی تو۔ (مسٹر ایم ارشد وفا-گوجرانوالہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** جی ہاں میں واقعی ایک اچھا دوست ہوں، بھلا اپنی برائی کون کرے گا۔ (ایمن مراد انصاری-کراچی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** یہ تو میرے دوست ہی بتا سکتے ہیں کہ ساحل دوستی نبھاتا ہے یا کہ نہیں۔ (ساحل ناصر-لالہ موسیٰ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں یا نہیں یہ تو میرے دوست ہی بتا سکتے ہیں مگر میں دوستی سچے دل سے نبھانے کی کوشش ضرور کرتا ہوں۔ (واصف علی آرائیں-بھریا روڈ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں کوئی اگر دوستی کرنا چاہتا ہے تو صرف ایک بار آزما کر دیکھو جان بھی حاضر ہے۔ (وسیم سلطان صابر خٹک-کرک)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں میری تمام فرینڈز اچھی ہیں۔ (صائمہ-مرید)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں تو خود کو اچھا دوست کیسے کہہ دوں یہ تو میرے دوست ہی مجھ کو اچھا ثابت کر سکتے ہیں۔ (محمد لقمان اعوان-شیخوپورہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں کیونکہ میں کبھی دوستوں سے بے وفائی نہیں کرتا۔ (جنید اقبال-اٹک)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں۔ یہ تو وہ قارئین بہتر جانتے ہیں جو مجھے ایک ایک کر کے اس دنیا میں اکیلا چھوڑ گئے۔ (اللہ دتہ بے درد-راولپنڈی کینٹ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ سوال ہی غلط ہے کیونکہ عام انسان اپنے آپ کو برا کوئی بھی نہیں کہہ سکتا۔ (مہر محمد عمران-پسرور)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں لیکن پھر بھی نجانے کیوں قارئین مجھ سے نالاں رہتے ہیں حالانکہ میری ہر ممکن کوشش ہوتی ہے میری وجہ سے کسی بھی انسان کا دل نہ ٹوٹے۔ (عمران انجم راہی-ستہ یانی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** اچھا تو ہوں مگر دوست کیسا ہوں یہ تو میرے دوست ہی بتا سکتے ہیں کہ میں کیسا دوست ہوں۔ (محمد الطاف خان-لاہور)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں، میں یہ بتا چکا ہوں اور اس کالم کی مدت بھی پوری ہو چکی ہے اس لئے اس کی جگہ کوئی نیا کالم ہونا چاہئے۔ (حماد ظفر بادی-منڈی بہاؤالدین)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** جی ہاں میں اچھا دوست ہوں اور میں کوشش کرتا ہوں کہ میری وجہ سے کسی کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ (ایم اسلم بروہی-حب)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں کیونکہ میں جس سے دوستی کرتا ہوں اپنی پوری کوشش کرتا ہوں کہ میری دوستی میں کمی نہ آئے، آگے خدا بہتر جانتا ہے۔ (ارمان سنگم-فیصل آباد)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں ایک اچھی دوست ہوں اور میں اپنی سہیلی نازیہ سے بہت پیار کرتی ہوں اور وہ میری اچھی غمخوار ہے۔ (کشور کرن-پتوکی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں ایک اچھا دوست ہوں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا، میرے دوست ہی بہتر بتا سکتے ہیں کہ میں کیسا دوست ہوں۔ (میر احمد میر بگٹی-سوئی گیس فیلڈ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں اچھا ہوں یا برا کچھ کہہ نہیں سکتا لیکن میرے اچھے اخلاق کو دیکھ کر میرے اپنے مجھے اچھا کہتے ہیں۔ (ککھر



ندیم شوکت-شاہ باغ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں ایک اچھا دوست ہوں لیکن میں جس سے بھی دوستی کرتا ہوں وہی مجھے دھوکہ دیتا ہے اس لئے اب مجھے دوستی سے نفرت ہے۔ (غلام شبیر پرنس-لالیاں)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہاں جی اللہ کا شکر ہے آج تک کسی دوست نے شکایت نہیں کی ہے۔ (ظفر نور بھٹو-اوباوڑہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** آپ نے اپنی آنکھوں میں نور چھپا رکھا ہے، ہوش والوں کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔ (ندیم عباس ڈھکو-ساہیوال)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت اچھے اور مخلص دوست دیئے ہیں اور میں بھی پورے خلوص کے ساتھ دوستی نبھا رہا ہوں۔ (شاہد سلیم-کچہ موڑ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں، میری نظر میں دوستی دنیا کا عظیم رشتہ ہے، میں اپنی سہیلیوں سے بہت مخلص ہوں۔ (نورین شاہد-کچہ موڑ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** اگر میں کہوں کہ اچھا ہوں تو جب کوئی دوستی کرے گا تب میں کسی مجبوری وجہ اچھا ثابت نہ ہو سکوں تو پھر میں جھوٹا ہو جاؤں گا، اس طرح یہ سوال ہی غلط ہے۔ (عمران ظفر-لاہور)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں مگر آج کل کے دور میں دوست صرف ٹائم پاس کرنے کے لئے دوستی کرتے ہیں۔ (ضیافت علی-کوٹلی آزاد کشمیر)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** نہیں ہوں کیونکہ مجھے بہت سے لوگ زندگی میں ملے جنہوں نے میرے ساتھ دوستی کی اور بے وفائی کر گئے۔ (محمد افضل اعوان-گوجرہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہاں میں ایک اچھا دوست ہوں مگر لوگ میرے ساتھ بے وفائی کرتے ہیں۔ (سفیر اداس موہری-مظفر آباد)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہو سکتا ہوں اگر میری وجہ سے کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ (خالد فاروق آسی-فیصل آباد)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** اگر آپ اچھے ہیں تو سب ہی اچھے ہیں، باقی کوشش کرتا ہوں اچھا دوست بن جاؤں۔ (جاوید اقبال جاوید-فیصل آباد)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں کیونکہ دوستی اور دوست کی خاطر ایسی باتیں بھی برداشت کیں جو میں سننا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ (سید اطہر حسین شاہ-چنیر)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں کیسے کہہ سکتا ہوں میں ایک اچھا دوست ہوں وہ تو دوستی کے بعد پتہ چلتا ہے۔ (عبدالصمد SK گبول-کراچی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** جی ہاں میں واقعی ایک اچھا دوست ہوں، دوستی کر کے دیکھ لیں۔ (نبیل احمد گبول-کراچی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں یا نہیں یہ میں نہیں بتا سکتا کیونکہ اپنی زبان سے اپنی تعریف اچھی نہیں لگتی۔ (بے وفا ایم زیڈ اے گبول-کراچی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں۔ (محمد خادم جنگ-ڈیرہ مراد جمالی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** انسان خود اچھا ہو تو اس کے چاہنے والے بھی اچھے ہوتے ہیں۔ (ممریز بشیر ثمر گوندل-گوجرہ)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** میں واقعی ایک اچھا دوست ہوں لیکن دوستی میں لوگ اکثر دوسروں کی خوشی غم اور پسند ناپسند کو مدنظر نہیں رکھتے۔ (ذیشان دیوانہ-فیصل آباد)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** بن کر یہ ثابت کر دوں گا کہ میرے دوستوں کو میری وجہ سے کوئی بھی تکلیف نہ ہو۔ (عبدالوحید ابرار بلوچ-آواران)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں، میں اپنے دوستوں کی مدد کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہوں۔ (مہر محمد احسان نذیر-پسرور)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں یا نہیں اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ کوپن ہی غلط بنایا گیا ہے۔ (محمد وقاص-کامونکی)

**میں واقعی ایک اچھا دوست** ہوں، کیونکہ مجھے اپنی دوستی پر ناز ہے کہ میں اپنے دوستوں کے مخلص ہوں۔ (عادل فاروق-لاہور)

◆❖◆

✽...... میری امی جان، میرے ابو جان، میری بہنیں میرا سب کچھ ہیں اللہ تعالیٰ میری پوری فیملی کو تاحیات خوش وخرم رکھے اور صحت دے سب کو۔ (ایم خالد محمود سانول- مروٹ)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں اللہ میری ماں کا سایہ میرے سر پر ہمیشہ رکھے۔ (زبیر ساغر-مخدوم رشید)

✽...... میری پیاری ماں جب میں دن بھر کے کام کر کے تھکتا ہوں تو تو ہی مجھے حوصلہ دیتی ہے اور وہ سہارا ایسا پایہ ہوتا ہے جو میرے سارے غم خوشیوں میں بدل دیتا ہے۔ (رئیس ارشد-سعودی عرب)

✽...... اے میری پیاری ماں تو ہی تو جنت میری تو ہی زندگی میری تجھ ہی سے شان میری ماں میری کو اللہ سدا سلامت رکھے۔ گلشن ناز- ٹھٹھہ قریشی)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتی ہوں، میری ماں عظیم ماں ہے، ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ (رضوانہ-یزمان)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت محبت کرتا ہوں، میری ماں دنیا کی تمام ماؤں سے بہتر ہے۔ (عارف نور- گوادر)

✽...... میں اپنی ماں سے اتنا پیار کرتا ہوں شاید کوئی اور اپنی ماں سے پیار کرے، میری ماں سب کی ماؤں سے اچھی ہے۔ (محمد طارق نور-بلوچستان)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت زیادہ پیار کرتا ہوں کیونکہ ماں نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ (عکاس احمد-حضرو)

✽...... مجھے اپنی ماں سے بے حد پیار ہے میری ماں دنیا کی تمام ماؤں سے بہتر ہے۔ (عبدالستار نیازی- مکران)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں، یہ جو آج مجھے عزت دولت شہرت ملی ہے یہ سب ماں کی ہی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ (منان سحر آڑھتی-چوک اعظم)

✽...... ماں جی آپ کا سایہ ہم پر ہمیشہ قائم رہے اور آپ ہمیشہ خوش رہیں کوئی غم نہ ملے آپ کو۔ (صائمہ-مرید)

✽...... ماں سے پیار کا اظہار لکھنا چاہوں تو نہیں لکھ سکتا کیونکہ میرے قلم میں اتنی طاقت نہیں میرے ذہن میں اتنی صلاحیت نہیں پھر بھی میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں۔ (عامر سہیل بھٹی-سمندری)

✽...... ماں ایک ایسی شاخ کی مانند ہے کہ جب اس سے پتے جھڑ جائیں تو یہ خود بھی سوکھ جاتی ہے۔ (آرزو- جڑانوالہ ٹی)

✽...... میں اپنی ماں سے بے حد پیار کرتا ہوں۔ اے ماں دعا ہے تو سدا سلامت رہے۔ (نثار احمد حسرت-نور جمال شمالی)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت ہی پیار کرتا ہوں، میں آج جو کچھ بھی ہوں اپنی ماں کی دعاؤں سے ہوں۔ (محمد عباس جانی اے ایس- چک نمبر 75/12L)

✽...... ماں وہ ہستی ہے جو بچے کی زندگی کے مہیب اندھیرے میں حق وصداقت کا چراغ روشن کرتی ہے۔ (خلیل احمد ملک-شیدانی شریف)

✽...... ماں جیسی ہستی دنیا میں ہے کہاں، نہیں ملے گا بدل چاہے ڈھونڈ لے سارا جہاں۔ (عبدالغفار-لاہور)

✽...... میری تمام بہن بھائیوں سے گذارش ہے کہ اپنے ماں باپ کی خدمت کرو۔ تمام مصطفیٰ موجو- جلپانہ)

✽...... ماں ایک ایسی عظیم ہستی ہے جو اپنی اولاد کے لئے ہمیشہ ترقی کی دعا کرتی ہے چاہے وہ اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے۔ (مہر شہباز [illegible]-چونیاں)

✽...... ماں ایک عظیم ہستی ہے وہ اپنے بچوں سے کبھی جدا نہیں ہوسکتی چاہے وہ دنیا میں نہ رہے مگر ماں کی دعائیں اولاد کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہیں۔ (ارمان سنگم-فیصل آباد)

✽...... میں اپنے تمام دوستوں سے گذارش کرتا ہوں کہ دوستوں لڑکیاں ہزاروں مل جائیں گی مگر ماں نہیں۔ (امداد علی عرف ندیم عباس تنہا-میر پور خاص)

✽...... ماں ایک بہت پیاری ہستی ہے مگر اس کی قدر کوئی نہیں کرتا۔ (محمد ارسلان احمد دکھی شانی-ڈھوک مراد)

✽...... ماں کی قدر کسی یتیم سے پوچھو کہ ماں کتنی عظیم ہستی ہے اور اس ہستی کو کھونا کتنا دردناک ہوتا ہے۔ (پرنس مظفر شاہ-پشاور)

✽...... ماں اس کائنات میں معزز ترین شخصیت ہے، ماں کی قدر و عزت کرنا ضروری ہے۔ (ایم افضل کھرل-ننکانہ صاحب)

✽...... ماں کے بارے میں کیا لکھوں جتنی بھی تعریف کروں وہ کم ہے، اس لئے خدا نے ماں کے قدموں میں جنت کا نام دیا ہے۔ (عبدالرشید بزنجو-کنڈانی)

✽...... ماں ایک عظیم ہستی ہے، میری ماں ایک جنت ہے اگر میری ماں نہ ہوتی تو گھر ویران لگتا چاہے اور ہزاروں لوگ ہوں۔ (محمد سلیم- سرگودھا)

✽...... میرے [illegible] اپنی ماں [illegible] کے [illegible] ماں [illegible] کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے اپنی جنت سے مت دور جاؤ۔ (محمد وکیل شوکت بنگالی-ٹھٹھہ)

✽...... میری ماں میری زندگی کا مرکز ومحور ہے میری ساری خوشیاں میری ماں کی بدولت ہیں، خدا سے دعا ہے کہ میری ماں کو رہتی دنیا تک قائم رکھے۔ (وسیم ارشاد- فیصل آباد)

✽...... ماں سے پیار کا اظہار میں لفظوں میں نہیں کر سکتی۔ "لبوں پہ اس کے کبھی بددعا نہیں ہوتی...... بس ایک ماں ہے جو مجھ سے خفا نہیں ہوتی"۔ (ایم بخاری-نوشہرہ)

✽...... ماں کے بغیر یہ کائنات ادھوری ہے، ماں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، ماں کا سایہ ہمیشہ زندہ سلامت رہے۔ (محمد عمران بٹ- سوہاوہ)

✽...... مجھے اپنی ماں سے بہت پیار ہے، ماں اللہ کی طرف سے ایک انمول تحفہ ہے۔ (چوہدری الطاف دکھی-بھمبر)

✽...... ماں ایک ایسا جذبہ ہے ایک ایسا احساس ہے جس کے بغیر انسان بالکل ادھورا ہے، بالکل ایسے جیسے مالی کے بغیر باغ ادھورا ہوتا ہے۔ (عثمان غنی-قبولہ شریف)

✽...... ماں کے قدموں تلے جنت ہے، ماں جس گھر میں ہے وہ گھر جنتوں سے کم نہیں۔ (نبیل احمد [illegible]-کراچی)

✽...... ماں گھر کی زینت ہے، ماں ہے تو سب کچھ ہے، ماں کی قدر کرو، میں اپنی ماں کی نیک دعاؤں کی بدولت کامیاب ہوں۔ (الٰہی بخش غمشاد-کیچ مکران)

✽...... ماں جنت کے باغوں میں ایک باغ ہے، اس لئے ماں کی خدمت کرو اور اپنا مستقبل سدھارو۔ (سردار زاہد)

✽...... اب زندگی ماں کے نام ہے۔ (کامران علی-بھلانی)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں، میری ماں میرا دین ہے، میرا ایمان ہے، میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ مشکور ہوں کہ اس نے ہمیں ماں جیسی ہستی دی ہے۔ (علی نواز مزاری-گھونکی)

✽...... ماں کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ماں کے قدموں تلے جنت رکھی ہے۔ (ڈاکٹر محمد ایوب-اوستا محمد)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں کیونکہ ماں کا پیار ہی اصل پیار ہے۔ (عمران رمضان-ٹھینگ موڑ)

✽...... میری ماں بہت پیاری تھی، سب علاقے والے ابھی تک بہت یاد کرتے ہیں۔ (نذیر احمد خان جوئیہ-اسلام آباد)

✽...... ماں سے بڑا پوری دنیا میں کوئی رشتہ نہیں، ماں کا کوئی بدل نہیں۔ (عبدالرحمٰن گجر-مین الانجمہ)

✽...... ماں کی ہستی تو ہے عبادت کے لائق، جس نے ماں کی خدمت

کی اس نے دونوں جہاں پا لئے۔ (جمیل فدا خیر پوری- خیر پور میرس)

✽...... گذارش ہے سب بہن بھائیوں سے اپنی ماں کو خوش رکھو، اس کی خدمت کرو اس کی ایک دعا ہی تمہیں کافی ہے۔ (جوڑیا گبول- کراچی)

✽...... اگر میری کامیابیوں کا کوئی خلاصہ ہیت و وہ میری ماں ہے۔ (فیض اللہ مجاور-بخی سرور)

✽...... ماں ایک باغ کی مانند ہے جس طرح باغ میں کئی رنگوں کے پھول ہوتے ہیں بالکل اسی طرح ماں کا پیار بھی لاکھوں رنگوں کا ہوتا ہے۔ (عمر دراز بادشاہ- 377 گ ب)

✽...... زندگی میں بے لوث پیار ماں کا ہے، ماں کے بغیر گھر کی کوئی رونق نہیں، میری ماں میری جنت ہے۔ (شبیر حیدر واصف- محب پور)

✽...... امی جان تم سے بچھڑے تو کافی ماہ و سال بیت گئے پر بے رحم یادیں کسی پل بھی چین نہیں لینے دیتیں۔ امی آپ بہت یاد آتی ہو۔ (عمران انجم راہی- حتہ پانی)

✽...... اگر ماں نہ ہوتی تو نہ یہ سارا جہان ہوتا نہ یہ ساری دنیا ہوتی، ماں کی وجہ سے دنیا میں سکھ و سکون ہے۔ (محمد آفتاب شاد- کوٹ ملک دوکوٹہ)

✽...... امی جان میرا دل گھبرا رہا ہے، مجھے اپنی گود میں جگہ دو۔ دیکھو زمانے والوں نے مجھے زخموں سے چور چور کر دیا ہے۔ (مجید احمد جائی- ملتان)

✽...... ماں تو سدا سلامت رہے، ماواں ٹھنڈیاں چھاواں، ماں کے ساتھ ہی بہار ہے۔ (محمد معاذ اللہ- کھلابٹ)

✽...... ماں تیری عظمتوں کو سلام، تیری وجہ سے زندگی میں اجالا ہے، اے ماں سدا سلامت رہو خوش رہو خدا آپ کو لمبی زندگی دے۔ (نور العین خالد تنولی-کھلابٹ)

✽...... ماں دنیا کی سب سے عظیم ہستی ہے۔ ماں تو دور لفظ "ماں" کہنے سے ہی دل کو ٹھنڈک پہنچ جاتی ہے۔ (صندل- گوجرانوالہ)

✽...... میری صبح، میری شام اے میری ماں یہ زندگی تیرے نام، میری خوشیاں تیرے قدموں پہ قربان۔ (محمد شہباز گل- گوجرانوالہ)

✽...... ماں میری زندگی کا مقصد صرف تم ہی ہو، ماں تمہارے بنا میں کچھ بھی نہیں ہوں، ماں تو ہے تو میں ہوں۔ (عبدالوحید ابرار- آواران)

✽...... ماں کے بغیر یہ دنیا دوزخ ہے، سچا پیار اگر کوئی ہستی کرتی ہے تو وہ ماں ہے جو اپنے بچوں پر جان دیتی ہے۔ (ملک عرفان-عبدالحکیم)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت محبت کرتا ہوں، ماں کے بنا گھر ویران ہے، ماں جنت کی کنجی ہے۔ (محمد خادم جنگ - ڈیرہ مراد جمالی)

✽...... میری ماں تو ایک میرا نور ہے جب تک میری ماں میرے سامنے ہے میں بہت خوش رہتا ہوں۔ (اللہ وتہ بے ورد- راولپنڈی کینٹ)

✽...... میں اپنے ماں باپ سے بہت پیار کرتا ہوں کہ اللہ تعالی میرے ماں باپ کا سایہ میرے سر پر قائم رکھے۔ (محمد محسن ساغر- عارف والہ)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتی ہوں میری ماں ہی میرا سب کچھ ہے۔ (عابدہ رانی- گوجرانوالہ)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں، ماں کا پیار سب محبتوں سے پیاروں سے بڑھ کر ہے۔ (ایم اشفاق بٹ- الہ موی)

✽...... ماں کے بغیر زندگی ویران ہے، اسی لئے تو کہتے ہیں ماں کی دعا جنت کی ہوا۔ (غلام عباس- محمد پور)

✽...... ماں تو ماں ہی اس کے بارے میں جتنا لکھو کم ہے، ماں سدا خوش رہو۔ (اے آر راحیلہ- جہمرہ سٹی)

✽...... ماں ہی وہ ہستی ہے جس کے سہارے آپ زندگی گزارتے ہیں، میری تو اللہ سے دعا ہے کہ میری ماں کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر قائم رہے۔ (فخر سانول- کانوی)

✽...... ماں ایسا احساس ہے جسے محسوس کرتے ہی دل کی بنجر دھرتی پر برسات سی شروع ہو جاتی ہے۔



(عبدالمالک کیف- سنجر پور)

✽...... ماں دنیا کی عظیم ترین ہستی ہے، ماں کے بغیر گھر قبرستان ہے، ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ (میاں شکیل کشور- خان پور)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں، ماں کے بغیر میری زندگی ادھوری ہے، ماں میری جان ہے۔ (مظہر علی کچھی- ساہیوال)

✽...... ماں تو ماں ہوتی ہے مستوئی، پر ہر کسی کو ہی ماں کا پیار ملتا ہے مگر ہم تو بدقسمت انسان جو ماں نہیں۔ (سردار اقبال- سردار گڑھ)

✽...... وہ ماں ہی ہے جو ہمیشہ اپنے بیٹے کو دعا دیتی ہے، بے شک بیٹا کیسا ہی کیوں نہ ہو ماں کے لئے ہیرا ہوتا ہے۔ (عدنان حیدر- چونتالہ)

✽...... اے میری پیاری ماں کاش کہ وہ آپ کی گود آپ کے بوسے آپ کی میٹھی میٹھی باتیں آپ کا پرخلوص پیار جلد مل جائے، میں وطن واپس لوٹ آؤں۔ (شہزاد سلطان کیف- الکویت)

✽...... میری ماں ایک انمول ہیرا ہے، میں اپنی ماں سے بہت محبت کرتا ہوں۔ (محمد ہارون قمر تبج پور ہزارہ)

✽...... اللہ تعالی نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ اپنی ماں اور باپ کی خدمت کرو کیونکہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے اور باپ اس کا دروازہ ہے۔ (رخسانہ آفتاب)

✽...... مجھے اپنی ماں سے بہت پیار ہے اور میری کائنات میری ماں ہے۔ (محمد زبیر شاہد- ملتان)

✽...... اے ماں تو سدا سلامت رہو، ماں تو میرا سکون و چین ہے، اے ماں تو ہے تو اجالا ہے۔ (عبدالباسط انورہ-کھلابٹ)

✽...... ماں خوشی ہے میرے لئے جنت سے کم نہیں ماں دولت ہے ماں سکون ہے ماں شفقت ہے ماں کے بغیر ساری دنیا ویران ہے۔ (دکھی اظہر سیف تنہا- سکھیکی منڈی)

✽...... ماں جی میری اللہ کے حضور دعا ہے آپ سدا خوش رہیں اور میرے لئے دلی دعا کرتی رہیں۔ (ایم وائی سچا- جدہ)

✽...... ماں کے قدموں میں جنت ہے، ہر چیز میں ماں کا عکس ہی نظر آتا ہے۔ اللہ میری ماں جنت میں جگہ دے۔ (اشفاق دکھی- دوکوٹہ)

✽...... ماں ایک خوشی ہے جس کی عزت و احترام کرنے سے ہی ہر خوشی ہم کو مل سکتی ہے۔ (عثمان غنی- قبولہ شریف)

✽...... ماں کے بغیر گھر بہت ہی ویران ہے، ماں اللہ کا سب سے قیمتی تحفہ ہے اس لئے ماں کا احترام کرنا چاہئے۔ (غلام عباس جتوئی- محمد پور)

✽...... مجھے اپنی ماں سے اتنا پیار ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا، ماں دنیا کی انمول ہستی ہے، اپنی الواد کے لئے وہ بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہے۔ (ذیشان دیوانہ- فیصل آباد)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت محبت کرتا ہوں، جس نے میری ہر خواہش کو پورا کیا، اللہ میری ماں کو ہزاروں سال زندہ رکھنا۔ (سید مبارک علی شمسی- قائم پور)

✽...... میں اپنی ماں سے بہت پیار کرتا ہوں، میں اس کے آنے کا بہت شدت سے انتظار کرتا ہوں۔ (عبدالمجید احمد- فیصل آباد)

✽...... میں اپنی امی سے بہت پیار کرتی ہوں، اللہ ہماری ماں کا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پر سلامت رکھے۔ (نیلم شہزادی- فتہ بھنڈ)

✽...... ماں ایک ایسا میٹھا لفظ ہے جس کو کہنے سے منہ میٹھا ہو جاتا ہے۔ (ظہیر عباس انجم- حاصل پور)

✽...... میں ماں سے بے حد پیار کرتا ہوں کیوں کہ ماں ہی میری جنت ہے اور ماں کے بغیر گھر قبرستان کی طرح ہے۔ (شفقت جاوید- شورکوٹ)

✽...... جو جنت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اللہ اور رسولؐ سے محبت کرنا چاہتا ہے وہ ماں سے محبت کرے، جس کو ماں کی دعا مل گئی اس کے دنیا و آخرت دونوں بن گئے۔ (یاسر ساقی- لساں نواب)

✽...... جس طرح مائیں اپنی راتوں کی نیندیں حرام کر کے اپنے بچوں کے لئے اٹھتی ہیں ہم بھی اپنی ماؤں کی خدمت کریں کیونکہ یہ ان کا ہم پر احسان ہے۔ (یار محمد بکٹی- ڈیرہ بکٹی)

□□□

# غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو کیسا لگتا ہے؟

**میری رائے میں** غم اور خوشی میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہی غم اور خوشی دیتا ہے۔ (غلام مصطفیٰ عرف موجو-جلپانہ)

**میری رائے میں** زندگی ایک ٹرین ہے، ہر انسان جب اتر جاتا ہے اپنے سٹیشن پر تو وہ اس کی منزل نہیں ہوتی صرف ایک موجودہ جگہ ہوتی ہے جہاں وہ رہتا ہے مجھے بھی ابھی تک اپنے سٹیشن کا انتظار ہے۔ (امداد علی عرف ندیم عباس تنہا-میر پور خاص)

**میری رائے میں** جب غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو پھر بھی اک غم ہوتا ہے کہ یہ کہیں وقتی خوشی نہ ہو اور کہیں اسے نظر نہ لگ جائے کہ کہیں یہ خوشی غم میں نہ بدل جائے۔ (ارمان شکم-فیصل آباد)

**میری رائے میں** غم کے بعد جب خوشی ملتی ہے تو آدمی کو ایک خوشگوار احساس ہوتا ہے۔ یہ خوشگوار احساس اس کی تمام غم اور تکلیفیں دیتی ہے۔ (رئیس صدام حسین ساحل-ستی خان بیلہ)

**میری رائے میں** اگر جنید جانی مجھے مل جائے تو یقیناً مجھے بہت خوشی ہوگی کیونکہ جانی سے ... مجھے بہت غم ملا ہے اور جنید جانی کے ملنے سے مجھے بہت خوشی ہو گی۔ (پرنس مظفر شاہ-پشاور)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو چہرے پر اچھے تاثرات نظر آتے ہیں اور طبیعت خوشگوار ہوتی ہے اور جسم ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے اور بندہ خوشی رہتا ہے۔ (ایم افضل کھرل-ننکانہ صاحب)

**میری رائے میں** یہ کہتا ہوں کہ اس ظالم زمانہ میں اوّل تو کہیں خوشی نظر نہیں آتی، ہر کوئی آدمی اپنے اپنے غموں میں غرق ہے۔ جدید دور میں دو وقت کی روٹی بھی بڑی مشکل سے مل رہی ہے، کہاں آئے گی خوشی۔ (عبدالرشید بزنجو-گنڈانی)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو زندگی بہاروں کی مانند ہنستی مسکراتی ہے اس لئے لوگ کہتے ہیں خوشیوں کے بغیر زندگی ادھوری مگر ہم کہتے ہیں غم کے بغیر گزارا نہیں۔ (محمد ارسلان احمد دکھی شانی-ڈھوک عراک)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملے تو ایسا لگتا ہے جیسے موت کے بعد زندگی مل گئی ہو یا مرتے مرتے انسان پھر سے زندہ ہو گیا ہو۔ (محمد ... ایس-چک نمبر 75/12)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملنا ایسا ہے جیسے مدتوں ترستے من کو اپنی محبت مل جائے، تپتے صحرا پر بارش ہو جائے۔ (خلیل احمد ملک-شیدانی شریف)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ اصل خوشی وہی ہوتی ہے جو غم کے بعد ملتی ہے۔ (نثار احمد حسرت-نور جمال شانی)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو بہت اچھا لگتا ہے اگر غم کے بعد خوشیاں تمہارے دروازے پر پھر آ گئی ہیں تو تم دنیا کے خوش نصیب انسان ہو۔ (عامر سہیل جگر بھٹی-سمندری)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملے تو انسان پچھلے غموں کو بھول جاتا ہے اور اک نئی زندگی شروع کرتا ہے خوشیوں بھری۔ (منان سحر آزختی-چوک اعظم)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے دنیا کی ساری خوشیاں مل گئی ہوں۔ (صائمہ-مرید)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو زندگی میں بہار آ جاتی ہے۔ تب ... اچھا لگتا خوشی کو تب ہی بہتر انجوائے کیا جا سکتا ہے۔ (عبدالستار نیازی-ذریں بگ دشت)

**میری رائے میں** غم تو غم ہوتا ہے اور غم کے بعد خوشی وہ مزہ نہیں دیتی جو ہونا چاہئے۔ (ایم خالد محمود سانول-مروٹ)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو سارا جہان مختصر سا نظر آنے لگتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے دنیا کی ہر چیز کسی رنگینی میں ڈوب گئی ہے۔ (آرزو-جڑانوالہ)

**میری رائے میں** یہ تو وہ بتا سکتا ہے جسے خوشی ملی ہو، اسے ہی پتہ ہو گا کہ خوشی کیا ہوتی ہے۔ (ظفر نور-اوباوڑہ)

**میری رائے میں** اگر جنید جانی مجھے مل جائے تو یہ سب سے بڑی خوشی ہو گی کیونکہ اس کا موبائل نمبر آج کل بند ہے، پتہ نہیں وہ کدھر چلا گیا۔ (پرنس مظفر شاہ-پشاور)

**میری رائے میں** غم کے بعد جب خوشی ملتی ہے تو انسان بہت خوش ہوتا ہے مگر اسے کیا پتہ ہوتا ہے کہ یہ خوشی صرف چند دن کے لئے ہوتی ہے، پر انسان ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ (ضیافت علی-کوٹلی آزاد کشمیر)

**میری رائے میں** قارئین میرے جواب کا انتظار کریں کیونکہ بہت عرصہ ہو گیا ہے کوئی خوشی نہیں ملی، غم ہی غم ہیں جیسے کوئی خوشی ملے گی میں اپنے احساسات کو بیان کر دوں گا۔ (محمد افضل اعوان-گوجرہ)

**میری رائے میں** ایسا لگتا ہے جیسے صحرا میں بھٹکتے ہوئے کو راستہ مل جائے، کھوئے ہوئے کو منزل مل جائے، اچانک خوشی کی کیا بات ہے۔ (جاوید اقبال جاوید-فیصل آباد)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو یہ احساس چھایا رہتا ہے کہ یہ خوش عارضی ہے۔ (خالد فاروق آسی-فیصل آباد)

**میری رائے میں** آج کی شام بھی قیامت کی طرح گزری نہ جانے کیا بات تھی کہ ہر سانس پہ تم یاد آئے تو شہزادہ غم کے بعد جب خوشی ملتی ہے جیسے ساون کی برسات۔ (ثمر مریز بشیر گوندل-گوجرہ)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سزائے موت والے قیدی کو سزائے موت نہ ہو اور وہ بچ جائے۔ (سفیر احمد اداس موہری-مظفر آباد)

**میری رائے میں** جب غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو ایسے لگتا ہے کہ غم ہیں ہی نہیں کیونکہ ہم لوگ خوشیوں میں کھو جاتے ہیں۔ (مسٹر ایم ارشد وفا-گوجرانوالہ)

**میری رائے میں** انسان جو کچھ سوچتا ہے وہ انسان کو کبھی نہیں ملتا، اس دنیا میں غریب لوگوں کے لئے غم ہی غم ہوتے ہیں جب تھوڑی خوشی اس کو مل جاتی ہے وہ دن اس کے لئے عید سے کم نہیں ہوتا۔ (شاہد اقبال خٹک-کرک)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو جیسے بیمار انسان کو شفا ملتی ہے تو بہت اچھا لگتا ہے۔ (عبدالصمد SK گبول-کراچی)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو بہت اچھا لگتا ہے خوشی کے بنا زندگی بیگانہ ہے۔ (محمد خادم جنگ-ڈیرہ مراد جمالی)

**میری رائے میں** شہزادہ بھیا یہ کوپن ختم کر دیں اس کی جگہ کوئی اور کوپن شروع کریں تو بہتر ہے۔ (بے وفا ایم زیڈ اے گبول-کراچی)

**میری رائے میں** غم کے بعد جب خوشی ملتی ہے تو انسان کو ایک عجیب طرح کا احساس ہوتا ہے جو کہ خوشگوار ہوتا ہے۔ اس خوشگوار احساس کی بدولت انسان اپنے تمام دکھ بھول جاتا ہے۔ (چوہدری یاسین احمد-جن پور)

**میری رائے میں** رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ جس نے امتحان میں کامیابی دی اور ہمیں خوشی عطا کی کیونکہ خوشی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک حسین نعمت ہے جیسے آنسو نعمت، آنکھ نعمت، غم نعمت اسی طرح خوشی بھی نعمت ہے۔ (مجید احمد جائی-ملتان)

**میری رائے میں** وہ جان گئے تھے ہمیں درد میں مسکرانے کی عادت ہے، وہ ہر روز دل دکھایا کرتے تھے، میری خوشی کے لئے خوشی ملے تو سکون و راحت ملتی ہے، خدا ہر کسی کو

خوشی ہی دے۔ (محمد اقبال رحمٰن- سہکی بالا)

**میری رائے میں** غم کے بعد جب خوشی ملتی ہے تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا ایسا لگتا ہے غم کبھی تھے ہی نہیں غم کے بعد جو خوشی حاصل ہوتی ہے اس کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ (صندل- گوجرانوالہ)

**میری رائے میں** غم کے بعد جب خوشی ملتی ہے تو دل ہواؤں میں فضاؤں میں محسوس ہوتا تا کہ اللہ ہر کسی کو خوشی دے اور تاحیات دے۔ (محمد شہباز گل- گوجرانوالہ)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملے تو انسان خوش نہیں بلکہ بہت زیادہ خوش ہو جاتا ہے پھر وہ اپنے بیتے سارے غموں کو بھول ہی جاتا ہے۔ (عبدالوحید ابرار بلوچ- آداران)

**میری رائے میں** غم اور خوشی دونوں اس طرح ایک دوسرے کے لئے ضروری ہیں جیسے زندگی اور موت۔ اگر غم نہ ملے تو آنے والی خوشی کیسی، میرے خیال میں اگر غم نہ ملے تو آنے والی خوشیاں کچھ خاص رنگ نہیں رکھتیں، کچھ غم بھی ہونے چاہئیں۔ (شاہد سلیم- کچہ موڑ)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو انسان پچھلے غم بھول جاتا ہے، بہتی آنکھوں کو سکون مل جاتا ہے، مرجھائے ہونٹوں پہ مسکراہٹ پھیل جاتی ہے خوشی چیز ایسی ہے جو سارے غموں کو بھلا دیتی ہے۔ (نورین شاہد- کچہ موڑ)

**میری رائے میں** یہ کوپن بند کر دیں۔ (ملک عرفان- عبدالحکیم)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو کیسا لگتا ہے، صرف غم کے علاوہ اور کچھ نہیں کیونکہ خوشی وقتی ہوتی ہے اور غم ہر وقت ذہن پر سوار رہتا ہے۔ (اللہ دتہ بے درد- راولپنڈی کینٹ)

**میری رائے میں** جب انسان کو غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو اپنے رب کریم کا شکریہ ادا کرے کہ اللہ نے اس کے ساتھ صرف آزمائش کے لئے لیا گیا ہے اور اس آزمائش میں پاس ہو گئے۔ (محمد محسن ساغر- عارفوالہ)

**میری رائے میں** غم کے بعد جب خوشی ملتی ہے تو انسان کو ایسے لگتا ہے جیسے سارے جہان کی خوشیاں سمٹ کر اس کے پاس آ گئی ہوں مگر کبھی کبھی یہ خوشیاں وقتی ہوتی ہیں۔ (ارمان سنگم- فیصل آباد)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے اچھا لگتا ہے لیکن خوشی تو عارضی ہوتی ہے لیکن غم تو پوری زندگی یاد رہتا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی غم نہ دے۔ (ندیم عباس ڈھکو- ساہیوال)

**میری رائے میں** جب غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ (محمد آفتاب شاد- کوٹ ملک دوکوٹہ)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو انسان بہت خوش ہو جاتا ہے اور اسے ہر طرف خوشی ہی خوشی نظر آتی ہے۔ (غلام عباس- محمد پور دیوان)

**میری رائے میں** کبھی کبھی ایسے غم کے بعد خوشی ملتی ہے، اس غم کے آگے خوشی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی مگر پھر بھی دل کو تھوڑا بہت سکون ضرور ملتا ہے۔ (نرگس ناز- سکھر)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو اکثر لوگ اپنے غم کو بھول جاتے ہیں اور خوشی کو گلے لگا لیتے ہیں، خوش نصیب ہیں یہ لوگ۔ (گلشن ناز- ٹھٹھہ قریشی)

**میری رائے میں** جب خوشی ملتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے ہر طرف بہار ہے، سب کچھ اچھا لگنے لگتا ہے، جب بندے کا دل خوش ہو تو ہر جگہ اچھی لگتی ہے، گھر ہو یا پردیس۔ (فخر سانول- کانوی)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی کا احساس آہستہ آہستہ وقفے کے بعد بڑھتا چلا جاتا ہے اور غم تو کیفیت کے ساتھ مختصر ہوتا ہے، جینا بھی پڑتا ہے ہر غم کے بعد۔ (شوکت علی وفا- ماہی چوک)

**میری رائے میں** خوشی خوشی ہوتی ہے چاہے غم کے بعد ہو یا پہلے لیکن غم کے بعد ذرا زیادہ احساس ہوتا ہے خوشی کا، اللہ تعالیٰ کسی کو دکھ درد نہ دے۔ (ایم واثق [illegible]- چھور)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے نئی زندگی مل گئی ہے۔ وہ کوئی خوش نصیب ہوگا جسے غم کے بعد خوشی ملے۔ (عدنان حیدر- چونالہ)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملے تو اچھا لگتا ہے، خوشی خوشی ہے چاہے جیسی بھی ہو ملنی ضرور چاہئے، نجانے کیوں انجانی خوشی کا انتظار رہتا ہے۔ (شہزاد سلطان کیف- الکویت)

**میری رائے میں** غم زندگی تیری راہ میں شب آرزو تیری چاہ میں، جو اجڑ گیا وہ بسا نہیں جو بچھڑ گیا وہ ملا نہیں۔ (رخسانہ آفتاب- ملتان)

**میری رائے میں** جب غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو خود کو کنٹرول کرنا چاہئے کیونکہ ہر غم کے بعد خوشی اور ہر خوشی کے بعد غم ہوتے ہیں۔ (تنویر خالد- 215 دوکوٹہ)

**میری رائے میں** جب غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو انسان غم کو بھول جاتا ہے اور انسان زیادہ خوشی محسوس کرتا ہے۔ (محمد زبیر شاہد- ملتان)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو غم تمام بھول جاتے ہیں تو خوشی غم کو کبھی پاس ہی نہیں آنے دیتی۔ (مظہر علی پچی- ساہیوال)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے لیکن ہمیں احساس ہونا چاہئے کہ اس خوشی کے لئے ہمیں کتنے غم سہنے پڑے اور اس خوشی کے لمحات میں سب کو شریک کرنا چاہئے۔ (اظہر سیف دکھی- سلھکیکی)

**میری رائے میں** جب انسان کو خوشی ملتی ہے تو سارے غم بھول جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر انسان کو خوشیاں دے۔ (محمد ہارون قمر سیج پور ہزارہ)

**میری رائے میں** غم کے بعد جب خوشی ملتی ہے تو انسان بہت خوش ہوتا ہے لیکن ملنے والی خوشیاں عارضی ہوتی ہیں کیونکہ خوشیاں کبھی ساتھ نہیں نبھاتیں۔ (میاں شکیل کشور- خان پور)

**میری رائے میں** انسان تو سالوں سال اس خوشی کی خاطر انتظار کی آگ میں جل رہے ہیں جب ان کو خوشی ملتی ہے تو وہ بہت خوشی محسوس کرتے ہیں۔ (الٰہی بخش غمشاد- کیچ مکران)

**میری رائے میں** جب انسان کو غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو انسان ماضی کے تمام غم بھول جاتا ہے۔ (نیلم شہزادی- فتح جھنڈ)

**میری رائے میں** غم کے بعد جب انسان کو خوشی ملتی ہے بہت اچھا لگتا ہے اور ان لمحوں میں انسان اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے غم کے بعد اسے خوشی دی۔ (شفقت جاوید- شورکوٹ)

**میری رائے میں** غم کے بعد جو خوشی انسان کو ملتی ہے تو وہ ساری زندگی کی خوشی ہوتی ہے۔ (سیف الرحمٰن زخمی- مقابر شریف)

**میری رائے میں** غم اور خوشی دونوں زندگی کے پہلو ہیں، غم کے بعد جب خوشی ملتی ہے تو اس خوشی کا اپنا ہی لطف ہوتا ہے، غم اور خوشی زندگی کے ساتھ، مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ (یاسر ساقی- مانسہرہ)

**میری رائے میں** غم کے بعد جب خوشی ملتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بس کیا بتاؤں، بتاتے ہوئے مجھے شرم آ رہی ہے۔ (امین مراد انصاری- کراچی)

**میری رائے میں** جب غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو ایسے لگتا ہے جیسے گلشن میں بہار آ گئی ہو، خوشی کے بعد ایسے لگتا ہے کہ جیسے بدن میں جان آ گئی ہو۔ (ایم اشفاق بٹ- لالہ موسیٰ)

**میری رائے میں** غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو بہت اچھا لگتا ہے، دل کو بہت سکون ملتا ہے، ایسا لگتا ہے جیسے زندگی میں بہار آ گئی ہو۔ (واصف علی آرائیں- بھریا روڈ)

**میری رائے میں** میرے والدین کا سایہ میرے سر پر تھا تو مجھے کوئی بھی غم نہیں تھا اور ہر خوشی تھی اور اب والدین کے بغیر میری زندگی غم ہے۔ (سردار اقبال خان- مستوئی)

**میری رائے میں** عجیب سا لگتا ہے غم میں آنسو خوشیوں میں خوشی کے آنسو یہ معجزہ کیا ہے مجھے سمجھ نہیں آتا اس کے بارے میں میرے ناجواب عرض میں لکھنا ضرور۔ (دین محمد بگٹی- کراچی)

◆❖◆

**مجھے شکوہ ہے** اپنے آپ سے کہ مجھے سچے رشتے بنانے کی عادت مگر سامنے والا شاید اس قابل نہیں سمجھتا۔ (نرگس ناز-سکھر)

**مجھے شکوہ ہے** ان لڑکیوں اور لڑکوں سے جو کسی کے ساتھ دوستی کا جھوٹا ڈرامہ کرتے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں یہ رشتہ کتنا پاکیزہ اور میٹھا ہے۔ (محمد اقبال رحمٰن-سبھکی بالا)

**مجھے شکوہ ہے** اپنے دوستوں سے جو مجھ سے دور ہو گئے ہیں۔ (عکاس احمد-حضرو، اٹک)

**مجھے شکوہ ہے** خود سے کہ میں اتنا عرصہ کیوں اپنے عزیز جواب عرض سے دور رہا۔ (ضمیر ضیاء اعوان-مظفر آباد)

**مجھے شکوہ ہے** بے وفا لوگوں سے جو لوگوں کی زندگی کے ساتھ کھیلتے ہیں، انہیں دھوکہ دیتے ہیں، وفا والے عمر بھر تڑپتے ہیں۔ (سفیر اداس موہری-مظفر آباد)

**مجھے شکوہ ہے** شہزادہ صاحب سے — "یاد کرو گی تم پیار میرا، تم یقین کرو نہ کرو"— غلط مصرع شائع کر دیا اس کے بعد یہ آنا تھا— "ہو گی تیرے ساتھ بھی ایسی بے وفائی، تم سوچ بھی نہیں سکتے"۔ (تصور علی)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو چند سکوں کی خاطر اپنا ضمیر بیچتے ہیں۔

دولت بہت کچھ ضرور ہے مگر سب کچھ ہرگز نہیں۔ دولت کے لئے ایمان نہ بیچیں۔ (راجہ فیصل مجید-کراچی)

**مجھے شکوہ ہے** عبدالحکیم اور خانیوال کے لڑکے لڑکیوں سے جو جواب عرض میں دلچسپی نہیں لیتے۔ بندہ کم از کم ایک بار تو پڑھے۔ (مظہر عباس تنہا- چک 9 ب عبدالحکیم)

**مجھے شکوہ ہے** ان تمام لڑکے اور لڑکیوں سے جو محبت کرتے ہیں اور نبھاتے نہیں، پلیز ایسا ہرگز نہ کریں۔ (محمد لقمان غنی-لیہ)

**مجھے شکوہ ہے** اپنی دوست S سے جو مجھے بھول گئی ہے، میں آج بھی اس سے اتنا ہی پیار کرتا ہوں۔ (محمد عظیم-قلعہ دیدار سنگھ)

**مجھے شکوہ ہے** میرے دوستوں سے جو مجھے فون نہیں کرتے، میرے ایس ایم ایس کا جواب نہیں دیتے، دوستو! میں تم کو بہت یاد کرتا ہوں۔ (ساگر گلزار-فورٹ عباس)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو دوست کی قدر نہیں کرتے کیونکہ دوست تو خدا کی دی ہوئی انمول چیز ہے۔ (ظہیر عباس انجم- حاصل پور)

**مجھے شکوہ ہے** دل نہیں کرتا انکل سے گلہ کرنے کو لیکن وہ نہ تو میرا خط

شائع کرتے ہیں اور نہ ہی سٹوری، آگے خود سوچو۔ (سراج خان-کرک)

**مجھے شکوہ ہے** اپنے دوست رمیض احسن سے کہ وہ مجھے بہت کم فون کرتا ہر وقت کام میں مصروف رہتا ہے۔ (تنویر احمد گوندل-لالہ موسیٰ)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو فقیروں کو تنگ کرتے ہیں۔ (شاہد اقبال خٹک-کرک، جدری)

**مجھے شکوہ ہے** شہزادہ بھیا سے جو میری ہر ماہ بہت محبت سے بھیجی گئی تحریروں کو ردی کی ٹوکری کی نظر کر دیتے ہیں۔ (محمد رضوان آفریدی-تلہ گنگ)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو شادی کے بعد ہی والدین کا احترام نہیں کرتے، کاش! وہ ایسا نہ کریں۔ (محمد افضل جواد- کالا باغ)

**مجھے شکوہ ہے** انکل شہزادہ سے جو تحریریں جلد شائع نہیں کرتے بہت انتظار کرنا پڑتا ہے۔ (مس صبا-کلر سیداں)

**مجھے شکوہ ہے** عاصم چوکی سکھیکی والے سے کہ وہ لکھتا نہیں ہے وہ جواب عرض پڑھتا ہے۔ (امجد وکی کروٹانہ-گوجرانوالہ)

**مجھے شکوہ ہے** جو دوسروں کا خیال



نہیں رکھتے، دوسروں کا دکھ درد نہیں بانٹتے صرف اور صرف اپنا مفاد سوچتے ہیں۔ (قربان علی ایری-بھاگ نگر)

**مجھے شکوہ ہے** A سے جو میرے پیار کو نہیں سمجھ رہی، کاش! اسے میرے پیار کا احساس ہو۔ (ساجد پرویز-کلر سیداں)

**مجھے شکوہ ہے** اپنی زندگی سے جو ہر بار میرے ساتھ بہت بڑا کھیل کھیلتی ہے اور مجھے صرف تنہائیوں اور رسوائیوں کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ (گلشن ناز-خنتہ قریشی)

**مجھے شکوہ ہے** ایم سے ہر وقت ناراض ہو جاتی ہے، پلیز مجھ سے ناراض نہ ہونا۔ (ریاض احمد خان-صادق آباد)

**مجھے شکوہ ہے** ایسے دوست سے جو دوستی کی قدر نہیں کرتے اور نئے دوست ملیں تے تو پرانے کو بھول جاتے ہیں۔ (چوہدری نثار احمد-مظفر آباد)

**مجھے شکوہ ہے** اپنے دوستوں سے اور خصوصاً شہزاد سلطان کیف سے کہ وہ بے وجہ مجھ سے ناراض ہے۔ (عمران انجم راہی-ستہ پانی)

**مجھے شکوہ ہے** ایڈیٹر صاحب سے کہ وہ اسلامی صفحہ نہیں شائع کرتے۔ (میاں شکل-خان پور)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو وعدے تو بڑے بڑے کرتے ہیں لیکن پورے نہیں کرتے۔ (سید اظہر حسین-بھیر)

**مجھے شکوہ ہے** اپنے قلمی دوستوں سے جو مردانہ آواز سنتے ہی فون بند کر دیتے ہیں۔ (امین مراد انصاری-کراچی)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو دوسروں کو تکلیف دیتے ہیں۔ (ایم مظہر نذیر-کیوائی)

**مجھے شکوہ ہے** ایسے لوگوں سے جو ہر وقت اپنا قیمتی ٹائم موبائل کالز پر ضائع کر دیتے ہیں۔ (غلام غوث مغل-نور جمال)

**مجھے شکوہ ہے** اپنے آپ سے کہ میں کیوں ہر وقت اپنی ساحل سے لڑتا رہتا ہوں، اسے تنگ کرتا ہوں۔ (خلیل احمد ملک- شیدانی شریف)

**مجھے شکوہ ہے** ایسے لوگوں سے جو ساتھ رہ کر غم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کی خوشی کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ (آصف وصال-بنوں)

**مجھے شکوہ ہے** اپنے وہ سے جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر خفا ہو جاتی ہے۔ (افتخار حسین مجنوں-تریکو)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو دوستی کو ٹائم پاس کہتے ہیں۔ (چوہدری یاسین احمد-جن پور)

**مجھے شکوہ ہے** صرف شہزادہ بھائی سے جو میرا نمبر شائع نہیں کرتے۔ (جنید اقبال-اٹک)

**مجھے شکوہ ہے** مس نگر سے کہ وہ اتنا جلدی رابطہ توڑ گئیں۔ (اے ڈی ناز-ساہیوال)

**مجھے شکوہ ہے** طلعت تبسم، محمد غیاث اور امتیاز-سعودی عرب کیونکہ وہ ہر وقت مجھے دھوکہ دیتے ہیں۔ (کاشف گلونہ-بنوں)

**مجھے شکوہ ہے** کاشف بٹ سے کہ وہ بے وفا ہو گیا ہے۔ دو سال ہو گئے نہ خط لکھا نہ فون کیا۔ (سید مبارک علی چشتی-قائم پور)

**مجھے شکوہ ہے** اپنے کزن نعمان سے جو مجھے فون نہیں کرتا۔ (رانا عمران اسلم-میاں چنوں)

**مجھے شکوہ ہے** شہزادہ انکل سے کیونکہ میں ہر ماہ اشعار بھیجتا ہوں اور آپ شائع نہیں کرتے۔ (محمد محسن ساغر-عارف والہ)

**مجھے شکوہ ہے** اپنی دوست B ہری پور سے کہ وہ مجھ سے فون پر دن رات بات کرتی تھی اور دوستی کے دعوے کرتی تھی لیکن آج اس نے نمبر بند کر دیا اور کوئی رابطہ نہیں کرتی۔ (حافظ شفیق- کوٹلی، آزاد کشمیر)

**مجھے شکوہ ہے** ان لڑکے اور لڑکیوں سے جو ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے ہیں اور محبت کو بدنام کرتے ہیں۔ (زوہیب اختر- چشتیاں)

**مجھے شکوہ ہے** شہزادہ انکل سے آپ نے جواب عرض سے کالم مختصر اشتہارات کاٹ کر قارئین کے زخموں پر نمک چھڑک دیا۔ (عمریز بشیر گوندل-گوجرہ)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو بڑوں کی عزت نہیں کرتے، پیار کا

ہاتھ بڑھا کر پھر خون کے آنسو رلاتے ہیں۔ (عاشق حسین طاہر- منڈی نوناوالی)

**مجھے شکوہ ہے** شہزادہ انکل سے کہ وہ میرا مواد جواب عرض کے بجائے ردی کی ٹوکری کے حوالے کر دیتا ہے۔ (بہادر عاربانی-گھوٹکی)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو کسی سے دل لگا کر اس کا دل توڑتے ہیں اور اُن کے دل کی قدر نہیں کرتے۔ ضیافت علی-کوٹلی، آزاد کشمیر)

**مجھے شکوہ ہے** اپنے باس سے جو مجھے چھٹی بہت کم دیتا ہے۔ (اختر بیوس-تلہ گنگ)

**مجھے شکوہ ہے** منظور شائین اور محمد الیاس سعودی عرب سے کہ وہ فون کرتے ہیں اور نہ ہی ایس ایم ایس۔ (محمد ہارون قمر تیج پور ہزارہ)

**مجھے شکوہ ہے** کسی سے نہیں۔ (محمد اسماعیل آزاد- کھرکوہ)

**مجھے شکوہ ہے** منیر احمد دکھی سے جو میری محبت کا یقین نہیں کرتا۔ (سیف الرحمن زخمی-سیالکوٹ)

**مجھے شکوہ ہے** سیف الرحمن زخمی سے جس طرح وہ مجھ سے دور ہوا، یہ میرا آخری شکوہ ہے کیونکہ وہ جب میرا ہی نہیں رہا گلے شکوے بھی تو اپنوں سے ہوتے ہیں۔ (محمد افضل اعوان-گوجرہ)

**مجھے شکوہ ہے** کسی سے نہیں۔ (راشی ناز طاہر-راولپنڈی)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو کس کالیں کرتے ہیں اور تنگ کرتے ہیں۔ (نویداختر سحر-کبیروالہ)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو دوسروں کا دل توڑتے ہیں۔ (محمد صفدر دکھی-کراچی)

**مجھے شکوہ ہے** اپنوں سے کہ ہر قدم پہ مجھے دھوکہ دیا میرے ساتھ فراڈ کیا، کسی نے مجھے اپنا نہیں سمجھا، اپنوں میں آ کر بھی میں غیر ہوں۔ (بے وفا ایم زیڈ اے- کراچی)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو اپنی والدین ماں کا کہنا نہیں مانتے اور اپنی من مانی کرتے ہیں۔ (عبدالصمد SK گبول-کراچی)

**مجھے شکوہ ہے** ان خود غرض لوگوں سے جو صرف اپنے مطلب کے لئے دوسروں کی زندگی سے کھیل جاتے ہیں۔ (نبیل احمد گبول-کراچی)

**مجھے شکوہ ہے** SC سے جو میرے ساتھ رابطہ نہیں کرتی۔ (چوہدری سعید آکاش-موہری)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو کسی کے سچے پیار کی قدر نہیں کرتے، مغرور ہو جاتے ہیں، کسی کے دل کو ٹھیس پہنچاتے ہیں۔ (سید اظہر حسین-چنیر)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو دل دکھانے کے بعد پھر سے دل جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (راحیلہ منظر-جھمرہ سٹی)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو دنیا کی سارسی شان و شوکت کے لئے اوروں کو نیچا دکھاتے ہیں۔ (بنت علی شیر-منبالہ)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو نماز نہیں پڑھتے، جو کسی کے دل کی بات نہیں سمجھتے۔ (فیاض احمد چانڈیہ-مظفر گڑھ)

**مجھے شکوہ ہے** ایسے لوگوں سے جو بہت زیادہ حسد کرتے ہیں۔ (ذوالفقار علی سانول-ملکوال)

**مجھے شکوہ ہے** اپنوں سے جو نہیں چاہتے کہ میری A میرے ساتھ خوش رہے۔ (وسیم صابر خٹک-کرک)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ (محمد سلیم بروہی- میرپور خاص)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو محبت کے نام پر دھوکہ دیتے ہیں اور محبت جیسے پاکیزہ رشتے کو بدنام کرتے ہیں۔ (ثناء کنول- چکوال)

**مجھے شکوہ ہے** اپنی لو ایس سے جو میرے جذبات کو نہیں سمجھتی۔ (زبیر ایس تنہا-میلسی)

**مجھے شکوہ ہے** ڈاکٹر زاہد جاوید دہاڑی سے آپ کی اکثر تحریریں پڑھتا ہوں بہت اچھی پسند آتی ہیں، پسند کرنے پر لکھتا ہوں آپ کا شکریہ، کیوں نہیں ادا کرتے۔ (ناصر خان قمر-کوئٹہ)

**مجھے شکوہ ہے** ان بیٹوں سے جو اپنی ماں کی قدر نہیں کرتے۔ (رائے مظہر مسعود سحر-214/9R)

**مجھے شکوہ ہے** انکل شہزادہ صاحب سے کہ میں پہلے بھی دو خط بھیج چکا ہوں لیکن وہ ابھی جواب عرض میں شامل نہیں ہوئے۔ (توقیر اسلم رحمانی-منگروٹھ شرقی)

**مجھے شکوہ ہے** ایڈیٹر صاحب سے کہ کبھی کبھی میری کہانیاں شائع نہیں کرتے۔ (نامعلوم)

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو اپنے پیارے اپنے چاہنے والوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ (مجاہد ناز عباسی- سنجر پور)

**مجھے شکوہ ہے** ادارہ والوں سے کہ میں نے بہت ساری تحریریں ان کو بھیجی ہیں مگر ایک بھی شائع نہیں ہوئی۔ (محمد عظیم ساقی-نور جمال)

**مجھے شکوہ ہے** ان سے جو کسی کا دل توڑ کر خود خوش رکھتے ہیں۔ (نیلم شہزادی-فتح جھنڈ)

**مجھے شکوہ ہے** ان دوستوں سے محبت کے دعوے دار تو ہوتے ہیں مگر محبت کے اصول سے بے خبر ہوتے، محبت کر کے نبھاتے نہیں اور بے وفائی کرتے ہیں۔ (رانا وارث اشرف عطاری- گوجرانوالہ)

**مجھے شکوہ ہے** شہزادہ انکل سے جو ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین! (ثمر اعجاز گوندل- گوجرہ)

**مجھے شکوہ ہے** حسن پرست لوگوں سے کیوں اپنے آپ کو برباد کر رہے ہو، یہ تو بے وفا ہیں، تم خواہ مخواہ ان کی محبت میں برباد ہو رہے ہو، سنبھل جاؤ۔ (ایم یعقوب اعوان- چکوال)

**مجھے شکوہ ہے** بے وفا دوستوں سے، زندگی بھر کی قسمیں کھا کر چار دنوں میں ختم۔ (ظفر اقبال- چشتیاں)

**مجھے شکوہ ہے** میری جان A سے کہ وہ میری دکھی زندگی میں پہلے کیوں نہیں آئی۔ (یاسر ساقی- مانسہرہ)

**مجھے شکوہ ہے** اپنی زندگی سے کہ میں آج تک خوشیوں کے لئے ترس رہا ہوں، مجھے آج تک سچی محبت نہیں ملی، لگتا ہے زندگی ایسے ہی گزر جائے گی۔ (شعیب شیرازی- جوہر آباد)

**مجھے شکوہ ہے** اپنی کزن سے جس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ (محمد امین- لاہور)

**مجھے شکوہ ہے** مجھے کسی سے شکوہ نہیں، اگر ہے تو خود سے ہے کہ میں R سے پیار کا اظہار نہ کر سکا۔ (محمد یٰسین شفیق- خانیوال)

**مجھے شکوہ ہے** رائٹرز اور شعراء سے جو دوسروں کی چوری شدہ تحریریں شائع کرواتے ہیں۔ (خالد فاروق آسی- فیصل آباد)

**مجھے شکوہ ہے** شیخ اظہر اور علی سے جو ہر وقت لڑتے رہتے ہیں اور ٹھیک طرح سے کام نہیں کرتے اور نہ میری بات مانتے ہیں۔ (جاوید اقبال جاوید- فیصل آباد

**مجھے شکوہ ہے** ان لوگوں سے جو چہرے پر سنت نبویؐ سجا کر رہتے ہیں مگر کام سنتوں جیسے نہیں کرتے۔ (مسٹر ایم ارشد وفا- گوجرانوالہ)

**مجھے شکوہ ہے** مجھے اپنی قسمت سے شکوہ ہے میں جو چاہتی ہوں ویسا نہیں ہوتی۔ (کلثوم گبول-کراچی)

**مجھے شکوہ ہے** اپنی دوست F سے جو مجھ سے رابطہ نہیں کرتی۔ (امداد علی عرف ندیم عباس تنہا- تالپی)

**مجھے شکوہ ہے** شہزادہ انکل سے جو میری تحریریں شائع نہیں کرتے انہیں ہمیشہ ردی کی ٹوکری میں جگہ دیتے ہیں۔ (محمد رمضان شاہد- عبدالحکیم)

**مجھے شکوہ ہے** زمانے والوں سے یہ محبت کیوں کرتے ہیں، محبت میں رسوائی ملتی ہے، اپنے بیگانے ہو جاتے ہیں، پھر بھی لوگ محبت کرتے ہیں۔ (غلام فرید جاوید- حجرہ شاہ مقیم)

**مجھے شکوہ ہے** اپنے آپ سے جو آج تک A راولپنڈی کے کہنے پر بھی اس کی دکھ بھری کہانی نہیں لکھ سکا۔ ڈر ہے کہیں آپ کے دکھ درد بیان کرنے میں کمی نہ رہ جائے اور آپ کی نظروں میں قدر نہ رہے۔ (شہزادہ سلطان کیف- الکویت)

**مجھے شکوہ ہے** اب کریں تو کس سے لیکن ان دوستوں سے ہے جو مجھے بدنام کرتے ہیں اور مجھے ہر غلط جگہ پر میرا نام بتا دیتے ہیں۔ (اللہ دتہ بے درد- راولپنڈی کینٹ)

**مجھے شکوہ ہے** ان لڑکیوں سے جو کسی کی ہنستی مسکراتی زندگی تباہ کر دیتی ہیں اور خود سکون کا سانس لیتی ہیں۔ (عمر دراز ساحر- ذاکر آباد)

# آپ کا بہترین دوست کون ہے؟

**میرا بہترین دوست** میرے دوست تو بہت سے ہیں لیکن شہزادہ عالمگیر صاحب ہمارے بہترین دوست تھے جو ہمارے دلوں کی آواز سنتے تھے اور ''ذاتی صفحہ'' کے ذریعے ہمیں دکھوں کا علاج کرنا سکھاتے تھے۔ شہزادہ صاحب زندہ باد۔ (عمر دراز بادشاہ- جڑانوالہ)

**میرا بہترین دوست** سکندر حیات ہے کیونکہ اس نے میرا ہر وقت ساتھ دیا اور اس نے مجھے اپنے بھائی سے بڑھ کر محبت دی اور وہ باوفا بندہ ہے اور بے وفا لوگوں کا بھی دوست ہے۔ (فیض مجاور- دربارکی سرور)

**میرا بہترین دوست** غلام مرتضیٰ خان کورائی بلوچ کیونکہ وہ ہر اچھا کرتا ہے اور ہر آدمی کی قدر کرتا ہے اور کبھی کسی کے بارے میں بڑائی نہیں سوچی اس لئے مجھے اچھا لگتا ہے۔ (سردار اقبال خان- سردار گڑھ)

**میرا بہترین دوست** چوہدری ضیاء الرحمن جٹ 83 گلاں والا ہے جو میرا بھائی ہے اور وہ میری زندگی ہے اور جو پیار مجھے گلاں والوں نے دیا ہے وہ شاید زندگی میں مجھے کسی نے نہیں دیا ہے۔ میں ہر وقت ان کو بہت یاد کرتا ہوں۔ (فاروق احمد شانی- چکوال)

**میرا بہترین دوست** نصیر اور فرمان مرحوم ہے جو کہ مجھے کبھی بھی ناراض نہیں ہونے دیتے بلکہ ایک دوسرے پر اتنا اعتماد کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ (اللہ دتہ بے درد- ذوالفقار کالونی)

**میرا بہترین دوست** ایس ایف کنول ہے۔ کیوں کہ وہ میرا اہم راز بھی ہے اور میں اس کے ساتھ اپنے دل کی ہر بات شیئر کر لیتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے آج تک میری حوصلہ شکنی کبھی بھی نہیں کی اور مشکل وقت میں میرا ساتھ بھی دیتا ہے۔ (حافظ فیاض احمد کنول- ساہیوال)

**میرا بہترین دوست** عمر دراز بادشاہ، جواد احمد آکاش، مجید احمد جائی یہ سب میرے بہترین دوست ہیں، ہر لمحہ اپنے پیار بھرے کال اور ایس ایم ایس سے مجھے یاد کرتے ہیں۔ (جبرائیل آفریدی- ناصر آباد)

**میرا بہترین دوست** کنفیوز کر دیا اس کوپن نے تو اگر میں کہوں کہ میری محبت ہی میرا دوست ہے تو کیا یہ اس کوپن کا جواب ٹھیک رہے گا۔ میرے خیال سے تو ٹھیک ہے کیونکہ میری محبت ہی تو میرا دوست ہے۔ کیوں کا مطلب لڑائی ہوتی ہے۔ (سراج خان- کرک)

**میرا بہترین دوست** میرے بہت سے اچھے دوست ہیں لیکن پھر بھی میرا سب سے بہترین دوست احسان اللہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اور میری سوچ ملتی ہے میرے گاؤں کا ہی ہے ویسے تو سارے ہی میرے بہترین دوست ہیں وہ سب سے اچھا ہے۔ (پرنس عبدالرحمن گجر- گاؤں نین لانجھا)

**میرا بہترین دوست** میرا بہترین دوست کنول بھکر ہے اس لئے کہ اس کو مجھ سے کوئی بھی غرض نہیں وہ بنا کسی لالچ کے میرے ساتھ وفا کر رہی ہے اور ان شاء اللہ کرتی ہی رہے گی کنول جہاں بھی رہو خوش رہو میری دوست۔ (امداد علی عرف ندیم عباس تنہا- میرپور خاص)

**میرا بہترین دوست** میرا بہترین دوست ڈائجسٹ ''جواب عرض'' ہے کیونکہ اپنی ہر دل کی بات ''جواب عرض'' کے صفحوں کی زینت بناتا ہے۔ (دین محمد بگٹی- کراچی)

**میرا بہترین دوست** ایس ہے جو میرا بہت خیال رکھتا ہے۔ ہر وقت میرے ساتھ میرے سائے کی طرح رہتا ہے جب تک صبح سویرے اس کا چہرہ نہ دیکھوں چین نہیں آتا جب وہ مجھ سے دور ہوتا ہے تو دل تڑپ اٹھتا ہے۔ (رئیس ساجد کاوش- خان بیلہ)

**میرا بہترین دوست** میرا بہترین دوست میرا طویل مطالعہ ہے کیونکہ اس سے میری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ نہ ہی میں مطالعہ کے بغیر رہ سکتا ہوں جیسے کوئی نشہ کرنے والا نشے کے بغیر نہیں رہ سکتا، پیاسا پانی کے بغیر۔ حبیب الرحمن- لاہور)

**میرا بہترین دوست** میرا بہترین دوست تھا اور ہے بھی اللہ اس کو بھی عمر عطا فرمائے لیکن اب وہ میرے پاس نہیں ہے پہلے میرے پاس تھا۔ (عبدالمجید احمد- فیصل آباد)

**میرا بہترین دوست** میں خود ہوں۔ کیوں کہ اگر میں دل توڑوں گا تو شکوہ بھی میں ہی کروں گا اور یہ ایسی دوستی ہے کہ کبھی ختم نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی راز باہر جا سکیں گے۔ (تنویر خالد- دوکوٹہ)

**میرا بہترین دوست** یحییٰ ولی ہے کیوں کہ ہر مشکل کام میں میرے کام آتا ہے اور میری ہر خوشی غمی میں ہم ایک ساتھ ہوتے ہیں۔ دنیا میں بات کم لوگ ہی جو دوستی نبھاتے ہیں۔ (طارق محمود- ڈنگہ)

**میرا بہترین دوست** محمد وسیم باجوہ ہے کیوں کہ وہ میرا ہر وقت خیال رکھتا ہے اور بہت پیار کرتا ہے غریبوں کی مدد کرتا اللہ اس کو ہر وقت خوش رکھے۔ مظہر علی کمبی- ساہیوال)

**میرا بہترین دوست** میرا بہترین دوست حمزہ ہے جو کہ بہت خوبصورت اور معصوم ہے پیاری پیاری باتیں کرتا ہے اور ہر وقت مسکراتا ہے بہت اچھا لگتا ہے اس لئے میرا بہترین دوست ہے۔ (پرنس مظفر شاہ- پشاور)

**میرا بہترین دوست** میرا کزن وقاص ہے وہ میرا ہمراز ہے میرا بہترین مددگار دوست ہے میں اس سے ہر بات شیئر کرتا ہوں مجھے اگر ذرا سی بھی پرابلم ہو وہ میرے لئے جان دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ (آصف سانول- بہاول نگر)

**میرا بہترین دوست** مدو حسین بلوچ اور سیف الرحمن زخمی اور رمضان، عبدالحق بھٹی اور ''جواب عرض'' کے تمام ہی دوست مجھے بہت ہی اچھے اور پسند ہیں خدا ان کو ہمیشہ خوش رکھے۔ (امجد وکی کوروٹانہ- لکڑانوالہ)

**میرا بہترین دوست** عبدالرؤف ہے کیونکہ وہ میرا بچپن کا دوست ہے کیونکہ ہمیشہ ہر کام میں کرنے سے پہلے اس سے مشورہ کرتا ہوں وہ میرا بہت اچھا دوست ہے اور رہے گا میری اللہ سے دعا ہے کہ ہمیشہ وہ سلامت رہے۔ (مظہر عباس انجم کمبوہ- حاصل پور)

**میرا بہترین دوست** ظہیر گجر ہے کیونکہ وہ بہت اچھا ہے اور میرا بچپن سے دوست ہے ہم دونوں ہر وقت اکٹھے رہتے ہیں۔ جب انگلینڈ گیا تو مجھے ظہیر گجر کی بہت یاد آئی۔ میری اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہماری دوستی کو ہمیشہ قائم رکھے۔ (عباس علی گجر- چکسواری)

**میرا بہترین دوست** این ہے کیونکہ وہ ہر وقت مجھے کال کرتا ہے اور میرا خیال بھی رکھتا ہے۔ (کریم بگٹی- سوئی گیس)

**میرا بہترین دوست** اگر میں یہ بولوں کہ میری شریک سفر بھی میرا دوست بھی ہے تو مجھے کوئی عار نہ ہو گی کیونکہ وہ میرا اور میری ہر پرابلم کو حل کرنا جانتی ہے۔ (مدثر عمران ساحل- سوہدرہ)

**میرا بہترین دوست** جبرائیل آفریدی ہے کیونکہ وہ دوستی کرنا جانتا ہے اور اسے نبھانا بھی اچھی طرح جانتا ہے اس کے علاوہ بھی میرے بہت سے دوست ہیں۔ (واصف علی- مجریارو)

**میرا بہترین دوست** شکیل احمد ہے اس کا اخلاق بہت اچھا ہے اور وہ مجھے اپنے بھائیوں سے بڑھ کر چاہتا ہے اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا اس لئے وہ میرا بہترین دوست ہے۔ (الٰہی بخش شمشاد- کیچ مکران)

**میرا بہترین دوست** میرا بھائی ظفر شہزاد ہے اور وہ اس کے میں اس سے بہت پیار کرتا ہوں اور وہ بھی میری ہر بات مان جاتا ہے

ویسے بھی ہم دونوں نے ایک جلد ہی کام کیا ہے اور ایک دوسرے کے دوست بھی ہیں۔ (مدثر پردیسی-عارفوالہ)

**میرا بہترین دوست** محمد اقبال چک نمبر 58 گ ب ٹیلر ماسٹر ہے۔ (بوٹا دکھی-بہاولپور)

**میرا بہترین دوست** سیف الرحمن زخمی سیالکوٹ ہے لیکن اس کے زخم کبھی ختم نہیں ہوتے پتہ نہیں کس ظالم نے اس کو زخم دیئے ہیں ہر پل خوش رہو زخمی بھائی جان! (عمران فنا-بلوچستان)

**میرا بہترین دوست** میرا بہترین دوست عامر حسین ہے وہ میرا بہترین دوست اس لئے ہے کہ اگر مجھے کسی بھی قسم کی پریشانی کوئی مسئلہ یا پھر کوئی ٹینشن ہو جب میں اس سے بات کر لیتا ہوں تو میری ہر پریشانی دور ہو جاتی ہے۔ (عثمان غنی-قبولہ شریف)

**میرا بہترین دوست** میرا بہترین دوست فیصل اقبال ہے وہ اس لئے کہ وہ میرا ہم راز دوست ہے میرے دکھ سکھ میں برابر کا شریک رہتا ہے میرا گلہ کسی کو نہیں کرنے دیتا میرا دوست انمول ہیرا ہے۔ (ذوالفقار علی سانول-ملک وال)

**میرا بہترین دوست** میرے بہت سے دوست ہیں سب ہی بہترین ہیں ایک کا نام بہت مشکل ہے لکھنا لیکن پھر بھی میرے خیال میں جو بھی آپ کا ہم خیال ہو وہ بہترین دوست ہوتا ہے۔ (عبدالرحمن بجر-نین لانجھا)

**میرا بہترین دوست** دنیا میں صرف میرا اک محبوب ہے جو کہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے وجہ یہ ہے کہ وہ میری کسی بھی بات اور میرے کسی بھی کام میں مداخلت نہیں کرتا اور اکثر مجھے سمجھاتا رہتا ہے اسی لئے وہ میرا بہترین دوست ہے۔ (محمد آفتاب شاد-کوٹ ملک دوکوٹہ)

**میرا بہترین دوست** ایم اشفاق بٹ فرام لالہ موسیٰ ہے اس لئے کہ وہ ''جواب عرض'' کا اچھا رائٹر ہونے کے ساتھ بہت اچھا انسان بھی ہے اشفاق بھائی سے موبائل پر گھنٹوں باتیں کرنا کچھ نہ کچھ سکھا ہی دیتا ہے۔ (محمد خاں انجم-لدھ وال)

**میرا بہترین دوست** سب کے سب میرے بہترین دوست ہیں میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اچھے دوست عطا ہے لیکن وقاص جہلم میرا بہترین دوست ہے وہ میری رہنمائی کرتا ہے۔ (عابد رشید-ڈھوک مغل)

**میرا بہترین دوست** میری بہترین دوست میری بچپن کی دوست ایس تھی پھر وہ بھی بے وفا نکلی اسے مجھ پر بھروسہ نہیں اس نے کسی اور کی باتوں میں آ کر مجھے ہر ایک، اس دنیا میں کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ (راحیلہ منظر-جھمرہ سٹی)

**میرا بہترین دوست** میرا بہترین دوست مدد حسین بلوچ ہے وہ میری زندگی کی وفا ہے مجھے وفا کرنے والے لوگ اچھے لگتے ہیں جن کا پیار سچا ہو وہ لوگ بہت پیارے ہوتے ہیں۔ (سیف الرحمن زخمی- مقابر شریف)

**میرا بہترین دوست** میرا سب سے بہترین دوست صابر ہے کیونکہ وہ ہر مشکل اور دکھ میں میرا ساتھ دیتا ہے۔ اللہ ہماری دوستی کو سدا قائم رکھے۔ (عمران عباس پرنس-خانیوال)

**میرا بہترین دوست** ویسے تو میرے بہت سے دوست ہیں مگر ایس میرا بہترین دوستوں میں سے ایک ہے جس نے مجھ کو اچھا انسان بننے میں میری مدد کی اور کرتا ہے بس ایس جی ٹی گریٹ او جی۔ (مسٹر ایم ارشد وفا-گوجرانوالہ)

**میرا بہترین دوست** اللہ ہے، کیونکہ وہ ہر پل میرے دل میں ہے میرے ساتھ ہے جس پل سوچتا بھی جاتا ہوں وہ میری حفاظت کرتا ہے۔ وہ میرا خالق مالک رازق بھی ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ بے وفا نہیں۔ (محمد افضل اعوان-گوجرہ)

**میرا بہترین دوست** ایس گجرات اور ایس ملکوال اور نثار احمد حسرت کھاریاں اینڈ میں ثمر اعجاز گوندل اٹلی میرے بہت اچھے دوست ہیں جو ''جواب عرض'' نے دیئے ہیں۔ (ممریز بشیر گوندل-گوجرہ)

**میرا بہترین دوست** مظفر خان عرف مدی ہے کیونکہ وہ میرا بہترین



کلاس فیلو ہے ہم بچپن سے اکٹھے پڑھتے آرہے ہیں وہ سب سے اچھا اور بہترین دوست اس لئے ہے کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا اور سادہ لڑکا ہے۔ (منظور اکبر اداس-جھنگ)

**میرا بہترین دوست** کریم بلکی، میر احمد بلکی، ابرار بلوچ، مجبور دین محمد بلوچ، مجید احمد جانی، بہادر عاربانی، لئیق الرحمن اور الطاف حسین ہیں اللہ ان سب کو خوش رکھے، آباد و شاد رکھے۔ (زیب ظہور احمد بلوچ-ڈیرہ مراد جمالی)

**میرا بہترین دوست** میرا بہترین دوست میری تنہائی ہے جو مجھے اپنے حصار میں لے لیتی ہے اپنے اندر مجھے مگن رکھتی ہے مجھے اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتی یوں محسوس ہوتا ہے کہ تنہائی میرا اپنا دوست ہے جو مجھ سے بے وفائی نہیں کر سکتی۔ (سید مبارک علی شمسی-قائم پور)

**میرا بہترین دوست** اصغر ڈاہر، فلک شیر رانجھا، امجد دگی کوروٹانہ، کرکٹر زخمی اور بھی بہت دوست ہیں۔ (سرفراز ڈاہر-لکڑ انوال)

**میرا بہترین دوست** میرا کزن عمران ہے اس لئے کہ بچپن سے لے کر آج تک دوستی میں فرق نہیں آیا بلکہ اضافہ ہوا۔ (ظفر اقبال جوئیہ-چشتیاں شریف)

**میرا بہترین دوست** میرا ماموں مشتاق ہے لیکن اب وہ بھی بدل رہے ہیں خدا کے لئے ماموں مجھے پہلے والا ہی پیار دیں۔ مجھے وہی ماموں چاہئے جو میرے لئے تڑپتا تھا روتا تھا مجھے پیار کرتا تھا۔ (عابد علی آرزو-سانگلہ ہل)

**میرا بہترین دوست** کوئی بھی نہیں کیونکہ اس دنیا میں ہر انسان لالچی ہے جب مقصد پورا ہو جاتا ہے تو یوں چھوڑ جاتے ہیں جیسے جسم کو روح چھوڑ جاتی ہے۔ (ارمان سنگم-فیصل آباد)

**میرا بہترین دوست** ویسے تو بہت ہیں لیکن جب ذکر ظہور احمد بلوچ کا ہوتا ہے تو میں ایک بار ضرور سوچتا ہوں کہ اس کی دوستی میں سب کچھ یہیں پر ختم، بہرحال جانی تیری دوستی کو سرخ سلام۔ (ابرار بلوچ-آواران)

**میرا بہترین دوست** وہ ہیں جو اپنی ماں کی قدر کریں اور وجہ یہ ہے کہ وہ ماں کی خدمت کرتا ہے اور اس لئے کہ ان سے اللہ خوش ہوتا ہے۔ (فنکار شیر زمان پشاوری-پشاور)

**میرا بہترین دوست** ہمارے بہترین دوست ایک نہیں بہت ہیں اگر ہم ایک کا نام شائع کرتے ہیں تو بہت دوست ناراض ہو جائیں گے۔ (عبدالصمد SK-کراچی)

**میرا بہترین دوست** سعید احمد عرف مزمل حسین فراز ہے پیارے دوست آپ بہت اچھے ہیں دوستی نبھانے کی تمام قسمیں آپ میں پائی جاتی ہیں۔ (محمد ارسلان احمد دکھی شانی-منڈی بہاؤالدین)

**میرا بہترین دوست** محمد نواز آرزو ہے، وہ ہمارے ہمراز ہیں میری زندگی کی تمام حقیقت سے وہ واقف ہیں وہ میرے دل کو بہت اچھا لگتا ہے اس کی محبت میرے دل کے اندر اتر گئی ہے اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے۔ (ایم افضل کھرل- ننکانہ صاحب)

**میرا بہترین دوست** ایک تو رضا صاحب آف چگی ہری پور اور دوسرے دوست مسعود صاحب آف کھلا بٹ ہری پور ہیں جنہوں نے انجانے میں میری بہت مدد کی ورنہ یہ گیم میرے بس کی نہیں تھی اللہ انہیں لمبی زندگی دے میں ساری عمر ان کا احسان مند رہوں گا۔ (محمد ہارون قمر بیج پور ہزارہ)

**میرا بہترین دوست** عمر الدین ہے میرے دوست نے ہر دکھ اور سکھ میں ہمیشہ میرا ساتھ دیا خدا سے دعا ہے کہ ہماری یہ دوستی ہمیشہ قائم رہے ہم اسی طرح دوست بن کے رہیں۔ (بے وفا ایم زیڈ اے-کراچی)

**میرا بہترین دوست** وفا ہے جس نے مجھے کبھی بھی کسی قسم کا دکھ نہیں دیا میرے ہر دکھ کو اپنا دکھ سمجھا ہر خوشی کو اپنی خوشی سمجھا اور میرا اس وقت ساتھ دیا جب مجھے سب لوگ چھوڑ گئے تھے جب میں بالکل تنہا ہو گیا تھا وفا کی محبت پہ مجھے بہت ناز ہے اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے۔ (رانا وارث اشرف عطاری)

***

# میری زندگی کی ڈائری

## آصف کی ڈائری سے ورق

آج میں اتنا اداس کیوں ہوں، کیا وجہ ہے؟ شاید کسی کی یاد آئی ہے۔ ہاں یاد آئی ہے، کسی بچھڑے ہوئے کی یاد آئی ہے جس سے بہت پرانا تعلق تھا۔ وہ میرا محبوب تھا، میرے دل کا چین تھا، میرے دل کی دھڑکن تھا، میری شہرت تھا، میری عزت تھا، میری طاقت تھا، میرا امان تھا، میرا سلطان تھا لیکن وہ چھوڑ کیوں گیا اس کو کیا مجبوری تھی ہاں اس کو بہت بڑی مجبوری تھی۔ وہ بچھڑنا نہیں چاہتا تھا، میرے سنگ جینا چاہتا تھا، میرا ہو کر رہنا چاہتا تھا، پھر ہم کیسے بچھڑے یہ قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔ میرا کلیجہ پھٹ جائے یا قلم تھرتھرا جائے اگر کچھ نہ ہوا تو میری آنکھوں کے آگے اندھیرا ضرور آ جائے گا۔ وہ کتنا وفادار تھا، کاش ہمیشہ ساتھ نبھاو جاتا۔ افسوس قسمت ہار گئی، وہ میری قسمت میں نہیں تھا۔

☆...... آصف سانول- بہاول نگر

## زیب بلوچ کی ڈائری سے

میری آج کی یہ ڈائری محبت کرنے والوں کے نام ہے جو کہ محبت کے میدان میں اتر چکے ہیں، محبت کے مسافروں کے نام ہے۔ دوستو! محبت تو سب ہی کرتے ہیں مگر محبت کی قدر کوئی نہیں کرتا۔ ہر کسی کے زندگی میں محبت دستک ضرور دیتا ہے جو محبت کی قدر کرتا ہے، محبت اس کا ساتھ دیتی ہے اور وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ زندگی کے کسی موڑ پر اگر کوئی ہمسفر مل جائے تو اس کی قدر کرو۔ مخلص لوگ بہت کم ملتے ہیں، بہت سے لوگ ہیں جو محبت کے لئے ترستے رہتے ہیں مگر محبت اُس کے قریب بھی نہیں جاتی۔ محبت اس لئے قریب نہیں جاتے کہ وہ لوگ محبت کے قریب جا کر محبت کو رسوا کرتے ہیں۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ اُسے محبت ملے۔ ہاں ٹھیک ہے محبت کی تلاش کرو اگر مل جائے تو اس کی قدر کرو۔

☆ زیب ظہور احمد بلوچ- ڈیرہ اللہ یار

## ہارون قمر کی ڈائری کا رق

گلاب خان، محمد یونس، محمد فیاض، دوست محمد، عمران خان، قاری گل شہزاد کے نام۔ یہ لوگ اعتکاف شریف میں بیٹھے ہوئے ہیں، میں ان تمام بھائیوں کا شکر گزار ہوں کیونکہ انہوں نے بیج پور کی جامع مسجد کو رونق بخشی۔ اللہ تعالیٰ ان کی دلی خواہشات کو پوری کرے۔ ان بھائیوں سے میری التجا ہے کہ میرے لئے خصوصی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی کرے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے گھروں کو بھی رونق بخشے۔ بھائیو! یہ دنیا چار دن کی ہے یہ دنیا عارضی ہے۔ آپ نے بہت اچھا قدم اٹھایا میرے سمیت اللہ تعالیٰ ہر انسان کی دلی حسرت پوری کرے۔

☆ ....... محمد ہارون قمر بیج پور ہزارہ

## ندیم عباس تنہا کی ڈائری

مسرتوں پر رواجوں کا سخت پہرا ہے نہ جانے کون سی امید پہ دل ٹھہرا ہے۔ تیری آنکھوں میں جھلکتے ہوئے اس غم کی قسم، اے دوست درد کا رشتہ بہت گہرا ہے۔ شہزادہ بھائی کہتے ہیں کہ ایک کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے اور ایک ناکام مرد کے پیچھے کئی عورتوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اس بات کا مجھے بھی یقین ہو گیا ہے کہ یہ جس نے بھی کہا سچ کہا ہے کیونکہ میری بربادی کا سبب بھی تین لڑکیاں ہیں۔ شاید کہ جیسا مجھے وفا کرے ابھی شک تو اس نے بے وفائی کا اعلان نہیں کیا آگے، خدا کو خبر کے کیا ہوتا ہے۔

☆ ..... امداد علی عرف ندیم عباس تنہا

## گلزار کنول کی زندگی کی ڈائری

R جہاں بھی رہنا خوش رہنا، ہر پل ہر لمحہ دعا ہے کہ کبھی تیری آنکھ نم نہ ہو، تم ہر پل خوش رہو۔ ہر لمحہ تیری زندگی کا حسین ہو اتنی خوشیوں سے نوازے میرا خدا تجھے زندگی میں کبھی کوئی غم تیرے پاس نہ ہو۔ آج تیری اتنی ہی یاد آتی ہے تکراب میں ہر بار تم کو بھلانے کی کوشش کرتا ہوں، پر ہر بار ناکام ہو جاتا ہوں، تھا جو تو میرے ساتھ تو دنیا حسین تھی میری بس جب سے تو روٹھا ہے دنیا ویران ہے میری آر میں نہیں جانتا تھا کہ تو بے وفا ہو جائے گی مجھے اتنا تڑپائے گی۔ آج زندگی سے نفرت سی ہو گی ہے، ہر بار موت کا انتظار ہے، اب تیری یادوں کو بھی بھلانا چاہتا ہوں۔ تم خوش رہنا جہاں بھی رہنا وہاں ہر کسی کو خوش رکھنا۔ میری طرح اور کسی کو مت رلانا۔

☆ .. ساگر گلزار کنول-فورٹ عباس

## ایم وائی سچا کی ڈائری کا ورق

دوستو! ڈائری لکھنے کے لئے ہی ہوتی ہے لیکن میری زندگی کی ڈائری کچھ الگ سی ہے کیونکہ اس کے ہر صفحے پر نیا نام ہے آج کل ڈیئر رانی ہے امید ہے بہت اچھی دوست ثابت ہوگی پرانی دوست بھی موجود ہیں لیکن یہ جدہ میں ہے بہت اچھی ہیں خداوند کریم اسے ہر طرح کی خوشی نصیب کرے لیکن یہ بیچاری پہلے محبت میں دھوکا کھا چکی ہے اس کا دل ہیرو نامی لڑکے نے چکنا چور کر دیا ہے یہ مجھے جواب عرض کی قلمی دوستی سے ملی ہے۔ میں ان شاء اللہ اس کو کبھی دکھی نہیں ہونے دوں گا۔ دکھی لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں کیونکہ میں خود بھی بہت دکھی ہوں۔

☆ .............. ایم وائی سچا- جدہ

## شازیہ چوہدری کی ڈائری سے

زندگی کیا ہے، کیسے رخ بدلتی ہے، یہ تو محبت کرنے والا ہی سمجھ سکتا ہے۔ ایسے حالات کی مجبوری سمجھے کہ اپنی بدقسمتی، انسان کبھی دکھ کے سائے میں تو کبھی سکھ کے

بے تاب سے رہتے ہیں تیری یاد میں اکثر شب بھر نہیں سوتے تیری یاد میں اکثر جسم میں درد کا بہانہ بنا سا بنا کر ہم ٹوٹ کے روتے ہیں تیری یاد میں اکثر

وہ جو جنہیں ہم زندگی سمجھ کر اپنا سب کچھ داؤ پہ لگا بیٹھتے ہیں اکثر کیوں تنہا چھوڑ جاتے ہیں دنیا کی بھیڑ میں۔ کیوں نہیں سمجھتے وہ کیا اہمیت ہے ان کی زندگی میں ہماری۔ ہاتھ پکڑ کر چلنا سکھا تو دیتے ہیں پر بیچ راہ میں کیوں چھوڑ جاتے ہیں؟ نہ جینے کی آرزو، نہ مرنے کا آسرا بس یہی گھٹ گھٹ کے خون کے آنسو پیئے جاتے ہیں۔ زندگی کتنی بے رنگ بے معنی سی لگتی ہے ان کے بغیر۔ بہار بھی کوئی دلچسپی نہیں لاتی ان کے بغیر اگر خداوند کریم نے اپنے بندوں سے یہی امتحان لینا ہوتا ہے تو کیوں قسمت کو ملاتے ہیں جن کے بنا اک پل بھی ممکن نہیں۔

☆ ....... شازیہ چوہدری- شیخوپورہ

## خیر پوری کی ڈائری کا ورق

آج پھر برسوں کے بعد مجھے نیناں کی یادوں سے شرارتوں نے حد سے زیادہ تنگ کیا کہ میں رونے لگ گیا۔ وہ نیناں جس نے مجھے محبت کا احساس دلایا تھا، جس نے ان محبت کی راہوں میں عمر بھر ساتھ چلنے کا عہد کیا تھا جس نے میرا ہر غم لے کر خوشی دینے کا وعدہ کیا تھا جس نے مجھے چاند اور خود چاند کی چاندنی کہا تھا۔ اے نیناں آج کہاں ہے تو دیکھ تیرا چاند کتنا اداس، کتنا تنہا، کتنا اکیلا ہو گیا ہے میں ساری ساری رات تم کو ڈھونڈتا ہوں مگر تیری صورت کہیں نظر نہیں آتی کہیں ایسا نہ ہو تیرا انتظار کرتے کرتے میں تھک کر سو نہ جاؤں، ایسی نیند جس نیند کے سونے کے بعد پھر میں بیدار نہ ہو سکوں۔

☆. جمیل ندا خیر پوری- میر پور میرس

## میاں شکیل کی ڈائری سے

میری زندگی کی ڈائری میں یہ غزل مجھے بہت پسند ہے۔ اسی غزل میں ہی میری زندگی ہے۔

کھڑکی چاند، کتاب اور میں
مدت سے ایک خواب اور میں
شب بھر کھلیں آپس میں
دو آنکھیں اک خواب اور میں
موج اور کشتی ساحل پہ
دریا میں گرداب اور میں
شام، اداسی، خاموشی
کچھ کنکر تالاب اور میں

ہر شب پکڑے جاتے ہیں
گہری نیند تیرے خواب اور میں
☆ اداکار میاں شکیل چوعطہ-خان پور

### جواد کی ڈائری سے ایک ورق

میری زندگی خدا کی دی ہوئی ایک نعمت ہے جو کہ میری ماں اور میرے دوستوں کے لئے ہی ہے۔ زندگی میں کچھ وقت خوشی میں گزر جاتا ہے اور کچھ دکھوں میں گزر جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی دنیاوی محفل میں چلا جاتا ہوں اور کبھی دینی محفل میں اور کچھ وقت دوستوں کے ساتھ گزر جاتا ہے لیکن کوئی بھی ایسا وقت اسی کے خیال آتے ہیں اسی کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ ایک ایس کی ہی یاد نے مجھے تمام زندگی کے لئے ادھورا کر دیا ہے اور اس کی یادوں کو سامنے رکھ کر ہی تنہائی میں رہنا اچھا لگتا ہے اور کوئی بھی پاس نہ ہو پھر بھی اس کی یاد میرے لئے بہت کچھ ہوتا ہے۔

☆ ...... محمد افضل جواد-کالاباغ

### راحیہ کی ڈائری سے ایک ورق

میری زندگی میں یادوں کی بہت اہمیت ہے۔ تلخ ہی سہی مگر گزرتے وقت کی اہم جزو ہیں، وہ حسین پل آج بھی آنکھوں میں ڈرامائی انداز سے قبضہ کئے ہوئے ہیں، میں سوچتا کہ اگر یادیں نہ ہوتی تو انسان کی زندگی کس قدر ادھوری ہوتی۔ اپنی تنہائی کا سہارا کیا ہوتا۔ یہی تو ایک امید ہے کہ چاہے کرب میں لپٹی ہوئی سہی مگر کسی بے درد کی یادیں تو میرے ہمراہ ہیں جو ہر نئی صبح کا سورج دیکھنے کے لئے رات بھر میرے ساتھ رہتی ہیں۔ کتنا ہی اندھیرا ہو مگر میرا دل روشن ہوتا ہے، میری آنکھیں چمک رہی ہوتی ہیں کیونکہ یادیں میرا سکون اور میرا چین وقرار ہیں۔

☆ ...... راحیہ فیصل مجید-کراچی

### بٹ کی ڈائری سے ایک ورق

آج 19 اپریل اور منگل کا دن ہے اور آج میرے دوست کو مجھ سے جدا ہوئے چار ماہ اور نو دن ہو گئے ہیں لیکن ایسے لگتا ہے جیسے صدیاں گزر گئی ہوں۔ میرا دوست یورپ کا چکا چوند رنگینیوں میں کھو گیا ہے۔ اب اس نے کبھی بھولے سے بھی مجھے فون نہیں کیا لیکن مجھے آج بھی اس کے فون کا انتظار ہے۔ میں بس اس امید پہ ہوں کبھی تو اس کو احساس ہوگا کہ کوئی اس کے فون کا منتظر ہے۔

☆ ...... ایم اشفاق بٹ-لالہ موسیٰ

### تنہا کی ڈائری کی چند سطریں

میری زندگی کی ڈائری میں صرف دکھ ہی دکھ ہیں، مجھے آج تک کوئی خوشی نہیں ملی اگر کہیں ملی بھی تو صرف ایک لمحہ کے لئے۔ بچپن سے لے کر اب تک دکھ بہت زیادہ ملے ہیں اور اب تو دل دکھوں کا گھر ہو گیا ہے۔ جو جانے کا نام تک نہیں لیتے۔ اب تو دل میں ہر وقت دکھوں آہوں کا اک طوفان برپا رہتا ہے۔ پتہ نہیں کیوں میری آنکھوں سے آنسوؤں خود بخود بہتے رہتے ہیں شاید اس دنیا میں سکھ نام کی کوئی چیز نہیں، سب بے وفا ہیں۔ سب سنگدل پتھر دل ہیں کوئی بھی وفادار نہیں ہے۔ سب مطلب کی دوستی کرتے ہیں اور جب اپنا کام نکل جائے تو یوں پھینک دیتے ہیں جیسے کوئی بے کار کی چیز ہو۔

☆ ...... ایم شفیع تنہا-امرہ خورد

### نازکی درد بھری ڈائری

غم حالات نے مجھے اور ہی افسردہ بنا دیا۔ ایک غم تھا کہ زندگی کو زمانے کے بنائے ہوئے اصولوں پہ گزاروں مگر یہ کام بہت کٹھن نکلا۔ زمانہ کے اصولوں پہ زندگی نہیں گزار سکتا کیونکہ نجانے کس موڑ پہ سانسوں کا بندھن ٹوٹ جائے، میں اپنے مستقبل کو آواز دیتا ہوں اور پھر خاموش ہو جاتا ہوں کہ تنہائی کا یہ سفر خود کو ہی طے کرنا ہوگا۔ کون عمر بھر ساتھ نبھاتا ہے، کبھی جھوٹے رشتے ناطے ہیں۔ کاش کوئی ہمسفر مل جاتا اور یہ تنہائی کا سفر آسانی سے کٹ جاتا۔

☆ ...... اے ڈی ناز-ساہیوال

○ پیار چھپانے سے کبھی نہیں چھپتا۔

○ پیار کرنے والے کو موت کا خوف نہیں ہوتا۔



### اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی سزا

جب اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندے کی موت کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتے ہیں کہ میرے دشمن کے پاس جاؤ اور اس کی جان نکال لاؤ۔ میں نے اس پر ہر قسم کی فراخی کی اپنی نعمتیں دنیا میں چاروں طرف سے اس پر برسائیں مگر وہ میری نافرمانی سے پھر بھی باز نہیں آیا۔ لہذا آج اس کو لاؤ تاکہ میں آج اس کو سزا دوں اور اس نافرمانی کا مزہ چکھاؤں۔ ملک الموت بہت بری صورت میں اس کے پاس ایک گرز (لوہے کا موٹا سا ڈنڈا) جو جہنم کی آگ کا بنا ہوا ہوتا ہے جس میں کانٹے ہوتے ہیں ان کے ساتھ پانچ سو فرشتے جن کے ساتھ تانبے کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے اور ہاتھوں میں جہنم کی آگ کے بڑے بڑے انگارے اور آگ کے کوڑے ہوتے ہیں جو دہکتے ہوتے ہیں ملک الموت آتے ہی وہ گرز اس پر مارتے ہیں جس کے کانٹے اس کے ہر رگ و ریشہ میں گھس جاتے ہیں۔ پھر وہ اس کو کھینچتے ہیں اور باقی فرشتے ان کوڑوں سے اس کے منہ کو اور منہ کے [illegible] مارنا شروع کر دیتے ہیں جس سے وہ سر بہ غش کھاتے [illegible] ہے۔ وہ اس روح کو پاؤں کی انگلیوں سے نکال کر ایڑی سے نکال کر گھٹنوں میں روک دیتے ہیں پھر وہاں سے نکال کر جگہ جگہ اس لئے روک لیتے ہیں تاکہ اس کو اچھی طرح سے دیر تک تکلیف پہنچائی جائے۔ پیٹ میں دیتے ہیں پھر وہاں کھینچ کر سینے میں روک دیتے ہیں پھر فرشتے اس تانبہ کو اور جہنم کے انگاروں کو اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ دیتے ہیں اور پر ملک الموت کہتے ہیں کہ اے ملعون روح نکل اور اس جہنم کی طرف چل کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ وہ لوگ آگ میں اور کھولتے ہوئے پانی میں اور دھوئیں کے سایہ میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش ہوگا (بلکہ وہ نہایت تکلیف دینے والا ہوگا) پھر جب روح اس کے بدن سے رخصت ہو جاتی ہے تو بدن سے کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے برا بدلہ دے کیونکہ تو مجھے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں جلدی سے لے جاتا تھا اور اس کی اطاعت میں سستی کرتا تھا، تو خود بھی ہلاک ہوا اور مجھے بھی ہلاک کیا اور یہی بات بدن روح سے کہتا ہے اور شیطان کے لشکر دوڑتے ہوئے اپنے سردار ابلیس کے پاس آ کر اس کو خوشخبری سناتے ہیں کہ ایک آدمی کو جہنم تک پہنچا دیا۔

☆ ...... سجاد حسن جھولے والا-ملتان

### نماز

#### قرآن پاک کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس قرآن مجید میں سینکڑوں مرتبہ نماز کے بارے میں بیان فرمایا ہے۔ نماز کی اہمیت اور اس کے فوائد کے بارے میں روشنی ڈالی ہے۔ نماز کے ذریعے مشکلات کا حل بتایا ہے چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

**نماز کی پابندی:** ارشاد باری تعالیٰ ہے (ترجمہ) اور نماز کی پابندی رکھ بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ہے۔ (سورۃ العنکبوت:45)

**نماز قائم کرنا:** ارشاد ربانی ہے (ترجمہ) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔ (سورۃ البقرہ:43)

**دینی بھائی:** فرمان الٰہی ہے (ترجمہ) سو اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ دینی بھائی ہیں تمہارے۔ (سورۃ التوبہ:11)

**نماز اور توبہ:** ارشاد باری تعالیٰ ہے (ترجمہ) اور پھر اگر توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں

تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ (سورۃ التوبہ:5)

**نمازوں کی نگہبانی:** فرمان الٰہی ہے (ترجمہ) نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔ (سورۃ البقرہ:238)

**نماز کا اجر:** ارشاد خداوندی ہے (ترجمہ) بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ (سورۃ البقرہ:277)

**ایماندار لوگ:** فرمان الٰہی ہے، سچے اہل ایمان تو وہی ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے، وہ اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں اور جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ (سورۃ الانفال)

**احادیث مبارکہ کی روشنی میں**

نماز کی فضیلت و اہمیت اور اس کی ادائیگی کے حکم بارے میں بہت سی احادیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے۔ ان میں چند احادیث مبارکہ حسب ذیل ہیں:

**نماز پڑھنے کا حکم:** حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ ''جب تمہارے بچے سات برس کے ہو جائیں تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس برس کے ہو جائیں تو ان کو مار کر نماز پڑھاؤ اور ان کی سونے کی جگہ علیحدہ کردو''۔ (ابوداؤد شریف)

**جنت کا حصول:** حضرت ربیعہ بن کعب (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم) فرماتے ہیں کہ میں رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتا تھا۔ آپ کے لئے وضو کا پانی لاتا اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا۔ ایک دن آپ نے فرمایا۔ ''تم کچھ مانگو''۔ میں نے کہا۔ ''میں جنت میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں''۔ فرمایا۔ ''اور کچھ؟'' میں نے کہا۔ ''مجھے اور کچھ نہیں چاہئے بس یہی چاہئے تو آپ نے فرمایا۔ ''اگر تم میرے ساتھ جنت میں رہنا چاہتے ہو تو نماز کی کثرت سے میری مدد کرو''۔ (مسلم شریف)

**اللہ تعالیٰ کی قربت:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا بندہ اپنے جن اعمال سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں سے سب سے زیادہ محبوب مجھ کو وہ اعمال ہیں جن کو میں نے اس کے اوپر فرض کیا ہے اور میرا بندہ برابر نفلوں کے ذریعے مجھ سے قرب ہوتا رہتا ہے اور یہاں تک کہ وہ میرا محبوب بن جاتا ہے اور جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں ان کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے''۔

**نماز گناہوں کو ختم کرتی ہے:** حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو جس میں وہ ہر دن میں پانچ بار غسل کرتا ہے تو بتاؤ اس کے جسم پر کچھ بھی میل کچیل باقی رہ سکتا ہے''۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ ''نہیں اس کے جسم پر ذرا بھی میل کچیل نہیں رہے گا''۔ آپ نے فرمایا۔ ''یہی حال پانچ وقت کی نمازوں کا ہے اور اللہ تعالیٰ ان نمازوں کے ذریعے گناہوں کو مٹاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

**گناہوں کا جھڑنا:** حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن جب سردی کے موسم میں درختوں کے پتے گر رہے تھے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لے گئے تو آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیاں پکڑیں اور ان کو ہلایا تو ان شاخوں سے پتے گرنے لگے تو آپ نے فرمایا۔ ''اے ابوذر!'' حضرت ابوذر نے عرض کیا۔ ''حاضر ہوں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)''۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ''جب مسلمان بندہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ



جاتے ہیں کہ جیسے یہ پتے درخت سے جھڑ رہے ہیں۔ (احمد)

☆......اے آر راحیلہ منظر۔ جھمرہ ستی

## خوبصورت فرمان

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

○ لقمہ گر جائے تو اسے صاف کر کے کھا لیا جائے، اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑو۔

○ جو شخص دستر خوان سے کھانے کے گرے ہوئے ٹکڑے اٹھا کر کھائے گا وہ کبھی تنگ دست نہیں ہو گا اور اس کی اولاد یا اولاد کی اولاد کم عقلی سے محفوظ رہے گی۔

○ میں اس شخص کو جنت کے کناروں پر گھر دلوانے کی ضمانت دیتا ہوں جو جھگڑا چھوڑ دے خواہ وہ حق پر ہو۔

○ جو شخص میری بات لوگوں تک پہنچائے گا قیامت کے دن جنت میں مقام میرا ذمہ ہے۔

**داناؤں کے اقوال:**

○ ظالم کے ظلم سے نہیں بلکہ صابر کے صبر سے ڈرو۔

○ ضروری نہیں جو خوبصورت ہو وہ خوب سیرت بھی ہو۔

○ اعتبار کی بارش میں اتنا مت بھیگو کہ جسم نظر آنے لگے۔

○ کسی کو حقیر مت سمجھو کیونکہ راستے کا معمولی پتھر بھی منہ کے بل گرا سکتا ہے۔

○ جس کو اپنا خیال نہیں وہ کسی کا خیال نہیں رکھتا۔

○ کسی کو پرکھو مت کیونکہ اس سے رشتہ کمزور ہو جاتا ہے۔

☆......اعجاز احمد۔ ننکانہ صاحب

## معلومات

**دنیا کی خطرناک سڑکیں:**

○ Leh-Manali: یہ سڑک انڈیا میں واقع ہے۔ یہ دنیا کا سب سے پیچیدہ اور چیلنجنگ پہاڑی راستہ ہے جس میں برف لینڈ سلائیڈر اور اونچے نیچے ناہموار میدان ہیں جو ہر طرح کے سفر کو مشکل بنا دیتے ہیں۔

○ Col-de-Turini: فرانس کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ کوہ الپس کا پہاڑی راستہ ہے جسے Col de turini کا نام دیا گیا ہے۔ یہ دنیا کی خطرناک سڑکوں میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ سڑک ایسے خوبصورت انداز سے شروع ہوتی ہے کہ دور سے دیکھنے میں خواتین کے لگائے جانے والی ہیئر پنوں کی طرح نظر آتی ہے۔ عمودی چٹانیں ہیں۔

○ Stelvio Pass: یہ اٹلی میں کوہ الپس کے مشرقی حصے میں واقع ہے۔ اس روڈ پر گاڑی چلانا کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ اس پر 48 تنگ اور خطرناک موڑ ہیں اور اس قدر جھکے ہوئے ہیں کہ دیکھ کر دل کانپ اٹھتا ہے۔ یہ سڑک دوسری پہاڑی سڑکوں کی طرح خطرناک ہے جسے دیکھ کر انسان کا سانس رک جاتا ہے۔

○ Russia's-Lena: یہ زمین فیڈرل ہائی وے کا آخری 600 میل کا حصہ ہے یہ ماسکو سے شروع ہو کر سائبیریا تک جاتا ہے جسے Lena کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ یہ انتہائی عجیب و غریب سڑک دریائے لینا کے ساتھ ساتھ چلتی ہے اور خاص کر موسم برسات میں اس پر سفر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

○ Pasubio: یہ اصل میں کوہ پیمائی کا ایک راستہ ہے جسے ایک قدیم راستے پر ہی بنایا گیا ہے۔ اس سڑک سے زیادہ تر موٹر سائیکلیں اور بعض قسم کی کاریں گزرتی ہیں۔ یہ سڑک خطرناک حد تک تنگ اور پھسلواں ہے۔ یہ متعدد چٹانوں، چوٹیوں اور سرنگوں سے گھومتی ہوئی گزرتی ہے جو بلاشبہ ایک شاندار منظر ہوتا ہے۔ سیاحوں کے لئے مقبول جگہ ہے۔

○ The Devil's: یہ ایک پہاڑی راستہ ہے یہ اتنا لمبا ہے کہ اسے عبور کرنے میں لگ بھگ پانچ گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ اس سڑک کو عبور کرنے کے لئے متعدد تنبیہی اشارے بھی لگائے گئے ہیں جو دوران سفر یاد دلاتے ہیں کہ ہوشیار رہیں۔ اس کے علاوہ آفات کے حوالے سے بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ راستے میں رکنے کے لئے بہت سے مقامات بھی ہیں، بعض موڑ اور خم بہت زیادہ اور پیچ دار ہیں۔

☆......نبیل احمد ملک۔ شیدانی شریف

## کلینک کارنر

○ رات کو خواب میں ڈاکٹر نے دیکھا کہ ایک مریض اس کا آپریشن کر رہا ہے۔ اگلے روز کلینک کے بڑے دروازے پر لکھا تھا "آج کلینک بند ہے"۔

○ مریض جتنی چاہے دہائی دے، ڈاکٹر جتنی چاہے دوائی دے..... مرنا مریض ہی کو ہے۔

○ تو تم ڈاکٹر کی ایک ہی خوراک سے مر گئے۔ اور کیا۔ وہ تو مجھے دوسری خوراک بھی دینے لگا تھا، مرتا کیا نہ کرتا۔

○ مریض مرض میں مبتلا ہو کر آیا تھا، قرض میں مبتلا ہو کر چلا گیا۔ دراصل کچھ مریض ہوتے ہی Come-go ہیں۔

○ مجھے بچا ڈاکٹر! میں مرنا نہیں چاہتا۔ یہ تو تمہیں یہاں آنے سے پہلے سوچنا چاہئے تھا۔

○ ہوں ..... میرے میاں بچ جائیں گے ناں ڈاکٹر صاحب؟ جی ہاں مگر اس میں آپ کی مرضی شامل ہونا بھی ضروری ہے۔

○ ہیلو ..... ہیلو ..... ڈاکٹر صاحب! پلیز جلدی تشریف لائیں میرے میاں ..... کیا مطلب؟ زیادہ طبیعت خراب ہے ان کی۔ جی نہیں وہ تو اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ آپ سے بس تصدیق کروانی ہے ڈیتھ سرٹیفکیٹ پر۔

○ ڈاکٹر کی دکان پر لکھا تھا..... طلباء وطالبات کے لئے خوشخبری، امتحان میں یقینی کامیابی کے لئے "جواب آور گولیاں"، جن کے استعمال سے کمرہ امتحان میں بیٹھتے ہی دماغ کی ویب سائٹ پر سوالوں کے جواب دھڑا دھڑ آنے لگتے ہیں۔

○ کھجور کے پیڑ سے اترنا بھی اتنا ہی مشکل تھا جتنا کہ اس پر چڑھنا۔ ایک مریض نے ڈاکٹر کی بتائی ہوئی مشق پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہوئے بتایا۔

○ حالانکہ قبر میں ڈاکٹر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا مگر دفن نوجوان مریض کو ہونا پڑا۔ اسے کہتے ہیں حالات کی ستم ظریفی۔

☆..... ایس امتیاز احمد-کراچی

## اچھے لوگوں کی اچھی باتیں

○ دنیادار دنیا کے پیچھے دوڑتے ہیں اور دنیا اللہ والوں کے پیچھے دوڑتی ہے۔

○ عورتوں کے کہنے پر عمل نہ کر، آفات زمانہ سے محفوظ رہے گا۔

○ اگر دنیا میں عورت نہ ہوتی تو انسان معمولی عبادت سے ولی بن جاتا۔

○ عقلمند سوچ کر بولتا ہے، بے وقوف بول کر سوچتا ہے۔

○ زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرو تم اولیاء اللہ میں شامل ہو جاؤ گے۔

○ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت انسان کو خدا کا محبوب بنا دیتی ہے۔

○ اللہ والے گناہ سے نفرت کرتے ہیں مگر گنہگار کو سینے سے لگا کر گناہوں سے بچا لیتے ہیں۔

○ کسی کی طرف ایک انگلی اٹھانے سے پہلے سوچ لو باقی تین انگلیاں آپ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

○ کسی کو اپنا کہنے سے پہلے سوچ لو کہ تم اسے اپنائیت کا احساس دلا سکو گے۔

○ ہر کسی سے ہنستے مسکراتے ہوئے ملو کیونکہ مسکرانا زندہ قوموں کا شیوہ ہے۔

○ کسی عورت کو دیکھنے سے پہلے اس کے سینڈل کا جائزہ لو۔

○ کبھی ادھوری محبت نہ کرو کیونکہ یہ زندگیوں کا معاملہ ہے۔

○ دنیا میں ایک بار پیار کرو کیونکہ بار بار پیار کرنے والے دھوکا کھا جاتے ہیں۔

○ دولت ہونے سے آدمی اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اور دولت نہ ہونے سے لوگ اسے بھول جاتے ہیں۔

○ تلوار کا زخم دل پر لگتا ہے مگر گناہ کا روح پر۔

○ نصیحت چاہے دیوار پر لکھی ہو اسے اپنا لو۔

○ کتابیں زمین پر نہ گرنے دو کیونکہ کتابیں آسمان پر لے جاتی ہیں۔

○ جو لڑکیاں تم سے پڑھنے کے لئے آئیں تو ان سے گھر کے کام نہ لو ان سے اپنے بچوں کی ٹیل نہ کرواؤ بلکہ ان کو بھی اپنی اولاد کی طرح رکھو۔

☆..... شازیہ وقاص-کراڑیوالہ

## ہنسنا منع ہے

○ ایک دوست: میں ایسے سرد ملک میں رہا جہاں لوگ بولتے تھے تو الفاظ جم جاتے تھے، لوگ آگ جلا کر ان الفاظ کو سنتے تھے۔ دوسرا دوست: میں ایسے سرد ملک میں رہا ہوں جہاں بکری ایک ٹیلے پر چھلانگ لگاتی تو راستے میں ہی جم جاتی تھی۔ پہلا دوست: یہ تو سائنس کے اصول کے بالکل خلاف ہے۔ دوسرا دوست: سمجھا بھی کرو یار اس وقت سائنس کا اصول بھی جما ہوا تھا۔

○ جج: میں فیصلہ سنانے جا رہا ہوں کوئی بیچ میں بولا تو اسے باہر نکال دیا جائے گا۔ ملزم: حضور میں بول رہا ہوں مجھے باہر نکال دیجئے۔

○ ایک شخص کے گھر ڈاک سے ایک لفافہ آیا جس میں دو ٹکٹ فلم کے تھے، بھیجنے والے کا نام پتہ نہیں تھا۔ شوہر بولا: یہ ٹکٹ میرے لئے میرے دوست نے بھیجے ہیں۔ بیوی بولی: یہ ٹکٹ ضرور میری سہیلی نے بھیجے ہوں گے۔ آخرکار دونوں فلم دیکھنے گئے واپس گھر لوٹے تو معلوم ہوا کہ گھر کا سارا قیمتی سامان غائب ہے۔ ایک کاغذ کا پرزہ ملا جس پر لکھا تھا "فلم دیکھنے کا بہت بہت شکریہ"۔

○ نانی اماں: محمود بیٹا تم امتحان میں فیل کیوں ہوئے؟ محمود: میں بھول گیا تھا کہ لندن قاہرہ اور واشنگٹن کہاں ہیں۔ نانی اماں: اس لئے تو کہتی ہوں کہ اپنی چیزیں سنبھال کے رکھا کر۔

☆..... سمیع اللہ سمعی-دری خیل

## چار چیزیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی۔

اے میرے رب کاش چار چیزیں ہوتیں اور چار چیزیں نہ ہوتیں۔ (1) زندگی ہوتی موت نہ ہوتی۔ (2) جنت ہوتی جہنم نہ ہوتی۔ (3) امیری ہوتی غریبی نہ ہوتی۔ (4) صحت ہوتی بیماری نہ ہوتی۔

تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔

"اے موسیٰ اگر زندگی ہوتی موت نہ ہوتی تو میرا دیدار کیسے ہوتا۔ اگر جنت ہوتی جہنم نہ ہوتی تو میرے عذاب سے کون ڈرتا۔ امیری ہوتی غریبی نہ ہوتی تو میرا شکر ادا کون کرتا۔ صحت ہوتی بیماری نہ ہوتی تو مجھے یاد کون کرتا۔

☆..... مصطفیٰ گل-لیاری

## پیار محبت

○ انسان دشمن سے تو مقابلہ کر سکتا ہے مگر جس سے پیار کرتا ہے اس سے نہیں۔

○ پیار کا رشتہ جسم سے نہیں روح سے ہوتا ہے۔

○ چوٹ جسم پر لگے تو انسان برداشت کر سکتا ہے مگر دل پر لگے تو نہیں۔

○ محبت ایک ایسی عبادت ہے جس کے لئے کسی عبادت گاہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

○ پیار کی دھار تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔

○ جیت پیار کی ہوتی ہے نفرت کی نہیں۔

○ وہ انسان خوش نصیب ہوتا ہے جس سے کوئی پیار کرتا ہو سچا۔

○ وہ انسان بدنصیب ہوتا ہے جس سے کوئی سچا پیار کرتا ہو اور وہ اس کی قدر نہ کرتا ہو۔

○ پیار کا سمندر کتنا گہرا ہے اس کی گہرائی کسی کو معلوم نہیں، اس لئے آپ کو معلوم نہیں کہ میں اس سے کتنا پیار کرتا ہوں۔

☆..... آفتاب احمد عباسی-سعودی عرب

## رنگ رنگی گلدستہ

### ماں

○ ماں کے پیروں تلے جنت ہے۔

○ ماں کبھی بھی اپنی اولاد سے بے وفائی نہیں کرتی۔

○ خدا کو ماں کی دعاؤں سے راضی کیا جا سکتا ہے۔

○ جس گھر میں ماں کی عزت نہیں وہ گھر ضرور برباد ہو جائے گا۔

○ ماں دکھ اور پریشانی کو ختم کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

○ جہاں ماں کا احترام ہوتا ہے وہاں خدا بھی خوش رہتا ہے۔

### پیار

○ پیار حسن پرست کو کبھی نہیں ملتا۔

## لاوارث لڑکی نمبر............فروری 2012ء

......اس دفعہ ماہ فروری 2012ء کا جواب عرض "لاوارث لڑکی" بدست اورنگزیب صاحب مانسہرہ سے وصول ہوا۔ اسلامی صفحہ نہ تھا ذاتی صفحہ تو کہیں نہیں ملے گا کیونکہ بانی جواب عرض ذاتی صفحہ لکھتے تھے دریا کو کوزے میں بند کر دیتے تھے۔ امید ہے شاید ان کی نسل سے کوئی ایسا شخص ابھرے جو اس کی کمی ہمیں محسوس نہ ہونے دے لیکن میں سمجھتا ہوں یہ خلا قیامت تک پر نہیں ہو سکتا۔ میرے خیال میں اگر کوشش رہی تو ان شاء اللہ جواب عرض مزید ترقی کرے گا کیونکہ کافی بہتری جواب عرض میں آ چکی ہے۔ اللہ کرے کہ میرے محسن کی یہ نشانی قیامت تک برقرار رہے۔ میں اپنے جواب عرض کے سٹاف سے یہی التجا کروں گا کہ شہزادہ بھیا کا جواب عرض سے عشق تھا اسے ہر حال میں ترقی کی راہوں میں گامزن کریں اور ان کی روح کو خوش حالی دیں۔ اپنی تحریریں پڑھ کر از حد خوشی ہوئی۔ میرا اور شہزادہ بھیا کا ایک معاہدہ تھا میں نے ان کو بولا ہوا تھا کہ جس جواب عرض میں میری کوئی تحریر نہ ہوگی وہ جواب عرض میرا آخری ہوگا۔ 1983ء سے لے کر اب تک جواب عرض پڑھ رہا ہوں کوئی جواب عرض میری تحریر کے بغیر نہیں آپ سے بھی یہی التجا ہے کہ مجھے نظر انداز نہ کرنا۔ شہزادہ التمش عالمگیر کی غزل آنسو بھی ختم ہو چکے ہیں غزل اچھی لگی بھائی ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ کہانیوں میں لاوارث لڑکی، اپنی خطا، دل ہے بے قرار، محبت نہ کرنا، انوکھا سفر اچھی تھیں۔ باقی بھی کالم اچھے چل رہے ہیں۔

...................................... محمد ہارون قمر بیج پور ہزارہ

......شہزادہ عالمگیر کی ڈیتھ کے بارے میں سن کر دلی افسوس ہوا۔ وہ ایک ہمدرد انسان تھے، وہ دکھی دلوں کا مسیحا تھے، وہ سب کا دکھ بانٹنے والے اور محبت سے بھرپور دل کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی روح کو پرسکون رکھے اور ان کی فیملی کو آباد اور شاد رکھے۔ جواب عرض سے میرا بہت پیارا ناتا رشتہ ہے، میں نے اس سے پہلے بھی خط لکھا تھا مگر وہ شائع نہیں ہوا۔ میرا یہ خط ضرور شائع کیجئے گا آپ کی مہربانی ہوگی۔ ذاتی صفحہ کے بغیر جواب عرض کا وہ مزہ نہیں رہا۔ اب آپ رائٹر کا ایڈریس نہیں لکھتے۔ گذارش ہے کہ رائٹر کا ایڈریس لکھا کریں۔ جواب عرض میں شائع ہونے والی تمام کہانیاں اور شاعری اچھی ہوتی ہے مگر کچھ سٹوریز ایسی ہوتی ہیں جن کو پڑھ کر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں سب لکھنے اور پڑھنے والوں کو سلام اور اچھا لکھنے پر مبارک۔

...................................... پروین انجم-لاہور

......انتہائی معذرت، عقیدت اور دلی دکھ کے ساتھ عرض خدمت ہے۔ آپ کے شفیق والد محترم، قارئین کے مسیحا، "جواب عرض" کے چیف ایڈیٹر اور ہمارے مہربان و محسن جناب محترم شہزادہ عالمگیر کی وفات کا سن کر صدمہ ہوا۔ جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے ہاتھ کانپ جاتا ہے۔ دل بے ترتیب سا دھڑک جاتا ہے۔ جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں۔ بہت عظیم انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں گ۔ عطا فرمائے۔ اور آپ سب کو صبر جمیل دے۔ یقیناً یہ ہم سب کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے اور کبھی نہ پر ہونے والا تھا، لیکن نظام قدرت کو بھی تو قبول کرنا پڑتا ہے۔ محترم شہزادہ عالمگیر صاحب سے میں 1999ء میں ان کے دفتر قدم بوسی کے لئے بہت دور کا سفر کر کے گیا تھا جس خلوص انداز سے انہوں نے مجھ ناچیز کی عزت و خدمت کی تھی۔ میرے لئے یہ ایک اعزاز کی بات ہے۔ "جواب



عرض" سے میرا برسوں پرانا قلمی و دلی رشتہ ہے۔ ہمیشہ میری کہانیوں کو نمایاں طور پر ترجیحی بنیادوں پر شائع کرتے رہتے۔ مجھے بہتر سے بہتر لکھنے کا ہنر اور زندگی کی سچی تلخ کہانیاں لکھنے کا شعور بھی انہی کی مرہون منت ہے۔ ابھی حال ہی میں ان سے ملنے کی امنگ جاگی مگر وقت نے ساتھ نہ دیا اور ان کا سایہ ہم سب کے سروں سے اٹھ گیا ان کی شیریں و سہانی یادیں اور کارنامے باقی رہ گئے ہیں جو ہمارا قیمتی اثاثہ ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت کرے اور آپ کو دیگر اہل خانہ سمیت تادم زیست آباد خوش اور کامیاب رکھے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

...................................... ملک عاشق حسین ساجد-بیڈ بکائنی

......میں بہت مشکور ہوں "جواب عرض" کی کہ اس نے مجھے عزت بخشی اور میری ہر کہانی کو اپنی زینت بنایا۔ اب نئی کہانی کے ساتھ حاضر ہوں۔ ایک دن "جواب عرض" میں اپنے نام ایک اشتہار دیکھا جو کہ "جواب عرض" کے ایک قاری نے لکھا کہ گلشن ناز پلیز آپ مجھ سے رابطہ کریں میں اپنی کہانی لکھوانا چاہتا ہوں۔ جی ہاں پرنس عبدالرحمٰن گجر کو تو آپ سب جانتے ہیں وہ دس سالوں سے ایک سوال کا جواب ڈھونڈ رہا ہے اور اسی کشمکش میں وہ اپنا جیون بتا رہا ہے کہ شاید اس کو جینے کی کوئی راہ مل جائے۔ میں اس کی کہانی آپ سب تک پہنچانا چاہتی ہوں شاید اس کو اس کے سوالوں کا جواب مل سکے۔ ان کی خواہش ہے کہ ان کے دل کی آواز آپ تک پہنچاؤں شاید ان کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ سنا تھا کہ پیار تو پیار کی زبان سمجھتا ہے صرف پیار ہی پیار کو پہچانتا ہے۔ یہ امیری غریبی کو نہیں دیکھتا چھوٹے بڑے میں فرق نہیں جانتا پر یہاں تو پیار کو دولت کے ترازو میں تولا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ہمارے بڑے بزرگ دولت کی آڑ میں اپنے بچوں کی خوشیوں سے کھیل جاتے ہیں یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کی اصل خوشی دولت میں نہیں اس کے پیار میں ہے۔ میں نے پوری کوشش کی کہ اس کہانی کو بہتر انداز میں تحریر کرنے کی، اس کو پڑھنے کے بعد ہی آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میں کس حد تک کامیاب ہوئی ہوں۔

...................................... گلشن ناز-ٹھٹھہ قریشی

......مجھے پچھلے دنوں آئینہ روبرو میں ایک لڑکی مس کشور کرن چنو کی بات پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ جواب عرض میں فون نمبر شائع نہ کریں کیونکہ نمبروں کی وجہ سے معاشرہ خراب ہو رہا ہے۔ میں کشور کرن صاحبہ آپ سے اتنا کہنا چاہوں گا کہ معاشرہ جواب عرض کی وجہ سے خراب نہیں ہو رہا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں ممبروں کی وجہ سے جواب عرض کی مارکیٹنگ ہو رہی ہے۔ لوگ اپنے اپنے نمبر شائع کروانے کے لئے جواب عرض کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور نمبروں کی وجہ سے لوگ جیسے ہی کسی کی کہانی پڑھتے ہیں، کوئی غزل پڑھتے ہیں یا کوئی اور کالم دوسرے منٹ وہ کال کر کے رائٹر اور شاعر لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اب خطوں کا زمانہ نہیں ہے اور نہ کسی کے پاس اتنا ٹائم ہے۔ اس لئے پلیز اس غلط گمان اور اپنی غلط فہمی کو اپنے آپ سے دور کریں کہ جواب عرض سے نمبروں کی وجہ سے معاشرہ خراب ہو رہا ہے۔ معاشرے کو خراب کرنے والے ہم خود ہیں کبھی سوچنا ضرور۔ باقی میری باتوں سے اگر آپ کا یا کسی اور کا دل دکھا ہو تو معذرت۔ آخر پر جناب ریاض احمد لاہور، محمد اشرف زخمی دل ننکانہ صاحب، پھول جی لالہ موسیٰ کو بہت بہت عقیدت بھرا اسلام۔ پھول جی، انیلہ فاطمہ، دعا نقوی کو بہت بہت محبتوں اور چاہتوں بھرا اسلام۔

...................................... انتظار حسین ساقی-تاندلیانوالہ

......اس ماہ شہزادہ عالمگیر بھائی کی وفات کی خبر پڑھ کر بے حد افسوس ہوا سچ میں ایک نہایت عظیم شخصیت باشعور انسان سے آپ تمام ٹیم ادارہ اور ہم جیسے رائٹرز سب محروم ہو گئے۔ ان کا حقیقی برادرانہ تعلق اور شفقت کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ان کے بارے میں جتنا بھی لکھا جائے کم ہے شاید۔ وہ تو ایک مخلص انسان اک ستارے کی طرح تھا جو ہمیشہ دلوں میں

قائم رہے گا۔ خداوند کریم انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ میرا اخواہ چند سالوں سے اس ادارے سے تعلق وابستہ ہے مگر ان چند سالوں میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا، ایک رشتہ بن گیا تھا کہ اپنے دکھ درد میں بھائی کو ضرور شامل کرتی۔ ہمیشہ ان کے لئے دعا گو رہوں گی۔ آپ سے گذارش ہے کہ جب بھی ختم دلوائیں تو درود پاک کا وظیفہ ضرور کروائیں کیونکہ دنیا میں ہمیشہ انہوں نے لوگوں کے لئے نور بکھیرا تھا تو خداوند کریم آخرت بھی نور سے بھر دے۔ میری طرف سے دس قرآن پاک، سوا لاکھ درود پاک، سوا لاکھ بسم اللہ شریف ضرور شامل کیجئے گا۔ ایک بہن کی حیثیت سے اب تو صرف ان کے لئے یہی بے پناہ دولت اکٹھی کی جا سکتی ہے بے شک انسان خالی ہاتھ جاتا ہے۔ میں ان کے لواحقین کے لئے بھی دعا کرتی ہوں کہ ان کو اللہ پاک یہ عظیم صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان کی کمی تو ہمیشہ محسوس ہوگی مگر خدا پاک بھی شاید اچھے لوگوں کو جلد بلا لیتا ہے۔ وہ ایک عظیم انسان تھے سب کے دکھ درد بانٹنے والے۔ التمش بھائی! آخر میں آپ کی شکرگزار ہوں کہ آپ نے اس ماہ دوستی نمبر میں شامل اشاعت کیا۔ قارئین کی بھی شکر گزار ہوں جو میری تحریر سے خوش ہیں۔ کافی خطوط میں پڑھنے کو ملتا ہے۔ آئندہ بھی کوشش کروں گی کہ ادارے کی ایسے ہی خدمت کرتی رہوں۔ بہر حال کچھ لوگوں کو مجھ سے شکایت بھی ہے کہ میں کہانی طویل نہیں لکھتی اور قسط وار نہیں لکھتی اس کے لئے معذرت کرتی ہوں۔ آئندہ پوری کوشش کروں گی۔

.................. شازیہ چوہدری۔ شیخوپورہ

...... ماہ دسمبر کا جواب عرض دوستی نمبر گھوٹکی سے خریدا شہزادہ انکل کے بارے میں پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ اس کے بعد شاعری پڑھی وہ تو زبردست تھی۔ پھر کہانیاں پڑھنی شروع کیں دوستی کہانی بہت پسند آئی اور میرا عشق کہانی نے بہت زیادہ متاثر کیا۔ التمش بھائی میں ایک کہانی بھیج رہا ہوں اسے جواب عرض میں ضرور شامل کرنا میری حوصلہ افزائی ہو جائے گی۔ میں نے پہلے بھی ایک کہانی ارسال کی تھی پتہ نہیں وہ آپ لوگوں تک پہنچی کہ نہیں۔ اب کچھ غزلیں بھیج رہا ہوں انہیں بھی ضرور شامل کرنا۔

.................. بہادر عار بانی بلوچ۔ گھوٹکی

...... ماہ دسمبر 2011ء کا جواب عرض دوستی نمبر اس وقت میرے ہاتھوں میں ہے۔ بھائی اجمل کا بیٹا ہسپتال میں داخل تھا اسے دیکھنے کے لئے ہمراہ ایم محمد ریاض صاحب راولپنڈی گیا تو اشرف بک ایجنسی پر دوستی نمبر آیا ہوا تھا خرید لیا۔ سب قارئین سے التماس ہے کہ اجمل کے بیٹے کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے صحت دے۔ ذہنی پریشانی کی وجہ سے راستے میں جواب عرض نہیں پڑھ سکا نہ ہی ورق گردانی کر سکا گھر پہنچ کر سب سے پہلے اپنی تحریروں کی تلاش کی جواب عرض میں صرف چار تحریریں تھیں چلو پھر بھی اچھا ہے یاد تو کر لیا۔ سب سے پہلے کہانیاں پڑھیں میں جیت کر ہار گئی ارم نبیل جہلم، تھوڑی سی خوشی تھوڑا سا غم گلشن ناز بخشہ، ہاتھ کی لکیریں کشور کرن پتوکی کہانیاں اچھی لگیں۔ ابھرتی ہوئی شاعرہ کشور کرن کی شاعری اور ابھرتے ہوئے شاعر محمد عمر لاشاری کی شاعری اچھی لگی۔ غزلوں میں بشیر سانول لساں نواب، رہنواز بھائی سرگودھا، زبیر گل ٹوپی سرفہرست رہے۔ میری زندگی کی ڈائری، گلدستہ، ماں سے پیار کا اظہار، مجھے شکوہ ہے، آئینہ روبرو ان کے علاوہ جو کالمز بھی ہیں سب اچھے ہیں۔ اچھا لکھنے والے سب قارئین کو مبارکباد۔ شہزادہ عالمگیر کی وفات پر از حد افسوس ہوا میں سوگوار خاندان کے سوگ میں برابر کا شریک ہوں اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ شہزادہ صاحب ہمارے دکھوں میں برابر کے شریک تھے ہمارا تو سورج ہی غروب ہو گیا ہے اب ہم کیا کریں گے۔ ایسا کوئی ہے جو ان کی کمی ہمیں محسوس نہ ہونے دے۔ یہ دکھ بہت گہرا ہے اس کا بھرنا بہت ہی مشکل ہے۔ میں قارئین بہن اور بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ان کی مغفرت کے لئے دعا کریں اور دعا کریں کہ ان کے خاندان سے کوئی ایسا مائی کا



www.Paksociety.com

لال پیدا ہو جو ہمیں ان کی کمی محسوس نہ ہونے دے۔

.................. محمد ہارون قمر سیج پور ہزارہ۔ مانسہرہ

...... ماہ دسمبر کا جواب عرض اسلام آباد مارکیٹ سے خریدا۔ ذاتی صفحہ دیکھنے کے لئے ورق پلٹا تو ایک سنسنی خیز المناک دکھ بھرا اشتہار دیکھ کر دل دھک کا رہ گیا۔ اپنے آپ پر یقین نہیں ہو رہا تھا کہ دکھی دلوں کا شہزادہ جواب عرض کا چاند بھائی عالمگیر اس بے وفا دنیا کو چھوڑ کر رخصت ہوئے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ عالمگیر صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور تمام لوگوں کو عالمگیر بھائی کے چاہنے والوں کو خصوصاً آپ کے اہل خانہ کو صبر عطا فرمائے۔ بھائی یہ دکھ بھری بات کبھی بھول نہیں سکتا مگر جو منظور خدا ہوتا ہے انسان بے بس ہے ہمارے دلوں میں عالمگیر بھائی ہر وقت زندہ رہیں گے۔ ”جو ہر وقت دل میں رہتا ہے دھڑکن کی طرح ...... وہ کبھی جسم سے جدا ہو نہیں سکتا“۔ ہمارے لبوں پر بھائی کے لئے ہمیشہ دعائیں رہیں گی کہ اللہ بھائی کو جنت نصیب کرے۔ جواب عرض کا پرانا قاری ہوں تین سال سے اور بار بار آپ کی محفل میں دستک دیتا آیا ہوں۔ اگر کوئی بات بری محسوس کرے تو معاف کرنا۔ کچھ کوپن اور کہانی بھیج رہا ہوں امید ہے شائع کریں گے۔ تمام جواب عرض کے دوستوں کو سلام۔

.................. محمد اسماعیل آزاد۔ گھرکوہ

...... شہزادہ التمش عالمگیر صاحب جواب عرض کا انتظار سا تھا کہ کب آئے گا، چوبیس تاریخ کو صدیق بک ڈپو سے خریدا جب گھر آ کر پڑھا تو شہزادہ عالمگیر کی وفات کا پڑھ کر بڑا دکھ ہوا میری دعا ہے اللہ تعالیٰ شہزادہ عالمگیر صاحب مرحوم کو جنت میں جگہ دے۔ اس ماہ کا جواب عرض اچھا تھا۔ شاعری میں انتظار حسین ساقی، چوہدری الطاف حسین دکھی کی شاعری پسند آئی اور غزلیں نظمیں میں اے ڈی ناز ساہیوال، عابد قریشی ساہیوال، مدثر ندیم مدثر کبیر والہ اور کریم بگٹی کی غزلیں پسند آئیں باقی بھی اچھی تھیں لیکن پسند اپنی اپنی کہانیوں سب کی سب اچھی تمام رائٹرز کو میری طرف سے مبارک باد قبول ہو۔ تمام دوستوں کو محبت بھرا اسلام قبول ہو۔ جواب عرض دن دگنی اور رات چوگنی ترقی فرمائے اور اللہ تعالیٰ بھائی شہزادہ عالمگیر کو جنت میں جگہ دے۔

.................. ندیم عباس ڈھکو۔ ساہیوال

...... اس وقت دسمبر 2011ء کا شمارہ جواب عرض اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ملا۔ اس مرتبہ سٹوریاں زبردست تھیں۔ ہر ماہ جواب عرض میں الگ الگ سٹائل کی سٹوریاں پڑھنے کو ملتی ہیں جو ہمیں سلجھانے کے ساتھ ساتھ ہماری بوریت بھی ختم کرتی ہیں۔ بہت سی مائیں جواب عرض کی بدولت اپنے بیٹوں کو ملتی ہیں اور بہت سی باتیں جو ہمارے دل میں مٹھی کی طرح بند ہوتی ہیں وہ ایک تحریر کی شکل میں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ جواب عرض میں شہزادہ عالمگیر صاحب کا ذاتی صفحہ ضرور پڑھتا ہوں کیونکہ ذاتی صفحہ میں جواب عرض کے بارے میں بہت سی معلومات، نصیحتیں اور ماں کے بارے میں تعریف دو الفاظ بیان کئے جاتے ہیں۔ جواب عرض میں ہر طرح کے کالم شائع کئے جاتے ہیں جو جواب عرض کو بہت ہی زیادہ خوبصورت اور رنگین بنائے ہوئے ہیں۔ آخر میں بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں جواب عرض جیسا محبوب رسالہ اور کوئی مل ہی نہیں سکتا۔

.................. شاہد سلیم۔ کچہ موڑ

...... دسمبر 2011ء کا خوبصورت شمارہ دوستی نمبر بر وقت مل گیا۔ شمارہ وقت پر ملنے کی بڑی خوشی ہوئی اور دل بڑا مغموم بھی ہوا کہ ایک روشن ستارہ جو ہم سے بچھڑ گیا وہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ واقعی وہ کبھی ہمارے دل کی دھڑکن بن کر کبھی آنکھوں کا آنسو بن کر اور کبھی لبوں کی دعا بن کر ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گا۔ اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ

عطا فرمائے۔ شہزادہ عالمگیر کی وفات کا سن کر ہمارے بڑے ہی پیارے دوست محترم جناب خالد فاروق آسی نے فیصل آباد میں ایک خصوصی محفل کا انعقاد کیا جس کا عنوان تھا ''ایک شام گریٹ عالمگیر کے نام'' جس میں انہوں نے تمام پورے ملک سے رائٹرز حضرات کو مدعو کیا تھا اس خوبصورت بزم کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے کیا گیا جس کی سعادت جناب خالد فاروق آسی کے حصے میں آئی اس کے بعد نعت رسول مقبولؐ کے لئے جواب عرض کے بڑے ہی پیارے رائٹر جناب مجاہد رشید چاند کو سٹیج پر بلایا گیا جنہوں نے خوبصورت اور دل سوز نعت سے سامعین و حاضرین کے دل موہ لئے اس کے بعد محترم اور جواب عرض کے بڑے پرانے اور خوبصورت رائٹر جناب حکیم ایم جاوید نسیم چوہدری سٹیج پر آئے اور محترم عالمگیر کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی۔ اس کے بعد بڑے ہی پیارے رائٹر اللہ دتہ بے درد کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی جنہوں نے اپنے مخصوص انداز سے تقریر کر کے سامعین سے داد وصول کی ان کے بعد سٹیج پر مجید احمد جائی آف ملتان آئے اور اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ وہ ایک بے سہارا لوگوں کے لئے ٹرسٹ قائم کرنا چاہتے ہیں اللہ ان کے نیک ارادے پورے فرمائے۔ اس کے بعد سٹیج پر محفل کی جان محترم خالد فاروق آسی آئے اور بڑے ہی پیارے طریقے سے ہمارے اور جواب عرض کے درمیان ناطے پر روشنی ڈالی کہ آج وہ ہم اتنے سارے لوگ اکٹھے بیٹھے ہیں یہ سب جواب عرض کی وجہ سے ہے جس نے اتنی دور دور سے ہمیں آپس میں دوست بنا دیا اس کے بعد بندہ ناچیز نے اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں خالد فاروق آسی کے اس اقدام کی تعریف کی اور تمام رائٹرز کی مشاورت سے ایک رائٹرز کلب کے قیام کی تجویز دی (عالمگیر رائٹرز کلب) جو منظور کر لی گئی اس کے بعد بڑے ہی سینئر رائٹرز اور شہزادہ عالمگیر کے دیرینہ ساتھی محترم ریاض حسین شاہد نے سٹیج سنبھالا اور بے حد خوبصورت انداز گفتگو سے سامعین کو جواب عرض اور شہزادہ عالمگیر کے ساتھ اپنی دیرینہ رفاقت کے بارے میں بتایا ان کی نظم ڈاک بابو کو بہت پسند کیا گیا۔ اس کے بعد نقیب محفل جناب انتظار ساقی نے اپنا خوبصورت کلام سنانے کے علاوہ گریٹ عالمگیر کی زندگی پر اپنے خیالات کا اظہار کر کے محفل لوٹ لی بہت ہی خوبصورت انداز بیان ہے اس کے بعد گریٹ عالمگیر کے لئے دو منٹ کی خاموشی اختیار کی گئی اور اس کے بعد گریٹ عالمگیر کے لئے فاتحہ خوانی کی گئی اس کے بعد دور سے آنے والے مہمانوں کی بہترین کھانے سے خاطر تواضع کی گئی اور یوں ایک خوبصورت شام جو ایک بڑے ہی گریٹ اور خوبصورت شخص کے نام تھی اس کا اختتام ہوا۔ اس کے بعد فوٹو سیشن کا دور چلا جو تقریباً ساری رات رہا۔ میں ایک بار پھر خالد فاروق آسی کی اس کوشش کو داد دیتا ہوں جنہوں نے اتنی خوبصورت محفل کا انعقاد کیا تھا اور بڑا افسوس ہے ان رائٹرز حضرات پر جو وعدہ کر کے تشریف نہیں لائے۔ ہماری اگلی محفل کا انعقاد لاہور میں ہوگا جس میں شہزادہ التمش عالمگیر کو بلانے کی کوشش کی جائے گی۔ Thanks for all۔ اب آتے ہیں شمارے کی جانب تمام رائٹرز نے خوب کمال لکھا ہے۔ غزلیں بھی اچھی تھیں اب میں ان حضرات کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے میری سٹوری مجبوریوں کے زخم پسند کی ان میں محترم نذیر احمد جوئیہ، بابر علی ناز، نوید اختر سحر، محمد قاسم، راجہ کامران کمانڈو، جبرائیل آفریدی، خالد فاروق آسی، احمد شبیر، اشفاق بٹ، رانا وارث اشرف عطاری، محمد خورشید اجنبی میں آپ سب بھائیوں کا بے حد مشکور ہوں کہ آپ میری کہانیوں کو پڑھتے اور پسند کرتے ہو اور سب سے بڑھ کر اور سپیشل شکریہ ادا کرنا چاہوں گا ان حضرات کا جنہوں نے میری کہانی کو بہت ہی پسند کیا۔ ہماری اگلی میٹنگ کا ایجنڈا ہوگا کہ ایک سپیشل عالمگیر نمبر شائع ہو پورے شمارے میں صرف گریٹ عالمگیر کی زندگی پر روشنی ڈالی جائے سب سے اچھی سٹوری لکھنے والے رائٹر کو خصوصی گریٹ عالمگیر شیلڈ دی جائے گی۔ مزید معلومات کے لئے قارئین یا رائٹرز حضرات رابطہ کر سکتے ہیں۔

............................................ صدا حسین صدا/ خالد فاروق آسی



......... ماہنامہ جواب عرض ماہ دسمبر دوستی نمبر پڑھا کافی دکھ ہوا کہ ہم سبھی قارئین بہن بھائیوں کے دکھ بانٹنے والے محترم شہزادہ عالمگیر اس فانی دنیا سے رحلت فرما گئے۔ ہم سب قارئین کی دعا ہے کہ خدا ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ماہ دسمبر کا جواب عرض کافی دلچسپ تھا مگر افسوس جو اپنا ذاتی صفحہ دے کر جواب عرض کی رونق کو دوبالا کرتے تھے وہ آج ہم قارئین کے درمیان نہیں رہے مگر ہر ممکن وہ ہمارے دل میں ہیں اور رہیں گے اس کے بعد جواب عرض کے قارئین خلوص بھرا اسلام۔

............................................ کریم بگٹی - سوئی گیس فیلڈ

......... ماہ دسمبر کا شمارہ اس دفعہ ٹائم پہ مل گیا۔ ٹائٹل بہت اچھا تھا رانی مکھر جی کی تصویر تو بہت اچھی لگ رہی تھی۔ پھر میں نے سب سے پہلے اپنی تحریر ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن ہمیشہ کی طرح ناکام رہا۔ یہ صرف میرے ساتھ کیوں ہو رہا ہے۔ مجھے صرف اتنا بتائیں کہ مجھے جواب عرض میں تحریریں چھپوانے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ نئے رائٹروں کو کیوں نہیں جگہ ملتی جواب عرض میں ہم بھی چاہتے ہیں کہ ہم بہت اچھے رائٹر بنیں لیکن ہمیں تو چانس ہی نہیں مل رہا کیوں ہمیں مایوس کیا جا رہا ہے۔ ابھرتے ہوئے شاعر میں کشور کرن کی شاعری بہت پسند آئی۔ تمام غزلیں بہت اچھی تھیں، کہانی میں نے ابھی تک ایک بھی نہیں پڑھی امید کرتا ہوں تمام کہانیاں بہت اچھی ہوں گی۔

............................................ مجاہد ناز عباسی- سنجر پور

......... آج میرے ہاتھ میں ماہ دسمبر کا شمارہ دوستی نمبر موجود ہے لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ رسالہ دوسرے رسالوں کی طرح لگ رہا ہے۔ میں تمام قارئین اور خصوصاً جواب عرض کے تمام معاون حضرات کے سامنے جناب شہزادہ عالمگیر صاحب کے لئے بہت زیادہ اظہار تعزیت کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ میرے ساتھ میرے دوسرے دوست ملک عاطف اعوان، ملک زاہد اعوان، ملک محبوب اعوان، ملک ساجد اعوان، ملک طیب اعوان، ملک مطلوب اعوان، ملک ایوب اعوان، ملک بمیر اعوان، ملک لیرب اعوان شامل ہیں جو کہ جناب شہزادہ عالمگیر صاحب کے لئے دعا گو ہیں۔ جواب عرض کا سلسلہ ان شاء اللہ جاری رہے گا۔ اس ایک شعر پر اختتام

—— ''کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے محفل کا رنگ وہی ہے...... ساقی کی نوازش جاری ہے مہمان بدلتے رہتے ہیں'' ——

آخر میں جناب شہزادہ التمش صاحب آپ کے لئے کہ آپ پر ایک بہت بڑی ذمہ داری آ گئی ہے امید ہے کہ آپ شہزادہ عالمگیر کی طرح احسن طریقے سے سرانجام دیں گے۔

............................................ ایم یعقوب-وگھوال بالا

......... ماہ دسمبر کا شمارہ دوستی نمبر اس دفعہ بہت جلد مل گیا۔ جب پڑھنے کے لئے کھولا تو ایک بہت ہی افسوس ناک خبر پڑھنے کو ملی جسے پڑھ کر بے حد دکھ ہوا۔ بے شک شہزادہ عالمگیر بھائی بہت ہی عظیم انسان تھے۔ وہ سب کے دکھ درد بانٹنے والے تھے۔ ہر ایک کے دکھ کو اپنا ہی دکھ سمجھتے تھے۔ ان کے بارے میں جتنا بھی لکھا جائے بہت کم ہے۔ وہ آج ہم میں موجود نہیں ہیں مگر وہ ہر کسی کے دل میں رہیں گے دھڑکن کی طرح، وہ سدا ہمارے ساتھ رہیں گے کبھی آنکھوں کا آنسو بن کر تو کبھی لبوں پر دعا بن کر۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ غزلوں کی طرف آیا تو ان میں کشور کرن، اے ناز بلوچ، انتظار حسین ساقی، محمد عمر لاشری، سرفراز انجم، چوہدری الطاف حسین دکھی، مسعود الرحمان تنہا، ایم عارف ان سب کی شاعری بہت اچھی تھی۔ اس دفعہ میرے دوست جناب ایم اشفاق بٹ صاحب اور جناب ایم شفیع تنہا امرہ خورد کی کہانیاں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی یہ دونوں کہانیاں پہلے پڑھی بہت اچھی تھی۔ لوٹ آؤ پردیسی محبت یا دھوکہ، میری طرف سے آپ دونوں کو اتنی اچھی کہانیاں لکھنے پر دلی مبارک

باد قبول ہو۔ اس کے بعد میں جیت کر ہار گئی ارم سنبل جہلم، تجھ سے ناراض نہیں فائزہ گجرات، دوستی، انتظار حسین ساقی، میرا عشق ریاض حسین شاہد قبولہ شریف، دولت کی ہوس آمنہ راولپنڈی، تھوڑی سی خوشی تھوڑا سا غم گلشن ناز ثمینہ قریشی، ہائے رے تیری جدائی، حاجرہ غفور لیہ، ہاتھ کی لکیریں کشور کرن چوکی، دوستی لے ڈوبی مجید احمد جائی ملتان، چند لمحے محبت کے ڈاکٹر شازیہ منہاس ملتان، کیسے بھول پاؤں گا شازیہ چوہدری شیخوپورہ، ارت تائی کی ادھوری کہانی مشال سنگنی گوجر خان، بے وفائی کا انجام جبرائیل آفریدی ناصر آباد، داستان مجنوں شاہد عثمان خوشاب، اس دفعہ یہ سبھی کہانیاں بے حد پسند آئیں میری طرف سے سب رائٹروں قاریوں اور جواب عرض کے سارے سٹاف کو خلوص بھرا اسلام قبول ہو۔

✍ ............................................................ نثار احمد حسرت۔ نور جمال شمالی

✉...... ماہ دسمبر کا رسالہ تھا تو بہت حسین پر رونق نظر نہیں آئی۔ کیسے آتی رونق نظر آخر شہزادہ عالمگیر جو نہیں رہے لیکن ہمارے دل میں وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کہانیوں میں ریاض حسین قبولہ شریف کی میرا عشق، آمنہ راولپنڈی کی دولت کی ہوس، شاہد عثمان خوشاب کی داستان مجنوں اور خاص کر مجید احمد جائی ملتان دوستی لے ڈوبی بہت پسند آئیں۔ مجید بھائی قسم سے بہت اچھے رائٹر ہیں۔ شاعری میں اے ناز بلوچ، محمد عمر لاشاری، مسعود الرحمان کی شاعری بہت پسند آئی۔ باقی بھی بہت ہی اچھی تھیں اس کے تمام کالم تمام شعر غزلیں بہت ہی اچھی تھیں۔ آپ سے یہ بہت امید کی جاتی ہے کہ آپ اس میں شہزادہ صاحب کی کمی کو محسوس نہیں ہونے دیں گے اور اسی طرح جواب عرض کے لئے ترقی کی منزل طے کرتے جائیں گے۔ باقی یہ رسالہ بہت ہی اچھا ہے۔

✍ ............................................................ زبیر الیس تنہا۔ میلسی

✉...... ماہ دسمبر 2011ء دوستی نمبر اس وقت میرے ہاتھوں میں ہے۔ بانی شہزادہ عالمگیر صاحب کی وفات کا بہت افسوس ہوا ہے جتنا کہہ لیں کم ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ مجھے امید ہے کہ شہزادہ صاحب کے مشن کو جواب عرض کی ٹیم ضرور جاری رکھے گی۔ جواب عرض کی مینیجنگ ڈائریکٹر شہلا عالمگیر، چیف ایگزیکٹو شہزادہ التمش، جنرل مینیجر شہزادہ فیصل، سرکولیشن انچارج جمال الدین، گرافک ڈیزائنگ کرن، ایڈورٹائزنگ انچارج سونیا، ماہا، مارکیٹنگ انچارج زارا حنا، فاطمہ، رابعہ، سارا ان سب کو میری طرف سے شہزادہ صاحب کا اظہار تعزیت ہو اور کچھ میرے دوست ہیں ان کو میرا اسلام۔ انتظار حسین ساقی کی دوستی کہانی بہت اچھی اور جواب عرض کی پوری ٹیم کو میرا اسلام۔

✍ ............................................................ عبدالمجید احمد۔ فیصل آباد

✉...... ماہ دسمبر 2011ء وہ شمارہ آج اٹھائیس نومبر کو کوئٹہ چمن شہر سے ملا۔ آج میں اسلامی صفحہ سب سے پہلے دیکھ رہا تھا دل پر اتنی بڑی چوٹ لگی کیونکہ اسلامی صفحہ کی جگہ پر بھائی شہزادہ عالمگیر صاحب کے انتقال کی خبر لگی ہوئی تھی۔ بھائی شہزادہ عالمگیر صاحب کی جتنی تعریف کریں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ بھائی صاحب کو اس دنیا میں خوشی عطا فرمائے اور قبر کے عذاب سے بچائے۔ دوستو! ماہ نومبر میں شک جدائی دیتا ہے آمنہ راولپنڈی، درد غم انتظار حسین، وفا کی سزا ابن ریاض لاہور کی کہانی بہت زبردست تھی۔ اچھی کہانی لکھنے پر ان تینوں کو مبارک باد کہتا ہوں۔

✍ ............................................................ شاہد اقبال خٹک۔ کرک

✉...... اس ماہ کا تازہ شمارہ ماہ دسمبر دوستی نمبر ہاتھ میں آیا آج ہی ورق گردانی کی پہلے صفحہ پڑھتے ہی رونگٹے کھڑے ہو گئے دل کی دھڑکن جیسے رک گئی ہو بھائی شہزادہ عالمگیر کا پڑھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے ہیں تو دل یہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھا بار بار خبر پڑھی پھر ایک دوست کو کال کی تو اس نے کہا کہ ہاں یہ سچ ہے تو آنکھوں سے آنسوں جاری ہو گئے اللہ



پاک سے دعا ہے کہ وہ بھائی جان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے اہل خانہ کو صبر کی توفیق دے۔ پہلے تو میں ہر بار شہزادہ عالمگیر بھائی کے نام لکھتا تھا تو اب بھی میں بھائی کے نام ہی لکھوں گا۔

✍ ............................................................ غلام شبیر سحر۔ بھلوال

✉...... ماہ دسمبر 2011ء کا شمارہ دوستی نمبر ستائیس تاریخ کو مجھے ملا یہ پڑھتے ہی میرے ہوش اڑ گئے میرے پیروں کے تلے زمین نکل گئی کہ شہزادہ بھیا اس دنیا فانی سے کوچ کر گیا ایک عظیم انسان ہم سے بچھڑ گیا پتہ نہیں کیوں خدا ہم سے اچھے لوگوں کو چھین لیتا ہے۔ آج نہ قلم ساتھ دے رہا ہے اور نہ ہی یہ جسم کیونکہ یہ ہمارے لئے بہت بڑا حادثہ ہے آج وہ ہر آنکھ نم ہے جو ہر ماہ شہزادہ بھیا کی ذاتی صفحہ پڑھتا تھا۔ آج نہ وہ ذاتی صفحہ ہے اور نہ ہی اب جواب عرض کو پڑھنے کی ہمت ہے جب بھی جواب عرض پہ نظر پڑتی ہے تو یہ دل خون کے آنسو روتا ہے جب بھی مجھے کوئی خوشی ملی تو صرف جواب عرض سے ملی۔ شہزادہ بھیا آج بھی ہمارے دل میں ہیں وہ ہمیشہ ہمارے دلوں میں راج کریں گے کبھی بھول کر بھی شہزادہ بھیا کو بھول نہ پائیں گے اور ہم سب قارئین کی دعائیں شہزادہ بھیا کے ساتھ ہیں خدا ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے اور اس کی فیملی کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ میری تمام قارئین سے گذارش ہے کہ وہ ہر نماز کے بعد شہزادہ بھیا کے لئے دعا کریں اور شہزادہ التمش عالمگیر سے میں یہ کہوں گا کہ ہم سب قارئین آپ کے ساتھ ہیں۔ میں 1992ء سے جواب عرض پڑھ رہا ہوں اس وقت سے لے کر میں نے کبھی جواب عرض کو مس نہیں کیا اگر خدا نے چاہا زندگی نے وفا کی تو ان شاء اللہ میں ہمیشہ آپ کا ساتھ دوں گا۔ میرا اور جواب عرض کا رشتہ اس وقت ٹوٹے گا جب اس جسم سے روح نکل جائے گی کیونکہ جواب عرض سے میرا پرانا رشتہ ہے ہم اپنے جیتے جی اس رشتے کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیں گے۔

✍ ............................................................ بے وفا ایم زیڈ اے گبول۔ جلاب گوٹھ

✉...... ماہ دسمبر کا ماہنامہ جواب عرض اس وقت میرے ہاتھ میں ہے جس میں ایک خبر نے دل ہلا کر رکھ دیا کہ جناب شہزادہ عالمگیر صاحب اس دنیا فانی سے رحلت فرما گئے ہیں جس کی وجہ سے دل رونے پر مجبور ہو گیا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں اور ان کے گھر والوں کو صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے گناہ معاف فرما کر اپنی رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف جس میں تھوڑی خوشی تھوڑا غم گلشن ناز، لوٹ آؤ پردیسی اشفاق بٹ، ہاتھ کی لکیریں میری پسند کی رائٹر جناب کشور کرن چوکی، دوستی انتظار ساقی صاحب، ہائے رے تیری جدائی حاجرہ غفور اور شاعری میں اس بار صرف کشور کرن کی شاعری پسند آئی اور ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ پلیز میں آپ کا بہت پرانا فین ہوں۔ جناب شہباز گل اور ساقی رانا ارشد اور سعدیہ شہزادی کا شکریہ جن لوگوں نے مجھ کو لکھنے کا حوصلہ دیا۔

✍ ............................................................ مسٹر ایم ارشد وفا۔ گوجرانوالہ

✉...... ماہ دسمبر 2011ء کا دوستی نمبر ملا اس شمارہ میں محترم شہزادہ عالمگیر کی وفات کا پڑھ کر دلی رنج ہوا خدا ہمارے عظیم ایڈیٹر کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اس کے بعد اپنی کہانی دیکھی خوشی تو ضرور ہوئی مگر غم بہت زیادہ ہوا کیونکہ میں نے جو لیٹر لکھا تھا وہ شائع نہیں ہوا۔ پلیز التمش بھیا کہانی کے لیٹر ضرور لگایا کریں اور اس بار کافی کالم بھی جواب عرض سے غائب تھے اس کے علاوہ آپ جواب عرض کے کسی نہ کسی کالم میں موبائل نمبر شائع کرنے کا سلسلہ دوبارہ شروع کریں کیونکہ اس سے قارئین ایک دوسرے سے رابطے میں رہتے ہیں۔ ویسے بھی خط لکھنے کا زمانہ گزر گیا ہے۔ لوگوں کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا پلیز میری یہ تجویز قبول کر لیں۔

✍ ............................................................ ایم شفیع تنہا۔ امرہ خورد

آج ہی جواب عرض ملا جس میں جناب محترم شہزادہ عالمگیر صاحب کی وفات کا سن کر دل کو بہت سخت رنج اور گہرا صدمہ ہوا ہے، ہم آپ کے اس صدمہ میں برابر کے شریک ہیں۔ ہماری رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے اللہ تعالیٰ جناب شہزادہ صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے اور آپ جملہ سوگواران خاندان بالخصوص آپ کو صبرو تحمل اور ان کا موت کا دکھ برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ ہم آپ کے اس بہت بڑے اور دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔ ہماری دوبارہ اللہ پاک کے حضور دعا ہے اللہ پاک انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ شہزادہ صاحب بہت دکھی درددل والے مخلص انسان تھے۔ شہزادہ التمش صاحب اب ان کے لئے ہم دعا ہی کر سکتے ہیں اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہماری پھر بھی ان کے لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں ابدی سکون نصیب فرمائے۔

........................ محمد صفدر دکھی

میں نے جواب عرض ناول چوبیس نومبر 2011ء کو خریدا اور مطالعہ کرنے کے بعد یہ جان کر بہت افسوس ہوا کہ شہزادہ عالمگیر اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور ان کے گھر والوں کو صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ماہ دسمبر کا جواب عرض بہت اچھا ہے۔ کہانیوں میں میرے بہت اچھے دوست مجید احمد جائی دوستی لے ڈوبی، چند لمحے محبت کے ڈاکٹر شازیہ منہاس، کیسے بھول پاؤں گا شازیہ چوہدری، دولت کی ہوس آمنہ راولپنڈی اور دوستی انتظار حسین ساقی کو اچھا لکھنے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ غزلوں میں شہزاد سلطان کیف، ایم وائی سچا، افضل جواد اور باقی سب دوستوں نے اچھا لکھا ہے۔ شازیہ وقاص جی آپ اس بار جواب عرض میں نظر نہیں آ رہی کچھ تو لکھا کرو۔

........................ بوٹا دکھی-ہیڈ راجگاں

ماہ دسمبر 2011ء کا جواب عرض 26 نومبر کو خریدا، خریدنے کے بعد جب ورق گردانی شروع کی تو جان کر بہت افسوس ہوا اس دنیا میں نہیں رہا شہزادہ بھائی کا جان کر دل اتنا افسردہ ہوا جواب عرض پڑھنے کو دل ہی نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ بھائی شہزادہ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کے گھر والوں کو صبر کی توفیق دے۔ میں نے جواب عرض زندگی میں پہلی بار پڑھا بہت اچھا ناول تھا میں اپنے دوست بوٹا دکھی صاحب کا شکر گذار ہوں جنہوں نے مجھے ناول پڑھنے کی دعوت دی۔

........................ محمد افضال-جڑانوالہ

ماہ دسمبر 2011ء کا شمارہ پڑھ چکا ہوں اور پڑھنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس سال کا آخری شمارہ بہت اچھا تھا لیکن رسالہ پڑھنے سے پہلے شہزادہ عالمگیر کی موت کی خبر نے ہمیں بہت زیادہ غمگین کر دیا۔ شہزادہ عالمگیر کی موت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ جواب عرض یتیم ہو گیا اور ہم سارے ریڈر ایک عظیم انسان سے محروم ہو گئے۔ اللہ شہزادہ صاحب کو جنت الفردوس نصیب کرے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ امید ہے کہ جواب عرض کی چمک دمک میں فرق نہیں پڑے گا اور اسی طرح چمکتا رہے گا۔ شہزادہ التمش اور شہلا عالمگیر کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور بدست دعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے حفظ و امان میں رکھیں۔

........................ پرنس مظفر شاہ-پشاور

ماہ دسمبر کا ماہنامہ جواب عرض دوستی نمبر ملا مگر انکل شہزادہ عالمگیر کے بارے میں پڑھا تو دل یہ تسلیم ہی نہیں کر رہا تھا کہ انکل اس دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ مجھے اس بات کا انتہائی دکھ ہے لیکن کیا ہو سکتا ہے جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر ہی رہتا ہے بس اب میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی روح کو بخشے اور انہیں جنت میں گھر دے۔ کیونکہ وہ بہت رحم دل انسان تھے اور لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہونے والے انسان تھے ایسے انسان دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں جو لوگوں کے دکھ اور احساس سمجھتے تھے لیکن میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی فیملی اور ان کے تمام رشتہ داروں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت دے اور ان کے اس کام کو جاری رکھے اس دفعہ بھی سترہ کی سترہ کہانیاں بہت اچھی تھیں، ہر ایک ایک دوسرے سے اچھی تھی۔ اس کے بعد شاعروں کی شاعری بھی بہت کمال کی تھی سب کی بہت اچھی شاعری تھی سب نے جواب عرض کو چار چاند لگا رکھے تھے اور سب شاعروں نے بہت محنت کی تھی اور آخر میں میرا تمام جواب عرض پڑھنے والے دوستوں کو سلام۔

........................ ظہیر عباس انجم کمبوہ-حاصل پور

ماہ دسمبر 2011ء دوستی نمبر میرے ہاتھوں میں ہے۔ ٹائم ملتے ہی سارا پڑھ ڈالا۔ برسوں بعد کوئی ایسی کہانی پڑھنے کو ملی جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ کہانی دل کو بھا گئی اور حمیرہ سعد کو داد دینی پڑی۔ حمیرہ سعد آپ اب تک کہاں تھی۔ اس کے بعد شاہد عثمان کی کہانی داستان مجنوں کو پڑھ کر بھی مزہ آ گیا۔ میں تو یہ کہنے والا تھا کہ داستان مجنوں اس شمارے کی بیسٹ سٹوری ہے مگر جب لاوارث لڑکی کو پڑھا تو اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔ دوستی انتظار حسین ساقی بھی خوب پسند آئی اچھی کاوش تھی۔ دوستی لے ڈوبی پڑھ کر مجید احمد جائی صاحب کو میں نے خط لکھا مگر جواب ورابطہ نمبر اردو یسے اچھی کہانی تھی۔ میرا عشق ریاض حسین شاہد کو بھی بے اختیار داد دینی پڑی، اچھا قلم چلایا تھا۔ کھوٹے سکے مشال سنگی گوجر خان آپ کا بھی جواب نہیں، کہانی میں اچھا سبق موجود تھا۔ باقی کہانیاں بھی اچھی تھیں۔

........................ شعیب شیرازی-جوہر آباد

ماہ دسمبر 2011ء کا جواب عرض 23 نومبر کو ملا سب سے پہلے ایک افسوسناک خبر پڑھنے کو ملی بہت دکھ ہوا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ابھرتے ہوئے شاعروں کی شاعری میں کشور کرن بہت پسند آئی۔ غزلوں میں مدد حسین بلوچ، سیف الرحمٰن زخمی کی غزل پسند آئی۔ کہانیوں کی طرف آیا تمام اچھی تھیں خاص کر لوٹ آ و پردیسی، دوستی، داستان مجنوں، ہاتھ کی لکیریں کشور کرن، کیسے بھول پاؤں گا شازیہ چوہدری، دولت کی ہوس آمنہ راولپنڈی، ہائے رے تیری جدائی حاجرہ غفور لیہ اور اس کے بعد تھوڑی سی خوشی تھوڑا سا غم اتنی اچھی کہانی مبارک ہو گلشن ناز۔

........................ اے ڈی ناز-ساہیوال

ماہ دسمبر 2011ء کا جواب عرض اس وقت میرے ہاتھوں میں ہے سب سے پہلے جو خبر ایٹم بن بن کر گری وہ عزت مآب جناب شہزادہ عالمگیر صاحب کی وفات کی تھی زخم ایک بار پھر تازہ ہو گئے کیونکہ پہلے بھی بہت سے دوستوں نے کال کر کے ایس ایم ایس کر کے بتایا تھا اب جواب عرض میں اشتہار دیکھ کر اور بھی غمگین ہو گئے خدا کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے خدا ہمارے بھیا کی قبر گلزار کرے۔ ابھرتے ہوئے شاروں میں کشور کرن چھوٹی ہی چھائی ہوئی تھی ماشاء اللہ بہت اچھا لکھتی ہے۔ خدا اس کی تحریروں کو اور بھی کامیاب کرے۔ کہانیوں کی طرف آئے تو حمیرہ سعد لاہور کی لاوارث لڑکی اچھی تو تھی لیکن انڈین فلم کی کاپی تھی۔ شاہد عثمان خوشاب کی داستان مجنوں بیسٹ تھی۔ اشفاق بٹ لالہ موسیٰ کی لوٹ آ و پردیسی بھی بیسٹ تھی۔ اس کے بعد اپنے دوستوں کی کہانیاں پڑھیں مجید احمد جائی ملتان کی دوستی لے ڈوبی اور جبرائیل آفریدی کی بے وفائی کا انجام دونوں تحریریں اچھی تھیں۔ ایم خالد محمود سانول کی تحریر نہ پا کر دکھ ہوا۔ آخر میں جواب عرض کے سب دوستوں کو میری طرف سے سلام۔

........................ آصف سانول-بہاولنگر

......دسمبر کا جواب عرض ملا تو ایک افسوسناک خبر ملی کہ جواب عرض کے ایڈیٹر شہزادہ عالمگیر وفات پا گئے ہیں یہ خبر میرے دل میں بجلی کے جھٹکے کی طرح لگی اور زار و قطار رونے لگا۔ اللہ تعالیٰ بھائی عالمگیر کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ باقی شہزادہ عالمگیر صاحب ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے باقی مجھے جواب عرض میں لکھتے اور پڑھتے اٹھارہ سال ہو گئے ہیں مگر شہزادہ عالمگیر کے جانے کے بعد ایک تو آپ نے رسالہ کمرشل کر دیا ہے اور دوسرا قیمت بھی بڑھا دی ہے اگر ہمارے شہزادہ عالمگیر زندہ ہوتے تو کبھی بھی قیمت نہ بڑھاتے۔ رسالے کو بھی مکمل تبدیل کر دیا ہے اور پرانے رائٹرز کی تحریریں بھی کم شائع ہوتی ہیں۔ پہلے میرا ہر مہینے آئینہ روبرو آتا تھا مگر مسلسل دو مہینے سے آپ مجھے نظر انداز کر رہے ہیں کیا وجہ ہے۔ کیا ہمارے ساتھ اب ایسا ہی سلوک ہوگا ہم تحریروں پر محنت کرتے ہیں ابھرتے ہوئے شاعر میں دو دفعہ غزلیں بھیج چکا ہوں مگر ایک دفعہ بھی میری غزلیں نہ آ سکیں اگر آپ نے پرانے رائٹرز کے ساتھ یہی رویہ رکھنا ہے اور ہماری زیادہ تر تحریریں ضائع کرنی ہیں تو پھر ہمیں لکھنے کا کیا فائدہ۔ ہم ہر ماہ پیسے بھی خرچ کریں اور ہماری تحریریں بھی نہ آئیں تو پھر ہمیں جواب عرض چھوڑنے کے لئے غور کرنا پڑے گا۔ جنوری کے جواب عرض میں بھی میری کم تحریریں چھپی ہیں اور آپ نے موبائل نمبر بھی دینا بند کر دیا ہے اور پتہ بھی مکمل نہیں لکھتے میری التجا ہے کہ آئینہ روبرو میں موبائل نمبر ضرور شائع کریں۔ اس امید کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں کہ آپ پرانے رائٹروں کا خاص خیال رکھیں گے۔ اب اجازت چاہتا ہوں۔

...................................................... محمد آفتاب شاد-کوٹ ملک دوکوٹہ

......ماہ دسمبر 2011ء کا تازہ شمارہ دوستی نمبر ملا، ملتے ہی ورق گردانی شروع کی تو اک افسوسناک خبر پڑھنے کو ملی بس اللہ سے دعا ہے کہ انکل کو جنت الفردوس نصیب کریں۔ ہم تمام قارئین جواب عرض اس دکھ میں شریک ہیں اللہ پسماندگان کو اس غم کو سہنے کی توفیق دیں۔ دماغ کام نہیں کرتا کہ اب اور کیا لکھوں جواب عرض کے لئے دل کے ساتھ پورا دماغ دکھی ہے۔ وہ اک عظیم انسان تھا جو دوسروں کا غم سہتے سہتے یہ دنیا چھوڑ کر چلا گیا مگر وہ ہمارے دلوں میں آج بھی دھڑکن کی طرح دھڑکتا رہے گا۔ وہ جواب عرض کی دکھی دنیا میں چاند کی طرح چمکتا رہے گا۔ ان شاء اللہ قیامت تک۔ باقی اسی ماہ دسمبر کی غزلوں اور نئے شاعروں کی اشعری پڑھنے لگے تو انتظار حسین ساقی نے کسی اور شاعر کی غزل چوری کر کے اپنا نام کیا ہے یہ بری بات ہے آپ میں بھائی اگر صلاحیت نہیں ہے تو کسی اور کی صلاحیت چوری کر کے اپنے نام کرنا صلاحیت نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ چور کو معاشرے میں کوئی قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ آخر میں تمام سٹاف اور قارئین جواب عرض کو غم سہنے کی توفیق دے۔ آمین!

...................................................... الٰہی بخش ھمشاد-کیچ مکران

......ماہ دسمبر 2011ء کا جواب عرض میرے ہاتھ میں ہے۔ جناب شہزادہ عالمگیر کی وفات ہزاروں محبت کرنے والوں کو نہ صرف سوگوار کر گئی ہے بلکہ دل بجھا گیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بچپن کا پیار روٹھ گیا ہو خدا انہیں جوار رحمت میں جگہ دے۔ کہانیاں لوٹ آؤ پردیسی، میں جیت کر ہار گئی کے لئے بالترتیب ایم اشفاق بٹ اور ارم سہیل کو مبارکباد۔ باقی تمام کہانیاں بھی ضرور اچھی ہوں گی لیکن بی اے کے امتحانات کی وجہ سے پڑھ نہیں سکا۔ مستقل سلسلے، شاعروں کے تعارف، غزلیں نظمیں، گلدستہ، پسندیدہ اشعار، میری زندگی کی ڈائری لاجواب ہیں۔

...................................................... محمد احمد امان اللہ-بورے والہ

......ماہنامہ دسمبر صادق آباد شہر سے خریدا تھا۔ اس ماہ میں بھی ڈائجسٹ بہت اچھا تھا لیکن آغاز کچھ خراب ضرور تھا اشتہارات تھے یہ اچھے نہیں تھے اس ماہ میں کہانی بھی سب اچھی تھیں اور اپنے کچھ خاص دوستوں کو سلام ہے۔



...................................................... کریم بگٹی-سوئی گیس فیلڈ

## دُکھی دِل نمبر............ ماہ جنوری 2012ء

......ماہ جنوری کا شمارہ بہت لیٹ ملا اور مطالعہ کے بعد خط لکھ رہا ہوں۔ اس دفعہ شمارے کو بہت اچھے انداز سے پرنٹ کیا گیا تھا جو بہت اچھا ہے سب سے پہلے لاوارث لڑکی اچھی جا رہی ہے اس کے بعد رنگ بدلتی محبتیں آ نائس نہیں ویری نائس تھی کچھ دوستوں کو سلام جیسے ثمرا اعجاز گوندل، ممریز بشیر گوندل، رئیس صدام ساحل، راجہ کامران فرام کسووال میری طرف سے سلام قبول کریں اور دعاؤں میں یاد رکھیں۔ والسلام!

...................................................... حماد ظفر بادی-منڈی بہاؤالدین

......ماہنامہ جواب عرض جنوری کا شمارہ یکم جنوری کو مل گیا تھا۔ کافی ماہ سے جواب عرض کی بزم سے آؤٹ ہوں۔ میں کشمیر میں کچھ مصروف رہا اس وجہ سے جواب عرض کو ٹائم نہیں دے سکا۔ آج فرصت کے لمحات میسر آئے ہیں تو جواب عرض کے لئے کچھ لکھ رہا ہوں۔ جواب عرض جنوری کا شمارہ بہت بیسٹ ہے۔ آتش بھائی آپ نے جواب عرض میں جان ڈال دی سٹوری کے ساتھ ایڈیٹر کے نام خط کو ضرور شائع کیا کریں کیونکہ جواب عرض کے لکھاری کے الفاظ اس کے دل کی ترجمانی کرتے ہیں۔ امید ہے میری اس گذارش کو مدنظر رکھ کر آپ سوچیں گے۔ باقی اس ماہ جواب عرض میں شاعری کا معیار اچھا تھا۔ کہانیوں میں لاوارث لڑکی کی قسط اچھی جا رہی ہے۔ وعدہ حکیم نسیم چوہدری، تمہاری یاد کے جگنو دوست محمد وٹو، جب آرزو پیارے دوست شہزاد سلطان کیف کی اور انتظار حسین ساقی کی وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا یہ تمام بیسٹ سٹوریز تھیں۔ باقی قارئین نے بھی بہت عمدہ لکھا۔

...................................................... اشتیاق ساغر-میرپور آزاد کشمیر

......ماہ جنوری 2012ء کا جواب عرض دکھی دل نمبر اس وقت میرے ہاتھوں میں ہے سب سے پہلے نظر جس پر پڑی وہ ایک عظیم ہستی کی تصویر تھی یعنی شہزادہ عالمگیر کی، دل ایک بار پھر افسردہ ہو گیا قلم اٹھایا اور شہزادہ بھائی کی یاد میں کئی غزلیں لکھ ڈالیں جو قارئین کو ضرور پسند آئیں گی اس کے بعد آگے بڑھے شعر و شاعری غائب تھی بعد میں پتہ چلا کہ وہ نئے انداز میں ہے کہانیوں میں مس راحیلہ منظر فیصل آباد کی کہانی محبت کے اس پار نے ایسا اپنے سحر میں جکڑا کہ نکل نہ پایا۔ میری طرف سے مس راحیلہ کو مبارکباد قبول ہو اس کے بعد محمد اشرف زخمی دل ننکانہ صاحب کی کہانی رنگ بدلتی محبتیں اس ماہ کی بیسٹ کہانی تھی اشرف صاحب میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو اس کے بعد کشور کرن کی کہانی تمہارا گلاب جیسا شباب اچھی کہانی تھی، ماشاء اللہ کتنا پیارا لکھتی ہو آپ کو نظر نہ لگ جائے اس کے بعد ابھرتے شاعروں میں کشور کرن نے پھر تباہی مچا دی best of kiran اس کے بعد میں جواب عرض کی نگران اعلیٰ سے ایک بات کہوں گا کہ کیا نامور رائٹروں کو حق ہے جواب عرض میں لکھنے کا کسی نئے رائٹر کی حوصلہ افزائی کیوں نہیں کرتے میری کوئی تحریر نہیں چھپ رہی کو پن تک آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے ورنہ یہ نہ ہو میں مایوس ہو کر جواب عرض سے قطع تعلق کر جاؤں۔

...................................................... آصف ساانول-بہاول نگر

......جنوری کا شمارہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کیونکہ اس مرتبہ بھی آپ نے کالم ملاقات شائع نہیں کیا میں نے اپنے کئی دوستوں کو بتایا تھا کہ جواب عرض میں قلمی دوستی کا کالم آتا ہے لیکن میرے دوستوں نے بھی کالم نہ پا کر مایوسی کا اظہار کیا۔ کیا دسمبر 2011ء میں بھی کالم ملاقات نہیں تھا اور اب جنوری 2012ء میں بھی شائع نہیں ہوا آپ سے التجا ہے کہ کالم

ملاقات ہر ماہ شائع کیا کریں اور ایڈریس کے ساتھ فون نمبر بھی شائع کیا کریں۔ یہ کالم رسالے کی جان ہوتا ہے۔

..................... امین مراد انصاری۔ کراچی

...... ماہ جنوری 2012ء دکھی وڈل نمبر جلد ہی مل گیا سب سے پہلے محترم جناب چیف ایڈیٹر شہزادہ صاحب کی تصویر دیکھ کر دل کو کچھ سکون ملا ذاتی صفحہ پا کر مایوسی ہوئی شاید اب ساری زندگی شہزادہ عالمگیر کا ذاتی صفحہ پڑھنے کو نہیں ملے گا۔ کہانیوں میں وعدہ تو ٹوٹ جاتا ہے حسن رضا رکن سٹی، وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا انتظار حسین تاندلیانوالہ، مطلبی محبت شازیہ وقاص کراڑیوالہ، تمہارا گلاب جیسا شباب کشور چٹوکی، محبت کے اس پار آبی اے آرراحیلہ فیصل آباد کی کہانیاں پسند آئیں۔ بڑے عرصے کے بعد اے آرراحیلہ کی کہانی پڑھنے کو ملی پلیز لکھتی رہا کرو، آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ ابھرتے ہوئے شاعر میں کشور کرن، محمد خاں انجم، سونیا حیدر اور نرگس ناز، نیلم شہزادی کا انتخاب پسند آیا۔ حماد پسندیدہ اشعار، گلدستہ سب کو پن اچھے تھے سب نے اچھا لکھا تھا سب کو مبارک ہو۔

..................... مریز بشیر گوندل۔ گوجرہ

...... ماہ جنوری میرے ہاتھ میں ہے سب سے پہلے شہزادہ عالمگیر کی تصویر دیکھی ہے آنکھوں میں آنسو آ گئے ہیں وہ ایک عظیم ہستی ہے جو کل ہمارے دلوں پر راج کرتے تھے وہ آج ہماری یادوں کا حصہ بن چکا ہے میں دعا کرتا ہوں اللہ میاں اس کو جنت میں اعلیٰ مقام حاصل ہو اور اس کے بعد ذاتی صفحہ نہیں ملا اور اس کے بعد کہانیاں پڑھیں جو بہت اچھی تھیں۔ میں ان رائٹروں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اس کے بعد غزلیں پڑیں جو بہت اچھی تھیں۔ شاعری بھی بہت اچھی تھی اور اپنی تحریریں نہ پا کر بہت دکھ ہوا ہے اور اس کے بعد میں اپنے دوستوں کو نئے سال کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

..................... فیاض احمد چانڈیہ۔ مظفر گڑھ

...... ماہنامہ جواب عرض جنوری کا تازہ شمارہ میرے ہاتھوں کے کشکول میں ہے۔ نئے رنگ اور نئے دلکش انداز کے ساتھ جواب عرض واقعی پہلے سے لاجواب ہے۔ محترم جناب التمش عالمگیر صاحب جواب عرض میں آنے پر ہم ویلکم کہتے ہیں۔ شاید کہ آپ میرے نام سے واقف نہیں البتہ جواب عرض کے بہت سارے قاری میرے نام سے واقفیت رکھتے ہیں۔ مصروفیات کے بعد اب پھر فرصت کے چند لمحات میسر ہیں سوچا کیوں نہ جواب عرض کے لئے کوئی نئی سٹوری تحریر کروں ان دنوں کچھ جواب عرض کے لئے لکھنے کے لئے خود کو تیار کر رہا ہوں۔ آپ نے بہت اچھا کیا جو ملاقات کا کالم ختم کر دیا میرے خیال میں مجھے شکوہ ہے اور میری زندگی کا چاند وغیرہ وغیرہ کو ختم کر دو اور ایک اہم بات جو میں نے نوٹ کی ہے وہ آپ نے شاعروں کا کم از کم تعارف تو کروا دیا پہلے ابھرتے ہوئے شاعروں میں وہ نام بھی تھے جن کو شاعری کا الف ب کا بھی پتہ نہیں تھا قارئین سے التماس ہے وہ جس شاعر کی شاعری کا انتخاب کریں اس کا نام بھی لکھ دیا کریں اور وسیلہ کے طور پر انتخاب کے طور پر اپنا نام لکھ دیا کریں تا کہ نئے شعراء حضرات کے جذبات کو ہم بھی سمجھ سکیں۔ پیارے پیارے دوستوں کو سلام پیش کرتا ہوں۔

..................... خورشید زوہیب۔ آزاد کشمیر

...... ماہ جنوری کا شمارہ میرے پاس ہے اور میں سوچ رہی ہوں کہ کہاں سے لکھنا شروع کروں۔ جواب عرض اپنی تعریف آپ ہے، جس بات نے مجھے لکھنے کے لئے مجبور کیا ہے وہ جناب محترم شہزادہ عالمگیر کی موت نے جس میں کبھی نہیں بھلا سکتی۔ شہزادہ انکل کو بہت مس کروں گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گی کہ اللہ تعالیٰ شہزادہ انکل کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ شہزادہ انکل ایک ستارہ تھا جو ہمارے دلوں میں ہمیشہ چمکتا رہے گا کبھی دل کی دھڑکن بن کر کبھی آنکھوں کا آنسو بن کر اور کبھی لبوں کا دعا بن کر کبھی شجر سایہ بن کر کبھی دکھی دلوں کا سہارا بن کر۔ اب آتی ہوں جواب عرض



کی طرف سب سے پہلے کسی بھی رسالہ میں میرے یہ پہلے خط پلیز اس شائع ضرور کرنا۔ داستان مجنوں شاہد عثمان بھائی آپ کی کہانی اتنی دکھی تھی میں سوچتی کہ میں اسے نہ پڑھتی تو اچھا تھا اتنی دکھی کہانی میں نے زندگی میں نہیں پڑھی۔ بھائی آپ کو بہت بہت مبارک ہو اتنی اچھی کہانی لکھنے کے لئے۔ لوٹ آؤ پردیسی بٹ صاحب کیا کہانی تھی پڑھ کر مزہ آ گیا۔ کیا رومانس تھا اس کہانی میں آپ کو مبارک اتنی اچھی کہانی لکھنے پر۔

..................... صنم شاہ عرف سنی۔ گاؤں حضرت پیر عبدالرحمٰن

...... ماہ جنوری 2012ء کا تازہ شمارہ دکھی دل نمبر اس وقت میرے پاس ہے۔ اس میں میری سٹوری وعدہ تو ٹوٹ جاتا ہے کو شائع کرنے کا شکریہ۔ جو آپ کے پاس میری سٹوریاں ہیں ان کو بھی شائع کر دیں۔ اے آرراحیلہ منظر فرام فیصل آباد، باجی آپ کی سٹوری محبت کے اس پار بہت ہی شاندار رہی آپ کو بہترین سٹوری لکھنے پر مبارکباد اور ہاں پلیز کوئی نہ کوئی تحریری سٹوری اور شاعری وغیرہ پوسٹ کرتی رہا کریں، مجھ کو آپ کی تحریریں بہت اچھی لگتی ہیں اور بہت پسند ہیں۔ گلشن ناز فرام خطہ قریشی آپ کی تحریریں ہوتی تو بہت سالڈ ہیں لیکن پڑھنے کو بہت کم ملتی ہیں پلیز کوئی نہ کوئی سٹوری لازمی پوسٹ کیا کریں اور جواب عرض کا گلشن آباد رکھیں، اس کو ویران مت کریں۔ محمد اشرف زخمی دل آپ کی تحریریں بہت ہی اچھی ہوتی ہیں، آپ سے دسمبر 2011ء میں رابطہ بھی ہوا تھا۔ جواب عرض میں لکھنا مت چھوڑیں۔ انتظار حسین ساقی آپ کی تحریریں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ ایم خالد محمود سانول آپ کیوں غائب ہیں کوئی خاص تحریر شائع نہیں ہو رہی آپ کی جلد از جلد لکھیں۔

..................... حسن رضا۔ رکن سٹی

...... ماہ جنوری 2012ء دکھی دل نمبر اس وقت میرے ہاتھ میں ہے اور یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ میری سٹوری آئی ہے جس کا نام تھا وعدہ تو ٹوٹ جاتا ہے بہت شکریہ جو آپ نے میری حوصلہ افزائی کی پلیز اور بھی جو سٹوریاں آپ کے پاس میری پڑی ہوئی ہیں وہ بھی شائع کر دیں تو میں آپ کا بہت مشکور رہوں گا۔ جنوری کے رسالے میں شہزادہ عالمگیر صاحب کا سن کر بڑا افسوس ہوا واقعی وہ بہت اچھے انسان تھے۔ اس دفعہ سٹوریوں میں لاوارث لڑکی فرام حمیرہ سعد، ظالم دنیا فرام آفتاب احمد عباسی، تمہارا گلاب جیسا شباب فرام کشور کرن، تنہائی تیرے بن فرام فیصل ندیم ساحل، رشتہ ازدواج فرام محمد خان انجم، ماں کی بددعا فرام شیخ اللہ دتہ، وعدہ فرام حکیم ایم نسیم چوہدری، پتھر کے صنم فراہم غلام فرید، وردِ دل فرام ظفر نور بھٹو، مطلبی محبت فرام شازیہ وقاص، زندگی تیرے نام فرام محمد جاوید، محبت کے اس پار فرام اے آرراحیلہ منظر، یوں بدلی تقدیر میری فرام محمد عمر، وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا فرام انتظار حسین ساقی، حسب آرزو فرام شہزاد سلطان، تمہاری یاد کے جگنو فرام دوست محمد خان وٹو، سیلاب کی کہانی فرام فوجی سمیع، رنگ بدلتی محبتیں فرام محمد اشرف زخیم دل یہ سب نوریاں بہت ہی اچھی تھیں، ان سب رائٹرز کو مبارک باد۔ باقی سب کوپن بہت اچھے تھے۔

..................... حسن رضا۔ رکن سٹی

...... جنوری 2012ء دکھی دل نمبر اپنے پیارے شہر جڑانوالہ سے خریدا۔ شہزادہ جی میں نے چند غزلیں ارسال کی تھیں لیکن ان کے ساتھ بھیجا گیا لیٹر شائع ہو گیا ہے لیکن غزلیں شائع نہیں ہوئیں، شہزادہ جی آپ سے گذارش ہے انہیں بھی جواب عرض کی زینت بنائیں۔ اس کے علاوہ ٹائٹل کے ساتھ ساتھ جواب عرض کمال کا تھا۔ حمیرہ سعد، کشور کرن، شازیہ وقاص، آفتاب احمد عباسی، انتظار حسین ساقی اور دوست محمد وٹو کی سٹوریاں بہت اچھی تھیں لیکن اپنے پسندیدہ رائٹرز ریاض احمد باغبانپورہ، کوثر ریاض اور اقراء لاہور کی کہانیاں نہ پا کر دل افسردہ ہو گیا۔

..................... آرزو۔ جڑانوالہ سٹی

⊠...... 2011ء کا سال ہم سے الوداع ہو چکا ہے اب نئے سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ خدا کرے ہمیں نئے سال کی خوشیاں دیکھنا نصیب ہوں پیدل شدید سردی کی حالت میں شہر گیا وہاں بک سٹال پر اپنے محبوب رسالے جواب عرض ماہ جنوری 2012ء سے ملاقات ہوگئی میرا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا سرورق بہت ہی دلکش اور خوبصورت تھا جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ایسا بے مثال پرچہ نکالنے پر میری طرف سے دلی مبارک قبول کریں آپ کی فوٹو کے ساتھ تحریر بھی لاجواب تھی اس بار جواب عرض میں کچھ تبدیلیاں بھی اچھی تھیں اور پرچے کا سٹائل بہت قابل تعریف ہے ہر عنوان اپنی اپنی جگہ پر بہتر تھا مثلاً گلدستہ، پسندیدہ اشعار، ملاقات، ملاں کی عظمت، مختصر اشتہارات، ابھرتے شاعروں کا کلام، غزلیں، ہر کہانی خوب سے خوب تر تھی۔ تمام قلمکاروں کو آداب عرض۔ غزل شائع کرنے پر میں آپ کا بے حد ممنون ہوں امید کرتا ہوں کہ آپ آئندہ بھی تعاون کریں گے۔

✍ ...................... محمد اسلم جاوید۔فیصل آباد

⊠...... ماہ جنوری 2012ء نیا سال کا دکھی دل نمبر 29 دسمبر 2011ء کو لالہ موسیٰ سے ملا۔ فرنٹ پر ایشوریہ رائے اپنے کانوں میں لمبے لمبے بندے لٹکائے نظر آئی اور بیک سائیڈ پہ پرینکا ماتھے پہ جھومر لٹکائے نظر آئی دوسرے صفحہ پر ہی لاکھوں دلوں کی دھڑکن شہزادہ عالمگیر صاحب کی تصویر نظر آئی تو بے اختیار لبوں سے یہ دعا نکلی کہ اے اللہ ان کی روح کو بخش دینا۔ اگرچہ شہزادہ عالمگیر صاحب آج ہم میں موجود نہیں لیکن یوں لگتا ہے جیسے وہ ہمارے آس پاس موجود ہیں اور رہیں گے۔ ان کے بارے میں جتنا لکھا جائے وہ کم ہے وہ ہم سب کے دلوں میں موجود ہیں اور رہیں۔ نیا سال کے جواب عرض نے ہمیں جواب عرض کی قیمت میں پانچ روپے کا اضافی گفٹ بھی دیا ہے کہانیوں میں آفتاب احمد عباسی کی ظالم دنیا، محمد خان انجم کی رشتہ ازدواج، شیخ اللہ دتہ کی ماں کی بددعا، حکیم جاوید کی وعدہ، غلام فرید کی پتھر کے صنم، ظفر نور بھٹو کی دردِ دل، شازیہ وقاص کی مطلبی محبت، محمد جاوید زنگلانی کی زندگی تیرے نام، تنہا محمد عمر لاشاری کی یوں بدلی تقدیر میری، انتظار حسین ساقی کی وہ عشق جو ہم سے، شہزاد سلطان کیف کی حسب آرزو، دوست محمد خاں وٹو کی تمہاری یاد کے جگنو، محمد اشرف زخمی دل کی رنگ بدلتی محبتیں ان سب رائٹروں نے خوب محنت کی تھی سب کو مبارکباد قبول ہو۔ ابھرتے ہوئے شاعروں میں ملک عاشق حسین ساجد، محمد خان انجم، شازیہ وقاص، وقاص احمد، نیلم شہزادی ان کی شاعری بہت اچھی تھی۔ کیا آپ ایک اچھے دوست ہیں میں محمد خاں انجم، اللہ دتہ بے درد، ایم خالد محمود سانول، سیف الرحمٰن زخمی، ایم شفیع تنہا، رانا وارث، حافظ محمد شفیق ان کی تحریریں اچھی تھیں۔ ماں سے پیار کا اظہار میں کرن خان، رانا وارث، عمران بٹ، محمد خاں انجم، سیف الرحمٰن زخمی، اللہ دتہ بے درد، سونیا آفریدی ان سب نے ماں کے پیار کے اظہار میں اپنی اپنی محبت کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ زندگی کا چاند کالم میں محمد خان انجم، اللہ دتہ بے درد، سیف الرحمٰن زخمی، رانا بابر علی، حافظ شفیق عاجز، عاشق حسین طاہر، ان کی زندگی کے چاند بڑے خوبصورت تھے۔ مجھے شکوہ ہے کالم میں نثار احمد حسرت، خالد فاروق آسی، نامعلوم، ارمان، کرن خان، رانا وارث، سیف الرحمٰن، اللہ دتہ بے درد، حافظ شفیق، محمد خاں انجم، عارف شاہ ان سب نے شکوے خوب کئے ہیں۔ غم کے بعد خوشی ملتی ہے کالم میں عابد محمود، محمد خاں انجم، نثار احمد حسرت، پرنس عبدالرحمٰن گجر، سیف الرحمٰن زخمی، ارمان، رانا وارث، رانا بابر علی، خالد فاروق آسی ان سب کی تحریریں اچھی تھیں۔ شعری پیغام کالم میں شہزاد سلطان کیف، محمد عمران بٹ، ایم واصف، سید اظہر حسین شاہ، ایم شفیع تنہا، محمد جنید جانی، مدثر عمران ساحل، خلیل احمد گبول، محمد خاں انجم، حاجرہ غفور، محمد عمیر مظہر سنی ان سب کے شعری پیغام اپنے اپنے پیاروں کے نام بہت اچھے تھے۔ پسندیدہ اشعار کالم میں پرنس عبدالرحمٰن گجر، سیف الرحمٰن زخمی، پاکیزہ، ارمان، نثار احمد حسرت، شازیہ، محمد عمیر، فائزہ، عارفہ، عالیہ، نیلم، شہزادی، ثوبیہ کنول، الیاس دکھی ان سب کے اشعار بہت اچھے تھے۔ غزلیں نظمیں کالم میں ذوالفقار علی، ایم شفیع تنہا،



حماد ظفر علی نواز مزاری، محمد عمران بٹ، اکرام الحسن، نامعلوم، ملک عمیر ناز، ملک افضل ساگر، نواز ادیالوی ان کی غزلیں اور نظمیں اچھی تھیں۔ گلدستہ کالم میں یاسر اقبال، پرنس عبدالرحمٰن گجر، ظہیر ساگر، محمد نعیم اختر، رانا نبیل ارشاد، ڈاکٹر زاہد، عارف بلوچ ان سب کا گلدستہ کالم میں تحریریں اچھی تھیں۔ آئینہ روبرو جواب عرض کی جان ہے آئینہ روبرو میں جن میرے دوستوں نے مجھے یاد کیا اور میری کہانی وعدہ کی تعریف کی وہ ہیں ڈاکٹر اورنگزیب بھٹی، رخسانہ ملک، اظہر سیف دکھی، حافظ محمد شفیق عاجز، نثار احمد حسرت، نیلم شہزادی، ایم خالد محمود سانول، ملک عاشق حسین ساجد، سید عارف شاہ، ایم شفیع تنہا آپ سب کا شکریہ۔ ابھرتے ہوئے شاعر بہت اچھا سلسلہ ہے، زندگی کا چاند بھی اچھا کالم ہے، دکھ درد ہمارے اور مختصر اشتہارات والے کالم بند نہیں کرنے چاہئے تھے۔ کہانی کے شروع میں لیٹر ہوتا تھا وہ کہانی کی جان اور دل ہوتا تھا آپ نے کہانیوں کے دل اور جان ہی نکال لئے ہیں تو کہانیاں بے جان ہو گئی ہیں۔ آخر میں سب قارئین اور جواب عرض کے سٹاف کو میرا اسلام قبول ہو۔

✍ ...................... ایم اشفاق بٹ۔لالہ موسیٰ

⊠...... ماہ جنوری کا دکھی نمبر اس وقت میرے ہاتھوں میں ہے جسے پڑھ کر دکھ ہوا۔ شہزادہ انکل کے بارے میں پڑھ کر دل چونک سا گیا۔ شہزادہ انکل ایک عظیم ہستی اور اچھے مخلص انسان تھے جو ہمارے دکھ درد میں ہمیشہ شریک ہوتے تھے اور ہمارے دکھوں کو بانٹ کر ہمارے لبوں پر مسکراہٹ لاتے تھے۔ ان کے بارے میں جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ آخر میں تمام جواب عرض کے لکھنے والوں سے میں گذارش کرتا ہوں شہزادہ انکل کے لئے دعا کرتے رہا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

✍ ...................... واصف علی۔بھریا روڈ

## متفرق خطوط

⊠...... جواب عرض ہر ماہ لیتا ہوں اس کو نہیں چھوڑ سکتا جب تک پڑھ نہ لوں سکون نہیں ملتا۔ میں ہر ماہ شعر، کوپنز، تحریریں ارسال کرتا ہوں وہ جلد شائع کر دیں۔ اب بھی تحریریں اشعار کے کوپنز ارسال کر رہا ہوں میں ان دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میری تحریر حدیث، شعروں کو پسند کیا۔ اس کالم کے حوالے سے عائشہ کرن میں بھی آپ کی دل و جان سے عزت کرتا ہوں۔ کالم ملاقات میں میرا ایڈریس شائع ہوا ہے۔ جس دوست کے پاس جون 2011ء کا جواب عرض نمبر محبت کے آنسو ہو مجھے پارسل کریں۔ جواب عرض کی ترقی اور پوری ٹیم کو سلام دعا۔

✍ ...................... سید عارف شاہ پریمی۔جہلم شہر

⊠...... میں آپ کا ہر شمارہ شوق سے پڑھتا ہوں۔ کہانیاں کافی اچھی اور سبق آموز ہوتی ہیں۔ جواب عرض کے لئے پہلی بار کچھ لکھ رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ اور میرا ایک چھوٹا سا میسج جو کہ ان لوگوں کو دینا ہے جو بہت ہی غلط ذہن کے مالک ہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھے ناامید نہیں کریں گے۔

✍ ...................... جاوید سکھیرا۔ملتان

⊠...... شہزادہ عالمگیر بھائی آپ کا ذاتی صفحہ ماں کے بارے میں پیاری پیاری اور قیمتی باتوں سے بھرپور ہوتا ہے اک ذرا سا انسان ماں کے قدموں کی خاک بھیا ہم سب کو ایسے ہی خیالات رکھنے چاہئیں۔ بھیا ایک بڑی خوشخبری سنانے جا رہا ہوں میرا ایک بہت ہی پیارا دوست جو مجھے جواب عرض نے دیا ہے محمد بلال کھوکھلی ڈیرہ غازی خان جو ابھی حصول

رزق کے لئے سعودی عرب میں مقیم ہیں انہوں نے مجھے فون پہ بتایا کہ میں نے شہزادہ عالمگیر صاحب کی پیاری ماں کے نام کا عمرہ کیا ہے بس آپ مجھے بتائیں کہ شہزادہ صاحب کی والدہ حیات ہیں اور ان کا نام کیا ہے مجھے علم نہ ہونے کی وجہ سے معذرت کی اور میں نے کہا کہ شہزادہ بھائی سے پوچھ کر بتا سکتا ہوں آپ کا فون نمبر بہت ڈھونڈا لیکن نہیں ملا اس لئے آپ کو خوشخبری سنانے کے لئے خط لکھ رہا ہوں۔ محمد بلال کھوکھر صاحب ابھی پاکستان گئے ہیں ان سے فون پہ اپنی پیاری ماں کے نام کا عمرہ کرنے کا شکریہ ادا کر دینا نہیں تو ذاتی صفحہ آئینہ روبرو یا جواب عرض کے کسی کونے میں حوصلہ افزائی اور شکریہ کے دو الفاظ لکھ دینا۔ ماں کے بارے میں میرا قول کے ساتھ اپنی اور آپ کی پیاری ماں کے لئے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اجازت چاہوں گا—— ''☆..... ماں محبتوں کا وہ موسم ہے جس میں کبھی خزاں نہیں آتی''۔

..................................... شہزادہ سلطان کیف۔الکویت

..... آنسوؤں کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر تحریر کرنے کی ہمت کی۔ کبھی سوچا نہ تھا کہ شہزادہ عالمگیر صاحب ہم کو یوں اکیلا چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ یقیناً ہر قاری جواب عرض کی آنکھ اشکبار ہے اور ان کے لئے ہر بندہ یہ دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم شہزادہ عالمگیر صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ان کی قبر کی منزل آسان فرمائے اور ان کی قبر پر لاکھوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ ان کی کمی ہر گھڑی محسوس ہو گی شہزادہ عالمگیر بہت نیک انسان تھے بہت رحمدل انسان تھے۔ دل میں ان کے برابر کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اہل و عیال کو صبر عظیم عطا فرمائے۔

..................................... زبیر الیس تنہا۔میلسی

..... اللہ پاک شہزادہ عالمگیر صاحب کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دیتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ سمجھ نہیں آ رہی کیا لکھوں کس کے نام لکھوں کیسے لکھوں۔ سر کے بارے میں پڑھ کے جواب عرض سے جڑے ہر شخص کے لئے الفاظ ڈھونڈنا کوئی آسان کام نہیں۔ کیا کوئی بتائے گا یہ سب کیسے ہوا کب ہوا اور کیوں؟ اللہ پاک شہزادہ عالمگیر کی مغفرت فرمائے اور ان کے اہل وعیال کو صبر دے۔

..................................... مشال۔سنگنی، گوجر خان

..... جناب محترم شہزادہ التمش صاحب اب آپ ہماری اس دکھی نگری کے لیڈر ہیں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی جناب شہزادہ عالمگیر کی طرح یہ ذمہ داری پوری کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ جناب مئی 2011ء کی ایک رجسٹری آپ کے پاس پڑی ہے برائے مہربانی فرما کر وہ شائع کر دیں۔ اس میں میری شاعری اور کچھ کوپن اور لیٹر ہیں آپ وہ شائع کر دیں۔ شہزادہ صاحب بہت حوصلہ افزائی کرتے تھے امید ہے آپ بھی کریں گے۔ ان شاء اللہ ہم سب کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، امید ہے آپ مایوس نہیں کریں گے۔

..................................... جاوید اقبال جاوید۔اچکرہ

..... پیارے انکل شہزادہ عالمگیر کی وفات کے بعد پہلی مرتبہ آپ کو اپنی زندگی کی سچی داستان ارسال کر رہا ہوں امید ہے کہ آپ بھی پیارے انکل کی طرح ہماری تحریروں کو جواب عرض میں شامل کرتے رہیں گے۔ بھائی جان پلیز آپ کہانی کے ساتھ خط اور مکمل ایڈریس یا فون نمبر ضرور شائع کیا کریں تا کہ جو دوست کسی مجبوری کے تحت جواب عرض میں نہیں لکھ سکتے وہ کم از کم رائٹروں سے رابطہ کر سکیں۔ باقی بھائی آپ کی مرضی ہے جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ آخر میں ان سب دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو میری تحریروں کو پسند کرتے ہیں۔

..................................... ملک عرفان۔ چک 9 ب عبدالحکم



..... ماہنامہ جواب عرض کے بانی شہزادہ عالمگیر صاحب کی وفات ایک بہت بڑا صدمہ ہے اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اشعار اور غزلیں وزن اور معیار کے مطابق لگایا کریں۔ قارئین کے رابطہ نمبر اگر ان کے تعارف کے ساتھ لگائیں تو رابطے میں آسانی ہو گی اور اس طرح جواب عرض زیادہ سے زیادہ لوگوں میں متعارف ہو گا۔

..................................... ڈاکٹر زاہد جاوید۔وہاڑی

..... سب سے پہلے تمام سٹاف اور قارئین سے معذرت کہ میں دو سال تک غائب رہا اب دو سال بعد دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اس ماہ کا شمارہ میں نے پچیس اکتوبر کو خریدا اور ٹائٹل بہت اچھا تھا۔ پھر اسلامی صفحہ پڑھا قبر کا خوف اچھا تھا۔ آپ کا ذاتی صفحہ زندگی آگ بھی پانی بھی اچھی تھی۔ جواب میں ابھرتے ہوئے شاعر جن میں شاعرہ کشور کرن، اے آر راحیلہ منظر، صدا حسین صدا، بشیر سانول، صائمہ، مس صبا، ساجد اعوان ساجد، اسماعیل آزاد، خلیل احمد ملک، قمر عباس ساگر، خرم شہزاد ان سب کی شاعری بہت اچھی تھی۔ غزلیں نظمیں بھی اچھی تھیں۔ باقی سب کالم بھی اچھے تھے۔ کہانیوں میں کشور پتوکی کی الجھے رشتے، ایم احمد بجی کی قبولیت کی گھڑی، ماریہ الماس گجرات کی میرا کیسا یہ امتحان، حاجرہ غفور لیہ کی اب کوئی غم نہیں، ریاض حسین کی پردہ، آمنہ راولپنڈی کی شک جدائی دیتا ہے، مس صائقہ آزاد کشمیر کی محبت زندہ باد، نائلہ طارق لیہ کی اسے اپنا بنانا ہے، کرن ریاض لاہور کی وفا کی سزا بہت اچھی اور معیاری کہانیاں تھیں۔ سر میری گذارش ہے کہ اس میں ایک اور کالم کا اضافہ کر دیں رشتوں کا۔

..................................... محمد امین۔ستوکتلہ، لاہور

..... سب سے پہلے تو میں شہزادہ عالمگیر صاحب کی وفات پر اظہار افسوس کرتا ہوں اور میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور تمام قارئین سے بھی درخواست ہے کہ آپ بھی سب قارئین شہزادہ عالمگیر صاحب کی مغفرت کے لئے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ اُن کے عزیز و اقارب صبر کرنے کی ہمت دے۔ کچھ ماہ سے میں جواب عرض سے لاتعلق رہا کچھ مصروفیات کی وجہ سے میں حاضری نہ دے سکا جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ شہزادہ عالمگیر کے اس دنیا سے جانے کے بعد رسالے میں بہت سی تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں کچھ تبدیلیاں پسند بھی آئیں اور کچھ تبدیلیاں دیکھ کر دکھ بھی ہوا میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ شہزادہ عالمگیر کے جانے سے ڈائجسٹ میں بہتری آئے گی کیونکہ انہوں نے بہت بہتر کیا ہے۔ رسالے کے لئے وہ عظیم انسان نے قارئین کو ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کی اور میں شہزادہ التمش صاحب سے بھی امید کرتا ہوں کہ وہ بھی قارئین کی تمام امیدوں پر پورا اتریں گے۔ بات رسالے ین تبدیلی کی کر رہا تھا جو تبدیلی کچھ بہتر لگی وہ یہ تھی کہ جواب عرض میں فون نمبر شائع کرنے کا سلسلہ ختم کر دیا میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ یہ سلسلہ اچھا نہیں تھا بلکہ اگر ایک نظر سے دیکھا جائے تو یہ سلسلہ بہت اچھا تھا اس سلسلے کی وجہ سے ہم ایک دوست ہونے کے ناطے دوسرے دوست کے دکھ سکھ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے کو اگر برا بنایا ہے تو ہم نے خود بنایا ہے یہ سلسلہ اچھا تھا اس کے بعد جس تبدیلی پہ دکھ ہوا وہ یہ تھی کہ جناب شہزادہ التمش صاحب آپ نے اگر فون نمبر نہ شائع کرنے کا سلسلہ ختم کیا ہے تو اس کے ساتھ آپ نے ہر قاری کا مکمل ایڈریس شائع کرنے پر بھی پابندی لگا دی جس پہ بہت دکھ ہوا۔ ایک یہی ڈائجسٹ کا سلسلہ ہے جو ہم کو اپنے مخلص دوستوں سے ملتا ہے اگر آپ رسالے میں مکمل ایڈریس شائع نہیں کریں گے تو ہم اچھے اور مخلص دوستوں سے لاتعلق ہو جائیں گے اور ہم اچھے دوستوں سے محروم ہو جائیں گے۔ برائے مہربانی اس سلسلے میں کچھ غور فرمائیں اور کہانی یا کوپن کیس اتھ مکمل ایڈریس لکھنے کا سلسلہ دوبارہ شروع کریں۔

..................................... رانا وارث اشرف عطاری۔احمد نگر

..... قارئین دوستوں کو سلام اور جواب عرض کی محفل میں آنے والے نئے ریڈرز کو خوش آمدید جواب عرض کے تمام

## جواب عرض

یہ کوپن کاٹ کر اس پر شعر لکھ کر ہمیں ارسال کردیں

نام ______ شہر ______ فون نمبر ______

میرا بہترین شعر

______

مکمل پتہ ______

## کوپن

### غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو کیسا لگتا ہے؟

''جواب عرض'' میں آپ اس کالم میں ''غم کے بعد خوشی ملتی ہے تو کیسا لگتا ہے؟'' سے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ آپ کی رائے ہم ''جواب عرض'' میں شائع کردیں گے۔ آپ یہ کوپن کاٹ کر اپنی رائے کے ساتھ ہمیں ارسال کردیں۔

میری رائے میں ______

نام: ______ شہر: ______





سلسلے لاجواب اور خوبصورت ہیں۔ جواب عرض اصل میں ہم سب قارئین کی آواز ہے۔ جہاں ہر اک کی آواز کو اہمیت دی جاتی ہے جو خطوں کی صورت میں بھی ہوتی ہے اور دوسرے ذرائع سے بھی۔

جنید ملک۔ٹیکسلا

بھائی صاحب میں کچھ غزلیں آپ کی نگری میں بھیج رہا ہوں ان کو شائع کرنا میں پہلے بھی کافی کہانیاں اور غزلیں بھیج چکا ہوں ان میں سے کچھ غزلیں شائع کیں آپ کی مہربانی کہ ہمیں بھی جواب عرض کی نگری میں شامل کررہے ہیں۔

ذوالفقار تبسم۔میاں چنوں

سر میں ایک دفعہ اٹک میں اپنے ایک دوست کے پاس گیا جس کا نام عکاس احمد ہے۔ وہاں مجھے جواب عرض پڑا نظر آیا میں نیا سے کھولا اور پڑھنے لگا تو یقین جانیئے مجھے اتنا مزہ آیا کہ میں بتا نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے جواب عرض نے مجھے لکھنے پر مجبور کردیا۔ یہ میری کسی بھی رسالے میں پہلی کوشش ہے۔ امید ہے مجھے بھی آپ اپنی دکھی نگری میں تھوڑی سی جگہ دیں گے۔

غلام محمد۔گاؤں غور غشتی

جواب عرض میں آپ میرے اشتہار بہت کم شائع کرتے ہیں۔ شہزادہ عالمگیر صاحب آپ میرے نمبر شائع نہیں کرتے کیوں کیا وجہ ہے؟ آپ کا ذاتی صفحہ نے دل میں عجیب ہلچل مچادی ہے۔ جواب عرض کا بڑی بے چینی سے انتظار ہر ماہ رہتا ہے۔ عالمگیر صاحب آپ نے آج تک میری غزل ایک بھی شائع نہیں کی۔ اے آر راحیلہ باجی آپ کی کہانی نہیں آتی کیا وجہ ہے؟ خورشید زوہیب بھائی آپ کی بھی کہانی نہیں آتی کیا وجہ ہے؟

عبدالصمد SK گبول۔جلاب گوٹھ

میں جواب عرض کی خاموش رائٹر ہوں آج پہلی دفعہ خط اور کچھ کوپن بھیج رہی ہوں۔ عالمگیر صاحب آپ کا ذاتی صفحہ مجھے بہت پسند ہے۔ شہزادہ بھائی اسے شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں۔ میں جواب عرض کی بہت سالوں سے فین ہوں مجھے کہانیوں میں باجی اے آر راحیلہ کی کہانیاں بہت پسند ہیں۔ جواب عرض پڑھنے والی لیڈیز کو میرا اسلام قبول ہو۔

کلثوم گبول۔شہر کراچی

یہ میرا آخری خط اور آخری کوپنز ہیں کیونکہ میں ایک سال کے لئے جواب عرض پڑھنا اور لکھنا چھوڑ رہا ہوں اگر زندگی نے موقع دیا اور سانسوں نے وفا کی تو شاید دوبارہ لکھوں۔ دل تو نہیں کرتا اسے چھوڑنے کو مگر فی الوقت مجبوری ہے۔ اس لئے چھوڑنا ہی پڑے گا۔ تمام جواب عرض کی ٹیم اور خصوصاً شہزادہ عالمگیر صاحب کا شکر گذار رہوں گا کہ انہوں نے میری حوصلہ افزائی کی اور جواب عرض میں جگہ دی۔ آخر میں سب دوستوں کے لئے اور جواب عرض کے لئے دعا گو۔

سید اظہر حسین شاہ۔چیر آزاد کشمیر

دسمبر ٹیسٹ کی وجہ ماہ دسمبر دوستی نمبر میں میری غیر حاضری رہی۔ شہزادہ جی بہت دکھ ہوا لیکن آئندہ یہ غلطی نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ شہزادہ جواب عرض کی مثال ایک چشمہ کی مانند ہے جو لوگوں کی پیاس بجھانے میں سرگرداں ہے۔ شہزادہ جی آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ سب سے پہلا جواب عرض کس ماہ میں شائع ہوا تھا مجھے امید ہے کہ آپ میرے اس سوال کا جواب ضرور دیں گے۔ اس کے علاوہ آپ جواب عرض میں سپورٹس اور کھلاڑیوں کے تازہ ترین انٹرویوز بھی شائع کیا کریں۔ اس سے جواب عرض کے قارئین میں بہت شدت سے اضافہ ہوگا۔

# کوپن کالم ملاقات کیلئے
## جواب عرض

یہ کوپن ہمیں کالم "ملاقات" کیلئے کاٹ کر ارسال کریں

اور اس میں اپنا تعارف لکھ دیجئے۔ کوپن کے ساتھ کسی قسم کی کوئی فیس یا ڈاک ٹکٹ ارسال نہ کریں۔ کوپن کے بغیر آپ کا تعارف شائع نہیں کیا جائے۔

نام ........................ عمر ........................

مشغلے ........................

مکمل پتہ ........................

........................

اس کوپن کے ہمراہ اپنی ایک عدد تصویر ارسال کریں ہم شائع کریں گے۔ ایڈیٹر

........................

## "ماں سے پیار کا اظہار"

جواب عرض اس کالم میں آپ ماں ... پیار ... اظہار سے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کر سکتے ہیں۔

........................

........................

........................

........................

شہر ........................

## مجھے شکوہ ہے

جواب عرض کے اس کالم میں آپ اپنے دوستوں سے شکوہ کر سکتے ہیں یہ کوپن کاٹ کر ہمیں ارسال کریں۔

مجھے شکوہ ہے ........................

........................

........................

........................

شہر ........................



........................ آرزو- جڑانوالہ سٹی

...... ساقی بھائی آپ کی کہانی اتنی اچھی تھی کہ بتا نہیں سکتی آپ کی کہانی بہت بیسٹ تھی۔ فائزہ شاہ آپ نے بہت کہانیاں لکھی ہیں، گلشن ناز بہت اچھا لکھا، کشور کرن ہاتھ کی لکیریں اچھی کہانی تھی، کشور کرن آپ کی شاعری کیا کیا بات ہے۔ شازیہ چوہدری کیا کہانی تھی آپ کی۔ آصفہ راولپنڈی بیسٹ سٹوری تھی۔

........................ صنم شاہ عرف سنی- حضرت پیر عبدالرحمن

...... جناب آج کل آپ میری غزلیں وغیرہ اور تحریریں وغیرہ بہت کم شائع کرتے ہیں کیا کوئی غلطی ہوگئی ہے مجھ سے اور جناب عالی مجھ کو کافی کالیں آئی ہیں کہ وہ کہتے ہیں شہزادہ عالمگیر صاحب اس دنیا میں نہیں رہے کیا یہ بات سچ ہے مجھ کو تو یقین نہیں آرہا اور آج سے تقریبا چار ماہ پہلے سے لوگ مجھ کو کالیں کر کے پوچھتے ہیں اور آج میں یہ لفظ لکھ رہا ہوں مگر میرے دل کو ابھی تک کوئی یقین نہیں آرہا۔ پلیز سر میری تحریر کو شائع کر دیں مہربانی ہوگی اور میری طرف سے جواب عرض کے سب قارئین اور پوری ٹیم کو سلام۔

........................ ایم لقمان اعوان

...... میں تقریبا دس سال سے جواب عرض کا ہر ماہ باقاعدگی سے مطالعہ کرتا آرہا ہوں لیکن اب تک کبھی کوئی غزل یا شعر لکھ کر نہیں بھیجا یعنی کہ آپ کو تکلیف نہیں دی اب پہلی بار کچھ کوپن لکھ کر بھیج رہا ہوں امید ہے کہ آپ انہیں جواب عرض کی زینت بنائیں گے اور اس ناچیز کی حوصلہ افزائی کریں گے آپ یک بہت مہربانی ہوگی۔ اللہ تعالی اس ڈائجسٹ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے۔

........................ مہر شہباز پرنس- چونیاں

...... جواب عرض دل کی آواز ہے اس کی ہر کہانی لاجواب ہے۔ جن کہانیوں نے بہت زیادہ متاثر کیا ہے وہ ظالم دنیا، وعدہ تو ٹوٹ جاتا ہے، سیلاب کی کہانی، رنگ بدلتی محبتیں بہت پسند آئیں۔ باقی بھی کہانیاں اچھی تھیں لکھنے والوں اور خصوصا شائع کرنے والوں کا شکریہ۔

........................ ایم یعقوب اعوان- چوآ سیدن شاہ

...... ماہنامہ جواب عرض اٹھائیس نومبر کو ملا شہزادہ صاحب کی وفات کی خبر پڑھ کر دل بیٹھ گیا لیکن جو دنیا میں آیا ہے اسے جانا تو ہے خدا تعالی ہمارے ایڈیٹر صاحب کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور میری دعا ہے خدا تعالی ان کی قبر پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے اور جواب عرض کے رائٹر مریز بشیر گوندل صاحب کے لئے دعا گو ہوں کہ خدا انہیں جلد صحت یاب فرمائے۔

........................ حماد ظفر بادی- گوجرہ

...... اس ماہ جواب عرض مجھے بہت دیر سے ملا ورق گردانی کرنی شروع کر دی لیکن میری غزلیں نہیں تھیں بھائی صاحب اس بار مجھے امید ہے کہ میری غزلیں اور نظمیں ضرور شائع ہوں گی اس کے بعد کہانی تمہارا گلاب جیسا شباب بہت اچھی لگی اس کے علاوہ کشور کرن صاحبہ کی غزلیں بھی اچھی لگیں۔ اس کے علاوہ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ اس کے بعد دوست چوہدری الطاف حسین دکھی کا میں بہت شکر گذار ہوں جس چیز کا انہوں نے مجھ پر احسان کیا۔

........................ غلام عباس جتوئی- محمد پور دیوان

کوپن جواب عرض

## شعری پیغام اپنے پیاروں کے نام

جس کے لئے پیغام ہے، اس کا نام ومقام

نام .................... شہر ....................

پیغام (شعری شکل میں) ....................

....................

....................

....................

بھیجنے والے کا نام ومقام

نام ....................

شہر ....................

## کوپن

### کیا آپ ایک اچھے دوست ہیں؟

''کیا آپ ایک اچھے دوست ہیں؟'' اس عنوان کے تحت آپ اپنی دوستی کے بارے میں لکھیں کہ آپ واقعی ایک اچھے دوست ہیں کہ نہیں۔ مرد حضرات صرف اپنے لڑکوں سے دوستی کے بارے میں لکھیں۔ مرد لڑکیوں کے بارے میں نہ لکھیں اور لڑکیاں صرف اپنی سہیلیوں کے بارے میں لکھ سکتی ہیں۔

میں واقعی ایک اچھا دوست ____________________

____________________

____________________

نام: ____________ شہر: ____________